اندازِ بیاں اور

مجیب الرحمٰن شامی

اسد اللہ غالب کا قصور سے وہ تعلق تو نہیں ہے جو بابا بلھے شاہ یا میتھی کا قصور سے ہے لیکن وہ بہر حال ہے جو مادام نور جہاں اور خورشید قصوری کا ہے۔ بابا بلھے شاہ ہمیشہ کے لیئے قصور کے ہو چکے اور میتھی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ یہاں کی نہ ہو تو کسی کام کی نہیں ہوتی جبکہ مادام نور جہاں، خورشید قصوری اور اسد اللہ غالب قصور کے رہتے تو کسی کام کے نہ رہتے۔ یہاں کے نہ بنے تو کسی کام کے بنے۔ اب ان سب کے لیئے قصور ایک بھولی بسری کہانی ہے۔ مادام نور جہاں کسی اخبار کو انٹرویو دے رہی ہوں، ان کے ماضی کو کریدنے کی کوشش ہو رہی ہو تو انہیں قصور یاد آتا ہے۔ خورشید کو الیکشن لڑنا ہو تو اپنے جدّی پشتی قصوری ہونے کا پتا چلتا ہے۔ غالب کے اعزاز میں تقریب کا مرحلہ درپیش ہو تو ان کے قصوری ہونے کی خبر ہوتی ہے۔

اسد اللہ غالب نے ابتدائی سولہ سترہ سال بلاشرکت غیرے قصوریوں کی نذر کیئے۔ اس کے بعد لاہوریوں کے ہاتھ لگے۔ اب لاہوریوں کو ان کے ہاتھ لگ رہے ہیں۔ انہیں قصوری سے کہیں زیادہ لاہوری سمجھا جاتا ہے۔ لاہور نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کی تلاش میں وہ قصور سے نکل کر یہاں پہنچے تھے۔ تعلیم، عزت، شہرت، روزگار، ان سے محبت کرنے والے بھی کم نہیں ہیں۔ اور ان سے محبت وصول کرنے والے بھی بہت ہیں۔ اس کے باوجود ان کا دل قصور میں اٹکا رہتا ہے۔ جس طرح جناب الطاف حسین اور ان کے رفقاء کو کراچی میں پروان چڑھنے کے باوجود مہاجر کہلانے پر اصرار ہے اسی طرح جناب

غالب قصوری کہلا کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ قصور سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ایک سرحدی گاؤں فتوحی والہ میں پیدا ہوئے تھے اس لیئے سرحدوں کی حفاظت کا جذبہ ان کے خون میں ہے۔ جغرافیائی سرحدوں سے دور ہو گئے تو نظریاتی سرحدوں کو نرغے میں لے لیا۔

لاہور پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد اردو ڈائجسٹ کے لشکر میں بھرتی ہو گئے۔ آئے رنگروٹ کے طور پر تھے لیکن جلد ہی باقاعدہ کمیشن حاصل کر لیا۔ فیلڈ مارشل الطاف حسن قریشی کے اے ڈی سی بنے اور زینے چڑھتے گئے۔

ادھر ادھر سے ہوتے ہوئے جناب مجید نظامی کا الطاف حسن قریشی بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ان کے اخبار کے اداریہ نویس بنے۔ اداریہ سمجھئے کہ آرٹلری بریگیڈ کی کمان ان کے سپرد تھی۔ اداریہ لکھتے وقت انہیں اس کرسی پر بیٹھنا پڑتا ہے جس پر کبھی حبیب اللہ اوج اور بشیر احمد ارشد بیٹھا کرتے تھے۔ وہ ان صاحبان کی طرح چادر اور چار دیواری کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی چادر ان کے پاؤں کے مطابق دراز ہوتی رہتی ہے اور چار دیواری تو ہوتی ہی دوسروں کے لیئے ہے۔

غالب توپ خانے کے انچارج ہیں اور حسینی والا سیکٹر میں کھڑے ہوئے بریگیڈیئر اختر عبدالرحمٰن کی طرح دور کی کوڑی لا سکتے ہیں اور دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ بریگیڈیئر اختر نے 1972ء میں سوویت یونین سے دو دو ہاتھ کرنے اور اسے بھارت کی سرپرستی کا مزہ چکھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اسد اللہ غالب کے اس بریگیڈیئر اختر کو آج دنیا جنرل اختر عبدالرحمٰن کے نام سے جانتی ہے۔ اور ان کا لوہا مانتی ہے۔ لیکن بریگیڈیئر اسد اللہ غالب کا سفر جاری ہے، کیا معلوم ان کے قلم نے کس محاذ پر، کس وقت، کس طرح داد شجاعت اور کس کو، کس وقت، کس طرح مار گرانا ہے.... کس سے خراج حاصل کرنا ہے اور کس سے مال غنیمت وصول کر لینا ہے۔

غالب توپ خانے کے انچارج ہی نہیں، خود ایک دور مار توپ ہیں، انہیں جنگی حکمت عملی پر عبور ہے، وہ چومکھی لڑ سکتے ہیں، جارحانہ پیچھے ہٹ سکتے اور دفاعیانہ آگے بڑھ سکتے ہیں، فضاؤں اور سمندروں کو چیر سکتے ہیں، پیدل پیش قدمی کر سکتے ہیں اور سادہ لباس میں سپاہی کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ صحافتی زبان میں سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مکمل اخبار نویس ہیں۔ رپورٹنگ میں مہارت رکھتے ہیں، تحقیقی بلکہ مہماتی رپورٹنگ میں بھی جوہر دکھا سکتے ہیں۔ ترجمے کے دھنی اور الفاظ کے غنی ہیں۔ کالم نگاری ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو اداریہ

نویسی دائیں ہاتھ کا۔ صحافت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا ان کو ادراک نہ ہو۔

ان کی تحریروں سے لطف اندوز ہونے کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کا قلم کیمرہ بھی بن سکتا ہے اور تلوار بھی۔ ریشم بھی بن سکتا ہے اور فولاد بھی۔ اس سے نشتر کا کام بھی لیا جا سکتا ہے اور خنجر کا بھی۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کہاں اسے کیا بنانا اور کیا کام لینا ہے۔

وہ ایک وقائع نگار کی طرح واقعات کا تانا بانا جوڑتے، ایک ناول نویس کی طرح کرداروں کو اچھالتے، ایک ماہر نفسیات کی طرح جذبات کو مٹھی میں لیتے، ایک سراغ رساں کی طرح غوطہ زن ہوتے اور تہ میں اتر جاتے ہیں۔ انہیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ فلم دیکھی جا رہی ہے اور تمام واقعات آنکھوں کے سامنے پیش آ رہے ہیں۔......وہ بجا طور پر اس میدان کے اسد اللہ خان غالب ہیں۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے!!

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

نشانِ حیدر کے جلو میں نیا آرمی چیف

خون کی ایک طویل لکیر، بدر و اُحد اور کربلا کی شفق رنگوں رفعتوں کو چھوتی ہوئی، برکی اور سلیمانکی کے نئے رزم ناموں کا عنوان ٹھہری تو نشان حیدر کہلائی، ایک نہیں دو نشان حیدر جس کے ماتھے پر روشن ستارہ بن کر چمک رہے ہوں تو اس کے مقدر میں ارض پاک کا نیا آرمی چیف بننا لکھ دیا گیا تھا۔اور تقدیر کا لکھا کون بدل سکتا ہے۔

جنرل راحیل شریف نے ایک ایسے وقت میں دفاع وطن کی کمان سنبھالی ہے جب ملک میں ایک قوم کا وجود مکمل خطرے میں ہے، یہ ملک دو قومی نظریئے کی بنیاد پر بنا تھا اور اب اسی بنیاد پر کلہاڑا چلایا جا چکا، امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے باہمی گٹھ جوڑ نے ہماری قومی یک جہتی کو پارہ پارہ کر دیا، امن کے گماشتے، بھارتی را اور امریکی سی آئی اے کی داشتائیں مذموم ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں، ہمارے وزیراعظم فخر سے کہتے ہیں کہ وہ ویزا فری برصغیر چاہتے ہیں۔ ہمارا میڈیا امن کی آشا کا راگ الاپ رہا ہے اور ہمارے قلمکار، شاعر، نقاد اور دانشور اس نظریئے کو بڑھاوا دے رہے ہیں کہ ادب کی کوئی سرحد نہیں ہوتی، وہ کئی کئی دنوں کی کانفرنسیں ایسے ہال میں کرتے ہیں جو الحمرا کے نام سے موسوم ہے، الحمرا ہماری تاریخ کا فخریہ باب تھا لیکن اسے ذلت کی علامت کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ ہمارے چینلز پر میرا سلطان کی ردا چاک کی جا رہی ہے، یہ ہمارے زوال کی علامات ہیں جن کی نمائش سے نئی نسل کو اپنے اسلاف سے گمراہ کیا جا رہا ہے۔ میں بھارتی فلموں اور ڈراموں اور کارٹونوں کی بات نہیں کرتا کیونکہ ان کے ذریعے جو باریک کام کیا جانا تھا، وہ مکمل ہو چکا، اب کھیل اگلے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔

ہم خوش ہیں کہ امریکہ اس خطے سے شکست فاش کھا کر واپس جا رہا ہے۔ مگر ہماری آنکھیں اس انجام کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو ہماری نظریاتی پژمردگی کی وجہ سے ہمارے گلے کا طوق بننے والا ہے۔ ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول پر ایمان رکھنے والے نئے خداؤں، نئی کتابوں اور نئے فرقوں کے حوالے سے تقسیم ہو چکے ہیں اور اس بنیاد پر ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے ہیں، جس کے ذہن میں دین کی جو تشریح آتی ہے، وہ اس کو نافذ کرنے کے لیئے لٹھ اٹھا لیتا ہے، جہاد کا پرچم لہرا دیتا ہے۔ صد حیف! جن قوتوں نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی، وہ آج برہنہ ہو کر ملک کا خدانخواستہ کریا کرم کرنے میں سرگرم ہیں۔

نئے سپہ سالار کو آنے والی جنگ کسی سومنات یا پلاسی یا وزیرستان کے میدان میں نہیں، لوگوں کے ذہنوں میں لڑنی ہے اور جیت کر دکھانی ہے۔ میجر شبیر شریف نشان حیدر نے دشمن کو اسکے مورچے کے سامنے للکارا اور میجر عزیز بھٹی شہید نشان حیدر نے دشمن پر وار کرنے کے لیئے ذاتی حفاظت کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال دیا مگر ان کی شجاعت کی روایات کے علم بردار جنرل راحیل شریف کو ایک نئے اکھاڑے میں اترنا ہے اور یہ ہے نظریاتی جنگ کا محاذ۔ یہ لڑائی یک سوئی مانگتی ہے، یک جہتی مانگتی ہے، اور جذبہ صادق مانگتی ہے۔ دشمن نے ہماری سوچ پر وار کیا ہے، وہ ہمارے نظریئے کو باطل ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے، وہ ہمارے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عام آدمی کے نزدیک اس وقت مسئلہ ہے امن مذاکرات کا، اس وقت مسئلہ ہے، امریکی انخلا کا، اس وقت مسئلہ ہے افغان مستقبل کو طے کرنے کا۔ مگر مجھے ظاہری مسائل سے کیا سروکار۔ میری نظر تو ان خطرات پر مرکوز ہے جو ظاہری مسائل کی تہ میں ہیں، جو سرطان کی طرح ہمارے جسدِ قومی میں سرایت کر رہے ہیں، جو اندر ہی اندر ہمیں کھوکھلا کر رہے ہیں۔ اور اگر دشمن ہمیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا تو وہ وقت دور نہیں جب ہم خدا نخواستہ اس کے قدموں میں سرنڈر پر مجبور ہو جائیں گے اور وہ ہمارے سروں کے ڈھیر پر اپنا تخت سجائے گا۔ ہلاکو اور چنگیز ہمارا یہ حشر کر چکے، امریکی اور نیٹو فورسز نے مسلمانوں کو ملکوں ملکوں اجتماعی قبروں میں دھکیلا۔ ڈرٹی بموں سے چھیدا، کروز میزائلوں سے چھلنی کیا۔

کبھی غور کریں کہ لیبیا میں کیا ہوا، وہاں امریکہ، نیٹو اور اسلام پرستوں نے مل کر قذافی کا تختہ الٹا، ایک نیٹو طیارے کے میزائل نے قذافی کا بدن چھلنی کیا۔ شام میں تو یہ کھیل سب کی نظروں کے سامنے ہے، شامی اسلام پرستوں کو امریکہ اور نیٹو ممالک اسلحہ اور ڈالر فراہم کر رہے ہیں، یہاں روس کے صدر پوتوں کو دخل دینا

پڑا، ورنہ امریکہ بذات خود جارحانہ یلغار کرنے والا تھا۔پہلی افغان جنگ میں امریکہ اور ساری دنیا نے سوویت روس کو شکست سے دوچار کرنے کے لیئے اسلام پسندوں کو جہاد میں جھونکا مگر اب دوسری افغان جنگ میں امریکہ اور اسلام پسند آمنے سامنے ہیں۔ مصر میں اسلام پسندوں کے خاتمے کے لیئے امریکہ وہاں کی فوجی حکومت کا ساتھ نبھا رہا ہے، کچھ پتا نہیں چلتا کہ کہیں تو امریکہ اور اسلام پسند ایک مفاد پر اکٹھے ہیں اور کہیں ان میں دوری اور دشمنی ہے۔اصل کھیل یہ ہے کہ عالم اسلام کو انتشار کا شکار کیا جائے۔

پاکستان میں فوج ہی وہ آخری حصار ہے جو اس ایٹمی قوت کے ملک کی محافظ ہے چنانچہ ساری توجہ اس فوج کے خلاف مرکوز ہے، اس کے شہیدوں کے مقابلے میں کتوں کی شہادت کے فتوے دیئے جا رہے ہیں، ہم اگر اپنے غازیوں اور شہیدوں کو قرون اولیٰ کے غازیوں اور شہیدوں سے نسبت دیتے ہیں تو فون، ایس ایم ایس وغیرہ کے ذریعے ہمارا ناطقہ بند کر دیا جاتا ہے۔آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ قوم کو فوج سے دور کر دیا گیا ہے،فوج کے جنازوں میں سیاسی اور مذہبی لیڈر شرکت سے گریز کرتے ہیں، حکیم اللہ محسود پر ڈرون حملے کا ماتم ہمارا وزیر داخلہ خود کرتا ہے لیکن جنرل ثنا اللہ نیازی کی شہادت پر ایک آنسو بہتا دکھائی نہیں دیتا، لاپتا افراد کے نوحے پڑھے جاتے ہیں اور جن فوجیوں یا پاکستانیوں کی گردنیں کاٹی جاتی ہیں، وہ بھی ان کے شناختی کارڈ چیک کرنے کے بعد اور ان کا نوحہ خواں کوئی ایک بھی نہیں۔

یہ ہے وہ منظر نامہ جب دنیا کی ایک بہترین، تربیت یافتہ، ایٹمی اسلحے سے لیس اور پروفیشنل آرمی کی قیادت جنرل راحیل شریف کو سونپی گئی ہے، جنرل راحیل شریف کے ہاتھ میں پوری قوم کا مقدر ہے۔ان کا چناؤ اس وجہ سے نہیں کیا گیا کہ حکمران ان کی وفاداری پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرسکیں بلکہ اس چناؤ کا ایک ہی مقصد ہے کہ پوری قوم اپنے سپاہ سالار پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکے۔

میجر عزیز بھٹی نشان حیدر اور میجر شبیر شریف نشان حیدر کے خون کے صدقے، قوم اپنے وجود کا تحفظ مانگتی ہے، اپنی آزادی کے تحفظ کی طلبگار ہے، اپنے اقتدار اعلیٰ کے دفاع کا تقاضا کرتی ہے۔اور اس نظریئے کی سلامتی چاہتی ہے جس پر پاکستان کی عمارت استوار کی گئی اور جسے ویزا فری اعلانات اور امن کی آشاؤں اور ان کے گماشتوں کی کانفرنسوں سے حقیقی خطرہ درپیش ہے۔(29 نومبر 2013ء)

اور تلوار چل گئی

یہ میرے آقا و مولا ﷺ کی تلوار ہے، بدر اور احد میں اسی تلوار نے کفار کے لشکر کا مقابلہ کیا۔
کائنات کے مالک نے حکم دیا کہ اپنے گھوڑے تیار رکھو اور یہ بھی حکم نازل ہوا کہ اپنی زرہیں نہ اتارو۔
مومن ہر وقت حالت جنگ میں ہوتا ہے۔

آج ہمارے ہاتھ میں عضب لہرا رہی ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ۔

اگر تم مومن ہو تو فتح تمہاری ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو۔۔۔اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی۔

ہلکے ہو یا بوجھل، اللہ کی راہ میں نکلو۔

آج پاکستان کا لشکر صف بہ صف میدان کارزار کا رخ کر رہا ہے اور پوری قوم کامرانی کی دعائیں مانگ رہی ہے۔قوم کا بچہ بچہ پاک فوج کے شانہ بشانہ ہے۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا ہے کہ آخری دہشت گرد کے خاتمے تک جنگ جاری رہے گی۔ یہ جنگ تو شمالی وزیرستان کے تین محدود سے مقامات کے خلاف ہے، پوری قوم حالت جنگ میں ہے، مگر قوم کو ایوب خان کی طرح کسی نے حوصلہ نہیں دیا کہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ کاش! کوئی لیڈر ہمارے نصیب میں ہوتا۔

فروری 2014 کے آخری ہفتے کے آغاز میں آئی ایس پی آر کے سربراہ میجر جنرل عاصم باجوہ لاہور آئے

،انہوں نے یہ کہہ کر ایڈیٹروں اور کالم نویسوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ فاٹا کا چھیاسی فی صد علاقہ اب تک آزاد کروایا جا چکا ہے اور اب دہشت گردوں کے گروہ شمالی وزیرستان کے صرف تین مقامات تک محدود ہیں، پاک فوج ان کو ملیا میٹ کرنے کی مکمل تیاری کر چکی ہے اور اگر حکومت کی ہدائت ملی تو چار سے چھ ہفتوں میں ان تین مقامات کا بھی صفایا کر کے یہاں سبز ہلالی پرچم لہرا دیا جائے گا۔ یہ بریفنگ لاہور کے آئی ایس پی آر کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اس کے انچارج کرنل شاہد عباس کے لیئے بھی یہ انکشاف کسی بریکنگ نیوز سے کم نہیں تھا اور وہیں سے ٹی وی چینلز کے ٹکر چلنے لگے اور قوم کو ایک نیا حوصلہ ملا کہ چھیاسی فی صد علاقہ کلیئر ہے تو پھر فکر کا ہے کا۔ باقی علاقے کی صفائی کے لیئے بھی دو دو ہاتھ ہو جانے چاہئیں، لیکن دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ پہلے عرفان صدیقی اور پھر فواد حسن فواد کے ذمے لگایا گیا۔ دہشت گردوں کو کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی اور پاک فوج کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے بلکہ بڑی حد تک زبان بندی بھی عمل میں آ چکی تھی، فوج کے سربراہ نئے نئے تھے، وہ حکومت کے لیئے کسی پریشانی کا باعث نہیں بننا چاہتے تھے مگر جب ملک کے ڈی فیکٹو وزیر اعظم شہباز شریف چین کے دورے پر گئے تو سنکیانگ میں دہشت گردی کی بھیانک واردات ہو گئی جس کا کھرا پاکستان کے قبائلی علاقوں تک پہنچتا تھا تو پھر جنرل راحیل شریف اچانک چار دن کے لیئے چین پہنچے۔ میری معلومات کے مطابق یہ کوئی طے شدہ دورہ نہیں تھا۔ مگر پاکستان کے ایک آزمودہ دوست اور ہمسائے چین کے ساتھ یک جہتی کے اظہار کے لیئے یہ دورہ ضروری تھا، چینی صدر اپنی حکومت کو حکم دے چکے تھے کہ پاکستان کی سرحد پر زمین سے آسمان تک کنکریٹ کی ایک دیوار کھڑی کر دی جائے تاکہ کوئی بیرونی دہشت گرد چین کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکے۔

جنرل راحیل شریف کے دورے کے نتیجے میں شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن ناگزیر ہو چکا تھا، کئی برسوں سے امریکیوں کا دباؤ تھا کہ یہ آپریشن کیا جائے لیکن ہم ٹال مٹول سے وقت گزار رہے تھے، چینیوں پر آفت ٹوٹی تو ہم اس عظیم ہمسائے کے ساتھ ٹال مٹول نہیں کر سکتے تھے اور پھر دہشت گردوں نے ایک بہانہ اور فراہم کر دیا، وہ کراچی ایئر پورٹ پر حملہ آور ہوئے اور پاکستان کو دنیا بھر میں رسوا کر کے رکھ دیا۔ ایک ویب سائٹ پر ازبک خودکش بمباروں کی تصویریں بڑے تفاخر سے لگائی گئیں، یہ نوعمر لڑکے تھے جن کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔

پاکستان کو فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کب تک غیر ملکی چھوکروں کی ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔

حکومت ہمیشہ کی طرح بے عملی کا شکار تھی۔ وزیر داخلہ کے بارے میں پتا چلا کہ وہ رات بھر وزیر اعظم کا فون ہی سننے کے لیئے تیار نہ ہوئے، کئی گھنٹوں بعد وہ کراچی پہنچے تو انہوں نے ناقص سکیوریٹی کی ذمے داری سندھ حکومت پر ڈال دی۔ یہ طوائف الملو کی کا عالم تھا۔

کسی جاں بلب مریض کے رشتے دار جب اس کی میراث پر لڑ بھڑ رہے ہوتے ہیں تو آپریشن تھیٹر کے ڈاکٹر، مریض کی زندگی بچانے کی کوشش میں مصروف ہوتے ہیں۔ کراچی میں کیا ہوا، کس کا گناہ تھا، اس کا فیصلہ حکومتی منصب دار مہینوں اور برسوں کی بحث میں کرتے رہیں گے، مگر ملک کو بچانے کے لیئے جنرل راحیل شریف کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ انہوں نے بزن کا اشارہ کیا اور وہ آپریشن شروع ہو گیا جو میرے حضور ﷺ کی تلوار عضب سے منسوب ہے۔ نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں۔

عضب تلوار علم بن کر لہرا رہی ہے اور اس کے سائے میں میرے دیس کے گھبرو جوان قوم کی ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیئے ان پہاڑوں کی غاروں میں کود گئے ہیں جہاں فاتحین عالم کے سانس بھی رک جاتے تھے اور جہاں بادصرصر بھی ڈر ڈر کے قدم رکھتی ہے۔

یہیں کہیں تورا بورا کے غار ہیں جن میں امریکی افواج کو گھسنے کی جرات نہیں ہوئی تھی اور اس نے لاکھوں میل دور بیٹھ کر بی باون طیاروں اور کروز میزائلوں سے تورا بورا کے پہاڑوں کو سرمے کی طرح پیس ڈالا تھا مگر دتہ خیل، شوال اور میران شاہ کی چوٹیوں میں میرے اور آپ جیسے گوشت پوست کے جوان، ان دہشت گردوں سے نبرد آزما ہیں جو پچھلے دس برسوں میں ساٹھ ہزار بے گناہ پاکستانیوں کا قیمہ بنا چکے، یہ جوان اپنا آج ہمارے کل کے لیئے قربان کر رہے ہیں، ان میں سے کون سلامت واپس آتا ہے اور کون ہلالی پرچم کا کفن پہنتا ہے، یہ تو بقا، یا فنا کی جنگ ہے، یہ سلامتی یا تباہی کی جنگ ہے۔ یہ ناؤ آر نیور کا سوال ہے، دشمن نے اپنے مذموم عزائم آشکار کر دیئے، وہ پاکستان کو مفلوج کر دینا چاہتا ہے، وہ لاہور اور کراچی کے بچوں کا خون کرنا چاہتا ہے، وہ ایک ایئر پورٹ ہی نہیں، ہر ایئر پورٹ کو لولا لنگڑا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کا رابطہ باہر کی دنیا سے کاٹ دینا چاہتا ہے۔ اس نے بیرونی سرمایہ کاروں کو دھمکی دی ہے کہ وہ پاکستان چھوڑ جائیں۔

یہ آزمائش کی گھڑی ہے۔ اب ایک ایک شہری کو یہ جنگ لڑنی ہے، ہر گھر میں دشمن چھپا ہوا ہے، ہر دفتر میں دشمن چھپا ہوا ہے، ہر آستین میں سانپ ہے، ہر بغل میں چھری ہے۔ ہر دوسرا شخص آپ کی پیٹھ پیچھے وار کرنے پر تلا ہوا ہے، اب یہ جنگ ہم سب کو لڑنی ہے، پاکستان کے حصول کی جنگ میں بھی ہر شہری نے قربانیاں

دیں، اب پاکستان بچانے کی جنگ کا مرحلہ درپیش ہے۔

آیئے، اپنے نبی ﷺ کی تلوار کے سائے میں ہم سب آگے بڑھیں۔

اپنے خدا پر یقین رکھیئے، بیس کروڑ افراد پر مشتمل قوم کو دنیا کی کوئی طاقت نیست و نابود نہیں کر سکتی۔

جنرل راحیل شریف، اپنے بھائی میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میدان میں کود گئے ہیں۔ ایسے سپوت ہر قوم کے نصیب میں نہیں ہوتے۔ (17 جون 2014ء)

غزوۂ بدر کا جذبہ

رمضان بھی آگیا اور بدر کا معرکہ بھی درپیش ہے۔

پاکستان کا لشکر بدر کے میدان میں کھڑا ہے، وہی فیصلہ کن لمحات اور وہی دعا۔ خدایا! ہم مٹ گئے تو تیرا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔

خدایا! ہمیں اپنے ایٹم بموں، ایف سولہ اور میراج طیاروں، گن شپ ہیلی کاپٹروں، رانی توپوں اور ایس ایس جی کمانڈوز کے ہوتے ہوئے بھی تیری ہی مدد اور نصرت درکار ہے۔

عضب خان پیدا ہوگیا، رمضان خاں بھی تولد ہوجائے گا۔ عضب خان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، الوہی نور تھا اور روشن مستقبل کی جھلک بھی، رمضان خان اللہ کی رحمتوں اور فضیلتوں کا باعث بنے گا۔ وہ امن، سکون، طمانیت اور سرخوشی کی علامت ہوگا۔

چند ماہ پہلے تک پاکستانی قوم سہمی ہوئی تھی، کمیٹیوں پر کمیٹیاں بنا کر امن کی بھیک مانگی جا رہی تھی، پھر آئی ایس پی آر کے سربراہ میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ لاہور آئے، چند اخبار نویسوں کے ساتھ ایک بریفنگ میں شریک ہوئے، ان پر سوالوں کی بوچھاڑ جاری تھی، آخر انہوں نے تحمل سے کہا کہ کیا مجھے اجازت دیں گے کہ ایک کمپیوٹر بریفنگ تیار کر کے لایا ہوں، وہ دکھا دوں، اور جب سامنے اسکرین پر ایک کے بعد ایک چارٹ نمودار ہوا تو محفل میں موجود اخبار نویسوں کے ذہنوں کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔ یہ انکشاف حیرت انگیز تھا کہ فاٹا کے تمام علاقے دہشت گردوں سے کلیئر کروائے جا چکے ہیں، یہ آزاد کردہ علاقہ چھیاسی فی صد بنتا ہے، باقی

کے چودہ فی صد علاقے کے صرف تین مقامات پر دہشت گردوں کا جمگھٹا باقی تھا۔

جنرل باجوہ نے کہا کہ ہم ان تین علاقوں کو کلیئر کرنے کے لیئے بالکل تیار ہیں اور حکومت کے اشارے کے منتظر۔

سوال ہوا کہ کتنا وقت لگ جائے گا اس نئے آپریشن میں!

جواب ملا۔ چار سے چھ ہفتے۔

بیک زبان سب بول اٹھے۔ صرف چار سے چھ ہفتے!!

جی ہاں، جنرل عاصم سلیم باجوہ کا، نپا تلا جواب تھا۔

اگلے سوال کی بوچھاڑ سبھی شرکائے محفل کی طرف سے ہوئی: کیا آپ گڈ اور بیڈ طالبان کا فرق ملحوظ رکھیں گے۔

جواب ملا: نہیں۔ ہم ایک محدود وقت دیں گے کہ امن پسند لوگ علاقہ خالی کر دیں، پھر جو باقی رہ جائے گا اسے دشمن تصور کریں گے اور اس سے بلا لحاظ نبٹیں گے۔

یہ کیا کہہ دیا۔ حیرت انگیز معلومات ہاتھ آ گئی تھیں۔ اگلے روز کے اخبارات کی ایک ہی ہیڈ لائن تھی کہ فوج فاٹا کو چار سے چھ ہفتوں میں کلیئر کر سکتی ہے۔

میجر جنرل عاصم باجوہ کی ایک بر وقت پریس بریفنگ نے بازی الٹ دی تھی۔

کہاں یہ تصور کہ فاٹا میں نامی گرامی فاتحین عالم بھی داخل نہیں ہو سکے، غیور اور جری قبائلی کسی مداخلت کو قبول نہیں کر سکتے، قائد اعظم نے بھی فاٹا سے پاک فوج کو واپسی کا حکم دیا تھا اور اس کے لیئے صرف اڑتالیس گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔

کسی کو شک نہیں کہ قبائلی انتہائی غیرت مند، حریت پسند اور آزاد منش لوگ ہیں۔ وہ کسی کی مداخلت کو قبول نہیں کرتے، فاتحین عالم کو یہاں سے ہمیشہ پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

مگر پاک فوج کا مقابلہ ان غیور اور بہادر قبائلیوں سے نہیں، وہ تو ان مٹھی بھر دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جنھوں نے نہ صرف فاٹا بلکہ پورے ملک کو یرغمال بنا رکھا ہے اور اس علاقے کی خفیہ پناہ گاہوں سے دنیا بھر میں دہشت گردی کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ ان مٹھی بھر دہشت گردوں کے پیچھے پوری غیر اسلامی دنیا کھڑی ہے، وہ مملکت خداداد اور اس کی بہادر افواج کو خدانخواستہ

سرینڈر کروانے پر تلے ہوئے ہیں۔

قبائلیوں کی تکلیف بہت عارضی ہے، اس سے بھی زیادہ عارضی جتنی چیف منسٹر پنجاب نے لاہور میٹرو بس کے ایک منصوبے سے شہر کے سوا کروڑ عوام کو پہنچائی، اس اذیت کا دورانیہ تین برسوں پر پھیلا ہوا ہے جبکہ فاٹا کا آپریشن سوات اور مالاکنڈ کی طرح انتہائی مختصر عرصے لیعنی چند ماہ کے لیئے ہے اور اسی عرصے میں بے گھروں کی واپسی بھی انشا اللہ ممکن ہو جائے گی۔ وہاں اگر آپریشن کا انچارج کوئی شہباز شریف ہوتا تو وہ اپنی تصویروں کے ساتھ جگہ جگہ یہ بورڈ آویزاں کروا دیتا کہ آج کی زحمت، صدیوں کی رحمت۔

شمالی وزیرستان سے پر امن قبائلی باہر نکل آئے ہیں، ان کی اب تک کی تعداد پانچ لاکھ بھی نہیں بنتی۔ یہ لاہور کے کسی چھوٹے سے محلے میں سما سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک لاکھ عارضی بے گھروں کی کفالت کی ذمے داری بحریہ ٹاؤن کے ملک ریاض نے اٹھانے کی پیش کش کر دی ہے، میں نے ملک ریاض کو نیکیوں کے بحیرہ عرب کا خطاب دے رکھا ہے۔ باقی رہ گئے چار لاکھ بے گھر، اور بیس کروڑ ملکی آبادی میں سے ہر پانچ افراد کو ایک بے گھر کی کفالت کرنی ہے۔ قوم زندہ ہو، صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے جذبوں سے سرشار ہو اور انصار مدینہ کی روایات کی پاسدار ہو تو چند ماہ کا بوجھ صدیوں کی راحت کا باعث بن سکتا ہے۔ حافظ محمد سعید کی فلاح انسانیت فاؤنڈیشن، جماعت اسلامی کی الخدمت فاؤنڈیشن، ڈاکٹر آصف محمود جاہ کی کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی اور دیگر رضا کار ادارے پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ بیرونی ملکوں سے ڈالر کھانے والی این جی اوز براہ کرم میدان میں نہ اتریں۔ یہ کوئی بڑی قیامت نہیں کہ قوم ان کے بغیر اس کا سامنا نہ کر سکے۔

زمینی آپریشن ابھی شروع نہیں ہوا، صرف فضائی حملوں کے ذریعے ٹارگٹڈ بمباری کی جا رہی ہے۔ جنرل عاصم باجوہ نے دو روز پیشتر کہا ہے کہ علاقے کی زیادہ تر آبادی باہر نکل چکی ہے، پھر بھی اعلانات کیئے جا رہے ہیں کہ کسی بھی وجہ سے کوئی پیچھے رہ گیا ہو تو گھر چھوڑ دے، اس کے بعد زمینی آپریشن شروع ہوگا۔ اور اس کے بعد جو بھی سامنے آئے گا، اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ جنرل صاحب نے اس پروپیگنڈے کی تردید کی ہے کہ دہشت گردوں کی بڑی تعداد افغانستان منتقل ہو چکی یا پاکستان کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں پھیل گئی ہے۔ جنرل صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ پاک فوج کو سخت مقابلے کی توقع ہے لیکن فوج اس عزم سے سرشار ہے کہ غازی یا شہید۔

جنگ بدر میں عددی مقابلہ نہیں تھا، لشکر اسلام کا انحصار صرف اس عزم پر تھا کہ غازی یا شہید۔ اور خدا کی

نصرت پر بھی، تائید غیبی پر بھی۔ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو، اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف تو قربانیوں سے مرقع خاندان کا فرد ہے۔ دو نشان حیدر کی روایات کا امین۔ وہ گزشتہ روز سیاچین گئے، دنیا کا بلند ترین میدان جنگ۔ نواز شریف نے کہا تھا کہ ہماری فوج کو یہاں سے واپس آجانا چاہیئے۔ ان کے سیاسی گرو ضیاالحق نے کہا تھا کہ سیاچین میں تو گھاس بھی نہیں اگتی مگر انیس سو چوراسی سے لے کر اب تک سیاچین کی سرزمین صرف سیاہ گلابوں سے ہی مزین نہیں، شہیدوں کے لہو نے اسے گلنار بنا دیا ہے۔ گیاری کے شہدا کی قربانی کی مثال تو پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

جنرل راحیل شریف نے ان شہدا کی یادگار پر پھول چڑھاتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔

قوم نے اس پر آمین کہی ہے۔ (یکم جولائی 2014ء)

صفحہ تو پھٹ گیا ہے

ہر ایک کا اصرار ہے کہ اس وقت مقتدر قوتیں ایک صفحے پر ہیں۔
مگر مجھے تو یہ صفحہ پھٹا ہوا نظر آتا ہے، لیر و لیر ہے، ہو سکتا ہے اس کے ٹکڑوں سے لٹکنے کی کوشش کی جا رہی ہو جیسے کھلے متلاطم سمندر میں ایک کشتی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے تو اس کے بچے کھچے تختوں سے لوگ جان بچانے کے لیئے چمٹ جاتے ہیں۔

یہ صفحہ کب پھٹا، جب بھٹو کو پھانسی دی گئی۔تب سے پیپلز پارٹی کو اس صفحے ہی سے الرجی ہے۔

نواز شریف کے سامنے جنرل کاکڑ نے چھڑی لہرائی اور مشرف کے جرنیلوں نے اس کا تختہ الٹ کر اسے کال کوٹھڑی میں ڈالا، اٹک قلعے کی سرنگوں میں بند کیا اور چھوٹے سے جہاز میں سوار کر کے اسے سیٹ کے ساتھ آہنی زنجیروں سے باندھا تو نواز شریف نے ہمیشہ کے لیئے یہ صفحہ پھاڑ دیا۔

کل پرسوں احسن اقبال ایک چینل پر بیٹھے کہہ رہے تھے کہ اسے فوجی افسروں نے برے طریقے سے پکڑا، ہاتھ پشت کے پیچھے کھینچ کر باندھے اور کانوں میں گرم پانی ڈالا، اس احسن اقبال کے لیئے کسی صفحے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

پرویز رشید کو ایسی مار پڑی کہ اسے امریکہ جا کر نفسیاتی علاج کرانا پڑا، پتا نہیں سعد رفیق کے ساتھ کیا بیتی، خواجہ آصف اور چودھری نثار کی کتھا کیا ہے مگر یہ سب لوگ اس صفحے کی طرف اب دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

مگر یہ تصویر کا ایک رخ ہے، ن لیگ کی لیڈر شپ کو مشرف دور میں عقوبت کا سامنا کرنا پڑا تو ایک زمانہ تھا جب شاہی قلعے اور چونا منڈی میں نوجوانوں کو الٹا لٹکایا جاتا تھا، ان کے ناخن اکھیڑے جاتے، ان کے گھٹنوں میں میخیں ٹھونکیں جاتیں، ان میں طارق چودھری بھی شامل تھا اور ضیا شاہد بھی۔ یہ بھٹو کا دور تھا، اسی دور میں معراج محمد خان، میاں اسلم، ملک سلیمان، افتخار تاری کو انہی کی پارٹی نے جھٹکا دیا، اور حنیف رامے جیسے بھٹو کے متوالے کو جیلو جیل گھمایا گیا، چند ہفتے پہلے ان کے بیٹے ابراہیم رامے نے بابا پر گزرنے والی قیامت کا حال سنایا تو ایک بھری محفل میں ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ یہی دور تھا جب آرمی چیف جنرل گل حسن کو ایک کار میں قید کر لیا گیا اور ان کی جگہ ایسا آرمی چیف بٹھا دیا گیا جو ریٹائر ہو کر پیپلز پارٹی کا سیکرٹری جنرل اور بعد میں گورنر پنجاب بنا۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ عہدے اسے مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کی خدمت کے صلے میں بخشے گئے تھے۔ یہی وہ آپریشن ہے جس کے آغاز پر بھٹو نے کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے پاکستان بچ گیا۔ اور یہی وہ آپریشن ہے جس نے ایک صفحے کی پاکستان کی کتاب کا آدھا حصہ پھاڑ دیا۔

اب بھی اصرار ہے کہ سب مقتدر قوتیں ایک صفحے پر ہیں، کون سی مقتدر قوتیں اور کون سا صفحہ۔

وہ صفحہ جس پر محترمہ بے نظیر بھٹو کے خون کے چھینٹے ہیں۔ راولپنڈی کے اسی مقام پر ملک کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو گولی کا نشانہ بنایا گیا اور یہیں بے نظیر کی لاش تڑپی۔

پھر بھی اصرار ہے کہ سب ایک صفحے پر ہیں۔

ہاں! طالبان سے مذاکرات کا آغاز ہوا تو نظر یہی آیا کہ ملک کی سبھی قوتیں ایک صفحے پر ہیں، حکومت، فوج، جماعت اسلامی، میڈیا، جے یو آئی، تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی، ان کے ارد گرد ایم کیو ایم، ق لیگ اور باقی چھوٹی بڑی سیاسی پارٹیاں بھی کہیں اسی صفحے سے لٹکتی نظر آ رہی تھیں۔ ساتھ ہی مشرف پر مقدموں کا آغاز ہوا، اس نے اپنی مدد کے لیے فوج کو پکارا، فوج نے شاید اتنی مدد کی کہ اسے اپنے ہسپتال میں لے گئی اور وہ دن اور آج کا دن، فوج کی شامت آئی ہوئی ہے، ٹی وی پر ہر کوئی غرا رہا ہے۔ لتے لے رہا ہے اور پھر بھی اصرار یہ ہے کہ سبھی ایک صفحے پر ہیں۔ آرمی چیف اور آئی ایس آئی چیف، آئے روز وزیر اعظم کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ سبھی ایک صفحے پر ہیں۔

اس ہنگام میں طالبان سے مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا۔ سرکاری کمیٹی، طالبان کمیٹی اور طالبان شوری، سبھی ایک صفحے پر چہچہا رہے تھے۔ طالبان نے قیدیوں کی لمبی چوڑی فہرست دے دی اور ایک آزاد علاقہ مانگ

لیا۔قیدی تو رہا ہونا شروع ہو گئے،آزاد علاقے کا تعین پروفیسر ابراہیم اور میجر عامر نے شاید کر لیا ہو اور فواد حسن فواد نے نوٹی فی کیشن کی ڈکٹیشن بھی شاید دے دی ہو مگر جو ایک صفحے پر نہیں تھے،انہوں نے بتایا ہو گا کہ حضور!پلاٹ تو الاٹ کرنے کا اختیار آپ کے پاس ہے مگر مادر وطن کا ایک انچ بھی آزاد کرنے کا حق آپ نہیں رکھتے۔مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی نے شکست قبول کر لی لیکن اس صوبے کا ایک انچ بھی مکتی باہنی کو آزاد کرانے کا موقع نہیں دیا جہاں وہ بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرا سکتے ہوں۔مکتی باہنی نے بھارتی فوج کی مدد سے پورے مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا،اب بھی کسی میں ہمت ہے تو لڑ کر،شکست دے کر،پاکستان کا کوئی علاقہ آزاد کرا سکتا ہے۔

مگر دنیا بھر کی حربی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو چیز آپ لڑ کر نہیں لے سکتے،وہ آپ مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر بھی حاصل نہیں کر سکتے۔اور یوں فری پیس زون کا خواب چکنا چور ہو گیا۔اور ایک صفحے پر نظر آنے والا منظر بھی سراب ثابت ہوا۔خواہش یہ ہے کہ حکومت اور فوج ایک صفحے پر اکٹھے ہوں،یہ ایسی ہی ہزاروں خواہشوں میں سے ایک خواہش ہے کہ پٹواری،محرر اور کلرک بادشاہ سے لے کر آئی جی اور چیف سیکرٹری تک سبھی وزرائے اعلیٰ اور وزیر اعظم کے ساتھ ایک صفحے پر نظر آئیں۔ایسا ہوا ہے،نہ کبھی ہو گا۔کوئی تھانیدار کسی کے قابو میں نہیں ہے،کسی جیب کترے یا ڈاکو پر کسی کا اختیار نہیں ہے،اور کسی عدالت کے اہلمد پر کسی کا کوئی کنٹرول نہیں ہے،اور جج تو آزاد ہوتے ہیں،ان کے بارے میں سوچنا ہی محال ہے،ملک میں ہر سطح پر استحصال جاری ہے،رشوت کا بازار گرم ہے،اقربا پروری کی حدیں پار کر دی گئیں،ہمارا جمہوری نظام ان میں سے کسی خرابی پر قابو نہیں پا سکا مگر اس کی اولیں خواہش یہ ہے کہ فوج کو نکیل ضرور ڈالی جائے۔بالکل ڈالی جائے،لیکن ساتھ ہی اپنی لامحدود خواہشات کو بھی نکیل ڈالنا ضروری ہے۔جمہوری حکومت کا اپنا مزاج بھی جمہوری خطوط پر استوار ہونا چاہیئے،اسے بادشاہت کی آلائش سے پاک ہونا چاہیئے۔اس کے خانوادے میں شہزادے نظر نہ آئیں۔

جنرل کیانی نے فوج کو سیاست سے دور کر دیا تھا،جنرل راحیل بھی اطاعت کے موڈ میں ہیں لیکن بارہ اکتوبر ننانوے کی نحوست کی سیاہی،آج کی افواج کے منہ پر ملنے کے شوق پر قابو پانے کی ضرورت ہے تاکہ فوج وقار کے ساتھ اپنا کام کر سکے اور حکومت سکون کے ساتھ ریاست چلا سکے۔

نہیں صاحب،جو صفحہ ہی پھٹ چکا،اس پر سبھی اکٹھے کیسے نظر آئیں گے۔(7 اپریل 2014ء)

جنرل اطہر عباس نے کیا چھپانے کی کوشش کی اور کیوں کی؟

میجر جنرل اطہر عباس نے جو کچھ کہا، اس میں بہت سی باتیں تو واضح ہیں اور کچھ باتیں بین السطور میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ابلاغ کے شعبے سے تعلق رکھنے والا ایک ماہر جرنیل اپنی بات غیر مبہم طور پر کیوں نہیں کرسکا، یا جو ابہام رہ گیا ہے، تو کیا وہ دیدہ دانستہ ہے۔

مجھے یقین ہے کہ بی بی سی نے یہ ابہام شرارت کے طور پر باقی رہنے دیا ہے ورنہ ایک گرگ باراں دیدہ ادارے کا نامہ نگار ایک سوال اور بھی پوچھ سکتا تھا تاکہ بات واضح ہوجاتی۔

اطہر عباس کے بیان سے جو باتیں سمجھ میں آتی ہیں، ان میں سے بڑا انکشاف تو یہ ہے کہ جنرل کیانی نے شمالی وزیرستان آپریشن میں ہاتھ نہیں ڈالا جبکہ اس کی تیاری بھی مکمل ہوگئی تھی، دوسرا انکشاف یا بہتان یہ ہے کہ پچھلے تین سال کی دہشت گردی سے جو نقصان ہوا، اس کی ذمے داری کیانی صاحب پر عائد ہوتی ہے، اس لیئے کہ اگر وہ آپریشن کر دیتے تو اس تباہی سے بچا جاسکتا تھا۔ جنرل کیانی کی ہچکچاہٹ کی ایک وجہ بھی انہوں نے بیان کردی ہے کہ اس آپریشن کے لیئے امریکہ کی طرف سے دباؤ ڈالا جارہا تھا اور اگر آپریشن ہو جاتا تو ہر کوئی یہ کہتا کہ ہم نے امریکہ کے کہنے پر اپنوں کا خون بہایا۔ ایک نتیجہ جو میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ پچھلے ایک سال سے جو تاخیر روا رکھی گئی ہے اور اس تاخیر کی ذمے داری، وزیراعظم نواز شریف، عرفان صدیقی، فواد حسن فواد، سمیع الحق، عمران خان اور پروفیسر ابراہیم پر عائد ہوتی ہے بلکہ ان تمام پارٹیوں پر بھی

جنہوں نے وزیراعظم کی کانفرنس میں شرکت کر کے امن کو ایک اور راستہ دینے کے حق میں ووٹ ڈالا۔ اس ایک سال کی تاخیر پر اب بحث کا وقت تھا مگر اطہر عباس نے کامل ہوشیاری سے تاخیر کی ذمے داری کا رخ جنرل کیانی بلکہ جی ایچ کیو کی طرف موڑ دیا، یعنی جو سوالات حکومت وقت اور اس کی امن کی آشا کی حلیف پارٹیوں سے پوچھے جانے چاہیئں تھے، وہ اب جنرل کیانی سے پوچھے جا رہے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ فوج سے پوچھے جا رہے ہیں کہ اس نے آپریشن میں تاخیر کیوں کی۔ وہ تو خیر گزری کی عوام کی بھاری اکثریت اب اپنی مسلح افواج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے اور فی الوقت عوام کا موڈ یہ ہے کہ فوج کے سو گناہ بھی معاف کرنے کو تیار ہے، اس لیئے کسی نے بھی نہ تو کیانی صاحب پر الزام کو قبول کیا ہے، نہ فوج کو سخت سست کہنے کے لیئے تیار ہے۔

تو وہ سوال کیا ہے جو بی بی سی کے نامہ نگار نے جنرل اطہر عباس سے جان بوجھ کر نہیں پوچھا۔ اگر آپ ایک بار پھر بی بی سی کی رپورٹ پڑھیں تو آپ کو اس میں ایک تضاد نظر آئے گا، ایک جگہ پر جنرل صاحب فرماتے ہیں کہ فوج نے آپریشن کے حق میں فیصلہ کر لیا تھا، مگر آگے چل کر کہتے ہیں کہ کچھ جرنیل آپریشن کی مخالفت کر رہے تھے، تو پھر ان کے اس دعوے کی حقیقت کیا رہ گئی کہ آپریشن کا فیصلہ ہو گیا تھا اور اس کے لیئے ایک سال کی تیاری بھی کر لی گئی تھی۔ اصل میں جنرل اطہر عباس نے ایک بار پھر ہوشیاری سے کام لیا ہے اور بی بی سی نے اس ہوشیاری کا جان بوجھ کر پردہ چاک نہیں ہونے دیا۔ جنرل اطہر عباس کی اس تضاد بیانی سے یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ کون سے جرنیل تھے جنہوں نے آپریشن کی مخالفت کی تھی اور یہ کہ ان کی مخالفت کی وجہ کیا تھی۔ ایک شخص اپنے آرمی چیف کا نام تو بڑے دھڑلے سے لیتا ہے لیکن اس کے ان ماتحتوں کے نام صیغہ راز میں رکھتا ہے جو دراصل آپریشن کی تاخیر کا باعث بنے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جنرل اطہر عباس کو فوری طور پر یہ ابہام دور کرنا چاہیئے ورنہ لوگ اپنی اپنی فہم کے مطابق ٹوہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ وہ کون سے جرنیل تھے جنہوں نے آپریشن کو رکوا کر ہزاروں بے گناہ عوام کو دہشت گردوں کے رحم و کرم پر چھوڑا بلکہ انہوں نے فوج کے ایک جرنیل کو بھی شہید کیا اور درجنوں فوجی قیدیوں کے گلے کاٹے، اور پاکستان کے ایئر پورٹس پر حملے کر کے ملک کو دنیا میں یکہ و تنہا کر دیا۔

میں ذاتی طور پر جنرل اطہر عباس کے دعوے کو مبنی بر حقیقت نہیں سمجھتا، انہوں نے پوری طرح ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ جی ایچ کیو کی اعلیٰ ترین سطح پر دہشت گردوں سے کسی

کو ہمدردی ہو سکتی ہے۔ عام طور پر لوگ گڈ اور بیڈ طالبان کی بات کرتے ہیں مگر میں اسے بھی درفنطنی قرار دیتا ہوں، یہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے جو پاک فوج کو کسی نہ کسی طور پر مطعون کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

ایک زمانے میں پاک فوج میں ایسے جرنیل ضرور تھے جو تسخیر عالم کے شوق میں مبتلا تھے اور انہوں نے اسٹریٹیجک ڈیپتھ یعنی دفاعی عمق کی اصطلاح بھی گھڑی تھی۔ مگر ان جرنیلوں کا زمانہ تین عشرے ہوئے، لد چکا۔ زمانہ بدل گیا، حالات بدل گئے، حقائق بدل گئے۔ ہم نے افغانستان کی کیا مدد نہیں کی، اسے روس کے چنگل سے چھڑایا، ہم نے طالبان کو اپنے ٹینکوں پر بٹھا کر کابل کے تخت پر متمکن کیا مگر آج بھی افغان حکومت، افغان فوج اور افغان میڈیا، پاکستان کے خون کا پیاسا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ہمیں افغانستان کا ساتھ اس وجہ سے چھوڑ دینا چاہیئے لیکن میں بہر صورت افغانستان کے امور پر حاوی ہونے کے حق میں نہیں ہوں۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ ہم افغانستان پر بھارتی غلبے کو قبول نہیں کر سکتے، ہمیں اس کی مزاحمت تو کرنا ہو گی تا کہ ہماری پشت تو غیر محفوظ نہ ہو جائے۔

میں نے پچھلے ایک کالم میں لکھا کہ ہمیں بھی اسی طرح ایک دیوار، ڈیورنڈ لائین پر کھڑی کرنی چاہیئے جیسے ساری دنیا نے اپنے اپنے بارڈر پر دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ میرے ایک دوست ریٹائرڈ جرنیل نے فون پر مجھے جھاڑ پلائی کہ افغانی ہمارا اثاثہ ہیں۔ ہم ان کے درمیان دیوار کھڑی نہیں کر سکتے مگر میرا پختہ ایمان ہے کی یہ دیوار کھڑی کرنے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہیں۔

فی الوقت مجھے جنرل اطہر عباس سے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنی اور اپنے سابقہ ادارے کی کریڈیبلٹی کو داؤ پر نہ لگائیں، اور صاف بتائیں کہ کہ وہ جرنیل کون تھے جو آپریشن کی مخالفت کر رہے تھے اور ان کی مخالفت کی وجہ کیا تھی۔ جنرل صاحب نہیں بولیں گے تو ہر کوئی اپنے اندازے کے مطابق کسی نہ کسی جرنیل کو مطعون کرتا رہے گا۔ (5 جولائی 2014)

جنرل اطہر عباس کی بے وقت کی راگنی

ڈی این اے کی تھیوری پر میرا ایمان مستحکم ہو گیا ہے۔

میں حیران ہوا کرتا تھا کہ میجر جنرل اطہر عباس فوج میں کیسے فٹ ہو گئے ہیں اور وہ بھی ایک نظریاتی فوج میں جس کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی تھے۔ میرا شک ان کے خاندانی پس منظر کی وجہ سے تھا۔ انسان اپنی فطرت پر پیدا ہوا ہے، اور اس فطرت سے وہ چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ آخر کار جنرل اطہر عباس کے اندر کی فطرت کو زبان مل گئی۔ اور وہ بھی ایسے وقت پر جب ہر شخص کے ہونٹوں پر ایک ہی سوال تھا کہ موجودہ حکومت نے شمالی وزیرستان کے آپریشن کو ایک سال تک روک کر دہشت گردوں کے ہاتھ کیوں مضبوط کیئے اور انہیں نئی طاقت پکڑنے کا موقع کیوں فراہم کیا، اس دوران میں ان دہشت گردوں نے ہزاروں بے گناہوں کا قتل عام کیا اور زیر حراست فوجیوں کے سر کاٹ کر ان سے فٹ بال کھیلنے کا شوق پورا کیا۔ اس سے قبل کہ حکومت اپنے فعل پر کسی شرمندگی کا اظہار کرتی اور نام نہاد سرکاری اور طالبان امن کمیٹیاں کوئی عذر لنگ پیش کرتیں، جنرل عباس بولے اور چھپڑ پھاڑ کر بولے، ایسا بولے کہ رانا ثنااللہ، پرویز رشید، منور حسن، خواجہ آصف، اور پروفیسر ابراہیم کو بھی مات کر گئے۔

جو کچھ اطہر عباس نے کہا ہے وہ سراسر فوج کے خلاف چارج شیٹ ہے کہ اس نے شمالی وزیرستان میں آپریشن میں سستی اور تاخیر کا مظاہرہ کیا اور وہ دہشت گردی کے نئے سلسلے کے لیئے ذمے دار ٹھہرائی جا سکتی ہے۔

خدا کی پناہ! جنرل صاحب نے فوج کا رزق کھایا ہے، وہ اس کے نفس ناطقہ تھے، ترجمان تھے۔

ان کی جنرل کیانی سے ذاتی پرخاش تو ہوسکتی تھی کہ ان کے دور میں انہیں پروموشن نہیں ملی اور نہ بعد میں کسی نوکری کی پیش کش کی گئی لیکن وہ اس ذاتی پرخاش کا بدلہ فوج کے ادارے سے یوں لے رہے ہیں، اس کا کسی کو سان گمان تک نہ تھا۔

جنرل اطہر عباس اپنی کہی ہوئی باتوں پر دوبارہ غور کریں تو انہیں اس میں کھلا تضاد نظر آ جائے گا، ایک سانس میں کہتے ہیں کہ آپریشن پر مکمل اتفاق رائے تھا اور ابھی دوسرا سانس نہ لے پائے تھے کہ ان کے منہ نے سچ اگل دیا کہ آپریشن کے بارے میں ہائی کمان کی رائے تقسیم تھی۔ جنرل صاحب کی کس بات پر یقین کیا جائے اور کس پر نہ کیا جائے۔ منطق کا تقاضا ہے کہ دوغلی بات کرنے والے کی ہر بات کو مسترد کر دیا جائے۔

جنرل صاحب کو بولنے یا بلوانے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی، اس لیئے کہ آئی ایس پی آر کے موجودہ سربراہ میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ نے تین روز پیشتر کہا تھا کہ یہ آپریشن فروری میں ہو جانا چاہیئے تھا، تا کہ دہشت گردوں کو منظم ہونے کا موقع نہ ملتا، انہوں نے اس خدشے کا برملا اظہار کیا کہ اب زمینی آپریشن شروع ہونے کی صورت میں دہشت گردوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہو سکتا ہے جبکہ فروری مارچ میں انہیں برف سے ڈھکی چوٹیوں پر پناہ گاہیں میسر نہ تھیں۔

عاصم سلیم باجوہ کے دعوے کی تصدیق کرنیوالے لاہور کے سینیئر ترین اخبار نویس ہیں جو آئی ایس پی آر کے مقامی سربراہ کرنل سید شاہد عباس کی دعوت پر ان کی بریفنگ میں شریک ہوئے، ان میں نذیر ناجی، عبدالقادر حسن، مجیب شامی، ضیا شاہد، سجاد میر، لطیف چودھری، عطاالرحمٰن، سلمان غنی،، عمر شامی، الطاف حسن قریشی اور چند دیگر تجزیہ نگار حضرات کے علاوہ راقم الحروف نے بھی شرکت کی۔ یہ 22 فروری کی ایک یخ بستہ صبح کی بات ہے۔ جنرل باجوہ نے انتہائی دردمندی سے کہا کہ یہ آپریشن اب شروع ہو جانا چاہیئے، اس میں تاخیر قوم کے لیئے نقصان دہ ہوگی۔

فوج تو ہر لحاظ سے تیار تھی مگر نواز شریف نے اقتدار میں آنے سے پہلے ہی امن بذریعہ مذاکرات کا نعرہ لگا دیا تھا، منور حسن، سمیع الحق، فضل الرحمٰن جیسے مذہبی سیاسی لیڈرز بھی آپریشن کے حق میں نہیں تھے، ان میں سے کچھ تو طالبان کو اپنے بچے سمجھتے تھے، پیپلز پارٹی کی مرحوم لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں ان کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے تو اپنے ہاتھوں سے طالبان کو کابل کے تخت پر بٹھایا تھا۔ عمران خان کی بھی نرالی منطق تھی، وہ تو غیر ملکی دہشت گردوں پر ڈرون حملوں کی بھی مخالفت کر رہا تھا۔

مرے کو مارے شاہ مدار، آخر ایک میڈیا ہاؤس نے فوج پر ہلہ بول دیا۔ مگر یہ اسے الٹا پڑا اور فوج کے لیئے اس کا اثر یہ تھا جیسے کبڑے کی کمر پر لات پڑ گئی ہو، پوری قوم اپنی افواج کے ساتھ کھڑی ہو گئی، کچھ عرصہ تک تو میڈیا ہاؤس نے دھما چوکڑی مچائی مگر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اب اس کا پالا ایک ایسے جرنیل سے پڑا ہے جو شہادتوں کے امین خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اب ہر کوئی اپنا قبلہ سیدھا کر چکا ہے۔ مگر کسے پتا تھا کہ گھر کے بھیدی بھی لنکا ڈھا سکتے ہیں۔ جنرل اطہر عباس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ انہوں نے لنکا ڈھائی ہے تو کس کے اشارے پر، اگر یہ ان کی اپنا انی شیئیٹو ہے تو اس سے انہوں نے اس فوج کا نقصان ہی کیا ہے جس کے ساتھ انہوں نے پوری عمر گزاری ہے۔ فوج کی عزت کو داغدار کرنے والے پہلے کیا کم تھے، جنرل اطہر عباس کو اب تک احساس ہو جانا چاہیئے تھا کہ انہوں نے جس تھالی میں کھایا ہے، اسی میں چھید کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اس بیان نے فوج کے وقار کو مجروح کیا ہے، یہ فوج تو ہر دم قربانی اور ایثار کے لیئے تڑپتی ہے، اس نے تو شہادتوں کا گل و گلزار مہکایا ہے، اسے یہ طعنہ دینا کہ اس نے آپریشن میں لیت و لعل کا مظاہرہ کیا، اس الزام پر کون یقین کرے گا، فوج میں نیک نامی سے زندگی گزارنے کے بعد جنرل صاحب کو آخر سوجھی تو کیا۔

طالبان کے سرپرست کون ہیں، ان کے ہمدرد کون ہیں اور ان سے خائف کون ہیں، اب یہ کچا چٹھا ہر ایک کے علم میں ہے۔ جنرل کیانی نے ہمیشہ خطرات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ جنرل اطہر عباس کے علم میں ہونا چاہیئے کہ سوات آپریشن کی کمان جنرل کیانی ہی نے کی تھی اور فاٹا کی تمام ایجنسیوں ماسوائے شمالی وزیرستان کے تین اڈے باقی پورے علاقے کو دہشت گردوں سے جنرل کیانی ہی نے آزاد کرایا تھا، میری ذاتی معلومات کے مطابق جنرل محمد جاوید شمالی وزیرستان میں لڑتے رہے اور جنرل عاصم باجوہ جنوبی وزیرستان کے کمانڈر رہے۔ مگر ریٹائرمنٹ کے بعد اطہر عباس ان پر کس بنیاد پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب مسلح افواج فیصلہ کن جنگ لڑ رہی ہیں، جنرل اطہر عباس کو اس فوج کے سابق ترجمان ہونے کے ناطے آپریشن کی کامیابی کی دعا کرنا چاہیئے تھی، جوانوں اور افسروں کا حوصلہ بڑھانا چاہیئے تھا کہ وہ ایک ایسی جنگ لڑ رہے ہیں جو ملک اور قوم کی بقا یا فنا کا فیصلہ کرے گی۔ مگر جنرل صاحب تو یوسف زلیخا کی کہانی سنانے بیٹھ گئے، انہوں نے تو وہی آرمی بیشنگ شروع کر دی جس کا شوق ایک میڈیا ہاؤس کو چرایا تھا۔ (2 جولائی 2014)

رائے ونڈ، اِن دِی لائین آف ٹیرر

پنجاب کے معزول اور معتوب وزیر رانا ثنا اللہ جنوبی طالبان کے وجود سے انکاری تھے۔

چیف منسٹر پنجاب شہباز شریف نے طالبان کو حکم دیا تھا کہ وہ پنجاب کو معاف رکھیں۔

رائے ونڈ کے حکمرانوں کو دہشت گردی کے خاتمے کا ایک ہی نسخہ از بر تھا کہ مذاکرات پہ مذاکرات کیئے جائیں، ان کے دیہاڑی دار کالم نویس روز لکھتے تھے کہ ہر جنگ کے بعد مذاکرات کی میز پر بیٹھنا پڑتا ہے، تو کیوں نہ پہلے ہی مذاکرات کر لیئے جائیں، عرفان صدیقی اور فواد حسن فواد کو مذاکرات کاری کے لیئے کہیں پاتال سے ڈھونڈ نکالا گیا۔

مہینوں تک مذاکرات کا سوانگ رچایا گیا اور لوگ دہائی دیتے رہ گئے کہ حکومت، دہشت گردوں کو ممکنہ فوجی آپریشن کے خلاف مورچہ بندی کا موقع فراہم کر رہی ہے۔

رائیونڈ سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں کو صرف اپنے موروں اور امرودوں کی سکیوریٹی کی فکر لاحق تھی۔اس میں وہ کسی ڈھیل کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مگر جمعرات کی صبح رائیونڈ کے ارد گرد دیہات کے لوگ سحری کے لیئے بیدار ہوئے تو وہ تابڑ توڑ فائرنگ سے ہڑ بڑا کر رہ گئے۔ جاتی امرا کے محلات کی دہلیز پر پنڈ ارائیاں کی چٹی کوٹھی کسی تورا بورا یا شمالی وزیرستان کے مورچے کا منظر پیش کر رہی تھی، اندر سے ہر طرح کا فائر آ رہا تھا اور باہر سفید کپڑوں اور دیہاتی وضع قطع کے چند گنے چنے لوگ دہشت گردوں کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ وہ دنیا کی ایک نامور انٹیلی جنس ایجنسی

سے تعلق رکھتے تھے، وہی ایجنسی جس کو حامد میر کے قبیل کے لوگ دن رات کوستے رہتے ہیں۔

پنجاب پولیس جس نے ڈاکٹر طاہر القادری کے گھر کے سامنے سیدھے فائر کر کے موقع پر ایک درجن افراد کو شہید کر دیا تھا، پنڈ ارائیاں کے قیامت خیز فائر کے سامنے ان کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں مگر ایک ملکی انٹیلی جنس ایجنسی کا اہل کار لانس نائیک صابر حسین جان پر کھیل کر ایک دہشت گرد کو جہنم رسید کر چکا تھا، دوسرے دہشت گرد نے راکٹ لانچر سے صابر کے سینئر کو شدید زخمی کر دیا مگر عوام کے ہجوم نے دیکھا کہ یہ بہادر شخص چہرے سے خون کا فوارہ چھوٹنے کے باوجود اپنی گن پر جما بیٹھا تھا اور جب تک اس نے دوسرے دہشت گرد کو چت نہیں کر دیا، وہ مرہم پٹی کے لیئے ہسپتال جانے سے انکار کرتا رہا۔

حکمرانوں نے مذاکرات کا سوانگ کیوں رچایا، میں ان کی نیت پر شبہ نہیں کرتا مگر حقیقت میں دہشت گردوں کو مذکرات کی آڑ میں سنہری موقع مل گیا کہ وہ آخری ہلے کے لیئے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔ کون جانتا ہے آخری ہلے کا ٹارگٹ کون ہو گا مگر جمعرات کی صبح دس گھنٹے کا لائیو معرکہ جاتی امرا کی چوکھٹ پر لڑا گیا۔

ملک کے اصل حکمرانوں کو دوپہر تک احساس ہو چکا تھا کہ وہ کس قدر گھیرے میں آ چکے ہیں، وزیر اعلیٰ پنجاب نے اپنی خاطر شہید ہونے والے سکیوریٹی اہل کار صابر حسین کے لواحقین کیلیئے ایک کروڑ کی خطیر اعانت کا اعلان کیا۔

ہزاروں کنال پر محیط جاتی امرا کے محلات، ارد گرد، تہ در تہ حفاظتی حصار، اس حصار کے اندر جنگلی بلا بھی جھانکنے کو کوشش کرے تو اس کو مزہ چکھانے کے لیئے درجنوں جنگلی بلوں کو شوٹ کر دیا جاتا ہے۔ مگر پنڈ ارائیاں کی چٹی کوٹھی میں موجود دہشت گردوں کا ہدف کیا تھا، اخبارات میں یہی آیا ہے کہ ان کا نشانہ وزیر اعظم کے محلات تھے مگر ان کا نشانہ، میں، آپ یا کوئی بھی بے گناہ ہو سکتا ہے، ہر وہ شخص جس کے پاس اپنے بچاؤ کے لیئے لاٹھی تک نہیں، لیکن میرا اور آپ کا، ہم سبھی کا پہرہ، وہ لوگ دیتے ہیں جن کو ہم سخت سست کہتے ہیں، ان کو دن رات کوستے ہیں مگر پنڈ آرائیاں کے مقابلے نے ثابت کر دیا کہ جب ہم سو رہے ہوتے ہیں تو ہمارے حقیقی پہریدار جاگ رہے ہوتے ہیں اور جان ہتھیلی پر رکھ کر دہشت گردوں کے سر پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہ اپنا آج ہمارے کل کے لیئے قربان کر دیتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے ایک کروڑ کی خطیر رقم شہید اہل کار کے اہل خانہ کی نذر کی، مگر خون کی قیمت تو کوئی نہیں ہوتی، خون کا سودا تو نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی قوم کے ملک ریاضوں، میاں منشاؤں سے نہیں بلکہ غریب عوام

سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پائی پائی اکٹھی کریں اور قوم کی خاطر جان کی بازی لگانے والوں کے اہل خانہ کے دکھوں کا مداوا کریں، تاکہ کوئی شہباز شریف قومی خزانے کے بل بوتے پر ان پر احسان نہ جتا سکے، شہباز شریف نے بھی کچھ دان کرنا ہے تو اپنی جیب میں ہاتھ ڈالیں۔

پنڈ ارائیاں کے معرکے نے حکمرانوں کی قومی سکیورٹی پالیسی کی قلعی کھول دی ہے۔ جو حکمران اپنی دہلیز تک دہشت گردوں کو پہنچنے سے نہ روک سکیں، وہ عوام کی سکیورٹی کیا کر پائیں گے۔ ویسے عوام کی سکیورٹی حکمرانوں کی سر دردی ہے بھی نہیں، وہ تو روز چین جاتے ہیں بلٹ ٹرین کے مزے لینے، ترکی جاتے ہیں، میٹرو بسیں لینے، جرمنی اور برطانیہ جاتے ہیں نجانے کیا لینے یا دینے۔ پاکستان میں اس وقت آتے ہیں جب کوئی فیتہ کاٹنے کا موقع ملے، تین دن پہلے چیف منسٹر پنجاب نے آزادی چوک مینار پاکستان کے سگنل فری فلائی اوور کا فیتہ کاٹا مگر جمعہ کے روز پھر اسی چوک کو سگنل فری بنانے کے لیئے آدھے لاہور کی بتی بند رکھی گئی، یعنی پچاس لاکھ لوگ بجلی سے گھنٹوں محروم رکھے گئے۔ اگر جمعہ کو بھی اس فلائی اوور کا کام ہونا تھا تو تین دن پہلے فیتہ کاٹنے کی جلدی کیا تھی، کیا یہ خوف ہے کہ چودہ اگست سر پر ہے، کیا عمران کے ڈبے کھلنے کا خوف ہے، کیا قادری کے انقلاب مارچ کا خوف ہے اور اگر کوئی خوف نہیں ہے تو وہ ہے دہشت گردوں کا۔

پنڈ ارائیاں کے معرکے کے بعد وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی، اب انہیں اپنی سکیورٹی اور ساتھ ہی عوام کی سکیورٹی کا احساس ضرور ہوا ہوگا۔

مگر حکومت کے پاس کوئی پلان ہی نہیں، وفاقی وزیر داخلہ روٹھ کر گھر بیٹھے ہیں، صوبے کے وزیر داخلہ خود چیف منسٹر ہیں، انکے پاس سر کھجانے کی مہلت نہیں، انہیں چودہ اگست سے پہلے پہلے دو چار فلائی اوورز کے فیتے اور کاٹنے ہیں۔

میری اور آپ کی حفاظت کے لیئے اوپر خدا ہے اور نیچے وہ ادارے جن کے اہل کار اس وقت جاگتے ہیں جب ہم سوتے ہیں اور جب تک ہم سو کر اٹھتے ہیں، ان میں سے کوئی نہ کوئی جام شہادت نوش کر چکا ہوتا ہے، شہید صابر حسین تمہیں سلام، تمہاری صابر ماں کو سلام، تمہارے صابر باپ کو سلام!!(19 جولائی 2014ء)

آرمی چیف کا عہد وفا

جنرل راحیل شریف نے شمالی وزیرستان کے اگلے مورچوں کا معائنہ کیا ہے، آپریشن شروع ہونے کے بعد وہ کئی مرتبہ ایسے دورے کر چکے ہیں، وہ اپنے جوانوں اور افسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہیں ہیں۔آپریشن کے کمانڈر جنرل ربانی کا اپنا بیٹا داد شجاعت دے رہا ہے۔ یہ پاک فوج ہے۔

اس آپریشن میں پاک فضائیہ بھی کارروائی کر رہی ہے اور معین نشانوں پر میزائل اور بم برسا کر دہشت گردوں کے ٹھکانوں کو تباہ کیا جا رہا ہے، بری فوج پیش قدمی کرتے ہوئے علاقے کی صفائی میں مصروف ہے، اب تک دہشت گردوں کی کئی اسلحہ ساز فیکٹریوں پر قبضہ کیا جا چکا ہے اور ڈھیروں گولہ بارود بھی ہاتھ آیا ہے۔ پاک فوج کو دہشت گردوں کے اسلحے تک پہنچنے میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے، یہ سرفروش ہمارے کل کے امن، سکون اور خوشحالی کے لیئے اپنا آج قربان کر رہے ہیں اور ان کے اہل خانہ کمال صبر و ہمت سے کام لیتے ہیں۔ نہ کوئی شکوہ، نہ شکایت۔بس ایک انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں کہ یہ اس اللہ کی رضا ہے۔

فوج نے بچے تلے انداز میں آپریشن کا آغاز کیا۔ جنرل عاصم باجوہ کے بقول وہ فاٹا کا بیشتر علاقہ پچھلے کئی برسوں کی جنگ میں کلیئر کروا چکی ہے، اب صرف شمالی وزیرستان کا مسئلہ ہے اور وہ بھی اس کے تین مقامات کا۔ یہ آپریشن سال کے آغاز میں ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر حکومت کی مصلحتیں آڑے آتی چلی گئیں، ادھر وزیر داخلہ روٹھ کر گھر بیٹھ گئے۔ ملک میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اور یہ حضرت اپنی انا کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ کہتے ہیں ان کے خاندان کی فوجی بیک گراؤنڈ ہے اور اگر یہ بیک گراؤنڈ نہ ہوتی تو نہ جانے حضرت کیا

گل کھلاتے۔ وہ کیوں روٹھے اور کن شرائط پر مانے، اس کا کسی کو کچھ پتا نہیں، کہنے کو ایک وزیر دفاع بھی ہیں مگر انہوں نے تو آپریشن پر زبانی کلامی بھی کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا، بس ایک خاموشی اور یہ خاموشی بھی بہتر ہے ورنہ وہ بولتے تو چھپر پھاڑ کر بولتے۔ وزیر اعظم نے عبدالقادر بلوچ کی نگرانی میں ایک کمیٹی بھی بنائی تھی تاکہ آپریشن کے معاملات چلائے جاسکیں۔ فوجی آپریشن نہ تو سستی روٹی کے تندور لگانے کا نام ہے، نہ لیپ ٹاپ تقسیم کرنے کا۔ نہ نوجوانوں میں ایک سوارب کی بندر بانٹ جس کے لیئے کمیٹی بنائی جائے۔ جنگ کے دوران چین آف کمان کام دیتی ہے، اس میں کسی خواجہ حسان یا حنیف عباسی کا مشورہ کیا کام دے گا، یہ لوگ لاہور اور پنڈی کی میٹرو چلانے کا شوق پورا کرتے رہیں جن کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دی جا چکی۔ وہ آرمی کو یکسو ہو کر دہشت گردوں سے دو دو ہاتھ کرنے دیں۔ جنرل راحیل کو کسی جرگے یا کمیٹی کے مشوروں کی ضرورت نہیں، وہ وسیع تجربے کی دولت سے مالا مال ہیں، دنیا کی ایک پیشہ ور فوج کے سربراہ ہیں اور نشان حیدر خاندان کی روایات کے علم بردار، ان کے ساتھی جرنیل بھی سکہ بند اور پیشہ ورانہ تربیت سے مالا مال۔ ان کا کام انہی کو ساجھے۔

میرا اندازہ ہے کہ ابھی فل اسکیل فوجی آپریشن شروع نہیں ہوا، جلد یا بدیر یہ آپریشن ہوگا اور اسی کے نتیجے میں دہشت گردوں کا خاتمہ ممکن ہوگا۔ مگر جیسا کہ آرمی چیف نے کہا ہے کہ وہ اس علاقے میں حکومتی رٹ بحال کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ دہشت گرد جہاں جہاں جا چھپیں گے، ان کا پیچھا کیا جائے گا اور پورے ملک میں ان کے گرد گھیرا تنگ کیا جائے گا۔

آپریشن کے بعد سول ڈھانچے کو سخت امتحان درپیش ہوگا، یہ وہی امتحان ہے جس میں سوات آپریشن کے بعد ہمیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ فوج نے سوات اور مالاکنڈ کا علاقہ ایک قلیل مدت میں کلیئر کروالیا، مہاجرین کی ان کے گھروں میں واپسی بھی ہوگئی مگر سول ڈھانچہ آج تک سوات کو ٹیک اوور نہیں کر سکا اور فوج وہیں کی وہیں پھنسی ہوئی ہے، عمران خان دعوے بہت کرتے ہیں، ایک کے بعد ایک لانگ مارچ کرتے ہیں مگر ان کا اصل لانگ مارچ یہ ہے کہ وہ اپنی صوبائی حکومت سے کہیں کہ سوات کا کنٹرول سنبھالے، اس کی پولیس لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کرے، تھانہ، کچہری عدالت کا نظام فعال ہو۔ گلی محلوں اور سڑکوں کی مرمت کے محکمے اپنے ڈھب پر آئیں، یہ سارے کام فوج کے کرنے کے نہیں ہیں، ان میں ہم نے فوج کو خواہ مخواہ الجھا رکھا ہے اور اس کی توانائی ضائع کی جارہی ہے۔

حالیہ آپریشن بھی انشاء اللہ اپنے مقاصد میں بہت جلد کامیاب ٹھہرے گا،قوم کی دعائیں اپنی مسلح افواج کے ساتھ ہیں۔اس آپریشن کے بعد بے گھر افراد بھی واپس چلے جائیں گے مگر سول شعبے کو کنٹرول کرنے کے لیئے فاٹا کی مشینری کو تیار ہونا چاہیئے ، اس سلسلے میں گورنر سرحد کا اصل کردار بنتا ہے کیونکہ وہ وفاق کے نمائندے کے طور پر اس علاقے کے انچارج ہیں،موجودہ گورنر صوبے کے وزیراعلیٰ رہ چکے ہیں،اس لیئے ان کے پاس سول معاملات چلانے کا تجربہ بھی ہے،ان کی راہنمائی جناب صدر کو کرنی ہےاور وفاقی حکومت کو بھی اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنا ہے تاکہ سوات کی طرح یہاں بھی فوج کو ہی مستقل ڈیرے نہ ڈالنے پڑیں۔

خدشہ یہ ہے کہ آپریشن سے جان بچا کر دہشت گرد پورے ملک میں پھیل جائیں گے،ان کا پیچھا اکیلے فوج نہیں کرسکتی، درجنوں اقسام کی سکیوریٹی فورسز اور سول انتظامیہ کو بھی چوکسی کا ثبوت دینا ہوگا،ان کا کام طاہرالقادری کے گھر پر فائر کرنا یا عمران کے لانگ مارچ کو ناکام بنانے کی اسکیمیں سوچنا نہیں۔صوبائی اور قومی اسمبلی کے ارکان کو بھی اپنے حلقوں میں امن کمیٹیاں تشکیل دینی چاہیئں۔ایک زمانے میں ٹھیکری پہرے سے محلے میں امن قائم ہوگیا تھا،اب بھی یہ نظام مشکوک افراد کا مکو ٹھپنے کے کام آسکتا ہے،شرط یہ ہے کہ حکمرانوں کی نیت نیک ہونی چاہیئے کہ گورننس بہتر بنانی ہے۔صرف مال بنانے پر توجہ نہ ہو۔

مجھے یک گونہ راحت ہوتی ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ پوری قوم اس فوجی آپریشن کے لیئے یک سو ہے۔البتہ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کا کوئی علاج نہیں،ان کے پیٹ میں تو مروڑ اٹھتا رہے گا۔منور حسن کی جگہ سراج الحق در فنطنی چھوڑتے رہتے ہیں اور عمران خان کی زبان بھی قابو میں نہیں رہتی۔انہیں ہر طرف سبزہ نہیں،خزاں نظر آتی ہے،کاش!وہ بنوں کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھیں،انہیں کوئی ٹینٹ سٹی نظر نہیں آئے گا،فوج نے ایک نظم کے تحت مہاجرین کا بوجھ اٹھا رکھا ہے،اسی لیئے حکومت کو یہ کہنے کا حوصلہ ہوا ہے کہ ہمیں بیرونی امداد کی اپیل کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں جب بھی سوشل میڈیا پر جاتا ہوں تو قوم کے نوجوان اپنے بہادر سپاہیوں کو سلیوٹ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور جنرل راحیل شریف کے ساتھ ساتھ اگلے مورچوں میں متعین جوانوں کی ولولہ انگیز تصویریں قلب و ذہن کو گرماتی ہیں۔(09 جولائی 2014ء)

ضربِ عضب سے ایک ملاقات

میں پہلے تو ان 26 شہیدوں کو قوم کا سلام پیش کرتا ہوں جو ضربِ عضب میں اب تک اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے۔ انہوں نے اپنا آج ہمارے کل کے لیئے قربان کر دیا ہے۔ انکے ماں باپ کو بھی ان پر فخر ہے اور پوری قوم بھی ان پر تاابد فخر کرتی رہے گی۔

میری عمر کے لوگ ضربِ عضب سے کسی بریفنگ کے ذریعے ہی ملاقات کر سکتے ہیں۔ میجر جنرل عاصم باجوہ مسلح افواج کے ترجمان ہیں، دبنگ انداز میں بات کرتے ہیں اور لگی لپٹی رکھے بغیر حقیقی صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ لاہور کے آئی ایس پی آر کے نوتعمیر شدہ میڈیا ہاؤس میں وہ فروری کے اواخر میں آئے تھے، ان سے پوچھا گیا تھا کہ کیا پاک فوج شمالی وزیرستان میں آپریشن کے لیئے تیار ہے، انہوں نے کہا، بالکل تیار ہے، اور چند ہفتوں میں اس علاقے پر پاکستان کی رٹ بحال کر سکتی ہے۔

میں ان کی تازہ بریفنگ سے ابھی باہر نکلا ہوں اور جو نزدیک ترین پڑاؤ میسر آیا ہے، وہیں بیٹھ کر یہ چند سطور قلم بند کر رہا ہوں۔

جنرل باجوہ کے چہرے کی چمک اور لب و لہجے کی کھنک سے صاف ہویدا تھا کہ وہ اعتماد کی دولت سے سرشار ہیں، جب انہوں نے یہ بتایا کہ پاک فوج میران شاہ پر سو فیصد کنٹرول حاصل کر چکی ہے تو ان کا چوڑا چکلا سینہ اور زیادہ فراخ محسوس ہو رہا تھا۔

اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ پاک فوج نے ایک ایسے علاقے پر ہاتھ ڈالا ہے جہاں فاتحین عالم بھی ڈر کے

مارے قدم نہیں رکھ سکے۔ اعتماد کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپریشن شروع ہونے کے بعد دہشت گردوں کی ایسی کمر ٹوٹی کہ ملک میں زیادہ تر امن اور سکون بحال ہو چکا ہے۔ اور دہشت گردوں کے حامی جوڈرایا کرتے تھے کہ اگر شمالی وزیرستان کے ملکی اور غیر ملکی مہمانوں کو چھیڑا تو وہ طیش میں آ کر ملک کو جہنم بنا کر رکھ دیں گے، مگر جب ہم نے انہیں، نہیں بھی چھیڑا تھا تو انہوں نے ساٹھ ہزار بے گناہ پاکستانیوں کے خون سے پاکستان کے پانچ دریاؤں اور بحیرہ ہند کے پانیوں کو سرخ کر دیا تھا۔

جنرل عاصم باجوہ نے ایک بڑی خبر یہ بتائی کہ ایک رات پہلے پاک فوج نے میر علی میں بھی زمینی آپریشن شروع کر دیا ہے۔ یہاں دہشت گردوں کی طرف سے مزاحمت دیکھنے میں آئی ہے۔

ضربِ عضب کیا ہے، یہ پاک فوج کا ایک ایسا آپریشن ہے جس کا مقصد فاٹا کے علاقے پر پاکستان کی رٹ کو بحال کرنا، دہشت گردوں کا صفایا کرنا اور مجموعی طور پر ملک میں پر امن ماحول کو واپس لانا ہے۔

حالیہ آپریشن کے آغاز تک پاک فوج، فاٹا کے زیادہ تر حصوں کو دہشت گردوں سے پاک کر چکی تھی اور اب اس کے سامنے صرف تین فی صد علاقہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے جہاں ملکی اور غیر ملکی دہشت گردوں کا جی ایچ کیو قائم ہے۔ یہ تین فی صد علاقہ شمالی وزیرستان اور خیبر ایجنسی میں واقع ہے۔

جنرل باجوہ کی بریفنگ میں بار بار مداخلت کی گئی اور چند ایک حضرات کی کوشش تھی کہ ڈھنگ سے بات نہ کرنے دی جائے۔ نئی بات کے ایڈیٹر عطا الرحمٰن نے پوچھا کہ جب آپ یہ دعوی کرتے ہیں کہ فوج کی وارننگ پر نو لاکھ لوگ اپنے گھروں سے نکل چکے ہیں تو پھر آپ لڑ کس کے خلاف رہے ہیں۔

جنرل باجوہ نے بات ہی یہاں سے شروع کی تھی کہ فوج نے میران شاہ کے لوگوں کو دو ہفتے کا نوٹس دیا تا کہ وہ آرام سے علاقہ خالی کر سکیں۔ ان مہاجرین کی جانچ پڑتال کے لیئے تقریبا ایک درجن ادارے کام کر رہے ہیں تا کہ دہشت گرد، ان کے بھیس میں فرار نہ ہو جائیں۔ جنرل صاحب نے آدھ گھنٹہ صرف کر کے میران شاہ پر فوج کے قبضے اور وہاں دہشت گردوں کے اڈوں کا حال بیان کیا۔ مگر سوال کرنے والوں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے وہ سوال ضرور پوچھے جو وہ گھروں سے سوچ کر نکلے تھے۔ ان سوالات کا مقصد جنرل صاحب کو زچ کرنا تھا۔

مگر جنرل صاحب نے تحمل اور ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا کہ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ پاک فوج کو دہشت گردوں کے خلاف آپریشن کرنا چاہیئے، انہوں نے یہ درخواست کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی کہ اگر آپ

ملک میں قیام امن کے خواہاں ہیں تو اپنی فوج کی حمایت کریں۔

میں قارئین سے معذرت چاہتا ہوں کہ میں کسی ایک ترتیب سے اس بریفنگ کا حال نہیں لکھ پایا، اس کی وجہ یہی ہے کہ بریفنگ میں موجود چند اصحاب نے بریفنگ کو ایک ترتیب میں چلنے ہی نہیں دیا، وہ بار بار ٹوک رہے تھے۔ میں آپ کو درندگی، وحشت، اور سفاکی کی ایک مثال سناتا ہوں۔ یہ مثال جنرل صاحب کے منہ سے سنی۔ انہوں نے بتایا کہ میران شاہ میں ایک دکان پر نصب بورڈ پر لکھا ہوا ہے، آدم خور بازار۔ یہ ایک قصائی کی دکان کی طرح ہے جہاں ایک پھٹا پڑا ہوا ہے، دہشت گردوں کا مشغلہ تھا کہ اپنے قیدیوں کو اس پھٹے پر لٹا کر ذبح کرتے تھے، اس کا سر کاٹ کر ایک رسی سے لٹکا دیتے اور لاش کو ایک روز کے لیئے پھٹے پر تعفن چھوڑنے کے لیئے پڑا رہنے دیتے۔

اسی میران شاہ کے بازار میں ہر قسم کے خودساختہ بموں کا ڈھیر برائے فروخت دستیاب تھا، ان کی قیمت اسی ہزار سے ایک لاکھ اسی ہزار تک مقرر تھی۔ یہ باقاعدہ ایک کاروبار تھا کہ جتنا بڑا دھماکہ کرنا ہے، اتنا بڑا بم لے جاؤ۔ انہی دکانوں پر تیار شدہ خودکش جیکٹیں بھی بکتی تھیں۔ شہر کے زیرزمیں ٹھکانوں میں ایسی کوٹھڑیاں تھیں جن میں خودکش بمبار کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے لیئے الگ تھلگ رکھا جاتا، یہیں کہیں بازار میں ایک نیٹ کیفے قائم تھا جہاں قتل و غارت کی ویڈیو سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کی جاتیں۔ لوگوں کو دھمکی آمیز فون کیئے جاتے یا ای میلز بھیجی جاتیں۔

میرا خیال ہے آپ یہ ڈریکولا کی کہانی سن کر خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہے ہیں لیکن، نہیں یہ ہمارے کچھ دینی اور سیاسی رہنماؤں کے بچوں کے کارنامے ہیں۔ ان گھناؤنے کارناموں کی مزید تفصیلات آپ تک وقت گزرنے کے ساتھ پہنچتی رہیں گی، جنرل باجوہ نے کہا کہ میران شاہ شہر کو خطرناک گولہ بارود سے پاک کرنے پر ایک پورا بریگیڈ مصروف ہے۔ یہ آپریشن کتنی دیر جاری رہے گا، جنرل باجوہ نے کہا کہ فوج کے ذہن میں ضرور ایک ٹائم فریم ہے مگر اس وقت اسے لوگوں سے شیئر نہیں کیا جا سکتا۔ فوج کی کوشش ہے کہ کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ آپریشن مکمل کیا جائے، اس لیئے اب ٹائم فریم اہمیت نہیں رکھتا۔

اب تک شہید ہونے والے 26 فوجیوں کو ایک بار پھر سیلوٹ کرتا ہوں۔ وہ ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں وہ ہمیشہ کے لیئے زندہ ہیں، تم نہیں سمجھ سکتے۔ (16 جولائی 2014ء)

پاکستان فضائی تنہائی کی طرف

اندیشہ تو یہ تھا کہ کراچی ایئر پورٹ پر دہشت گردوں کا حملہ پاکستان کی فضائی تنہائی میں پہلی اور آخری کیل ثابت ہوگا، چند ایک ایئر لائنوں نے اپنے آپریشن معطل یا منسوخ کر دیئے۔ مگر ابھی ساری دنیا کی ایئر لائنوں نے پاکستان سے منہ نہیں موڑا۔

یہ خطرہ کسی انتہائی ناتجربے کار حکومت کو بھی محسوس ہوسکتا تھا مگر پتا نہیں کہ تیسری مرتبہ وزیر اعظم بننے والے اور 1981 سے اقتدار اور سیاست میں شریک میاں محمد نواز شریف نے اس طرف خاص توجہ کیوں نہ کی۔ الٹا ڈاکٹر طاہر القادری پاکستان آئے تو ان کی فلائٹ کو پہلے اسلام آباد کی فضا میں طواف پر مجبور کیا گیا، پھر کوئی وجہ بتائے بغیر اس کا رخ لاہور کی طرف موڑ دیا گیا۔ معاصر ڈان کی ایک رپورٹ کے مطابق رخ موڑنے کا مشورہ وزیر ریلوے نے دیا تھا۔ دنیا کی کسی ڈکشنری میں ریلوے سے مراد ایئر لائن نہیں ہے مگر شریف اللغات سے اپنے مطلب کے معانی اخذ کیئے جاسکتے ہیں۔

اب پشاور ایئر پورٹ پر ایک طیارے پر فائرنگ کی گئی ہے جس سے عمرہ کے مقدس فریضے کی ادائیگی کے بعد وطن واپس آنے والی خاتون مسافر جاں بحق ہوگئی۔ یہ تو شہادت ہے۔ فائرنگ کرنے والوں نے اسی طرح آزادی سے اپنے مذموم عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جو انہیں کراچی ایئر پورٹ پر حاصل تھی۔

یہ پے در پے سانحے اس لیئے ہو رہے ہیں کہ ملک کے وزیر داخلہ غیر اعلانیہ طور پر عضو معطل بنے ہوئے ہیں، انکے بعض امور ایک ن لیگی ایم این اے عبدالقادر بلوچ کو سونپ دیے گئے تھے مگر یہ محکمہ باقاعدہ نہ تو کسی اور کو سونپا گیا ہے، نہ چودھری نثار کو سرگرم عمل ہونے کے لیئے آمادہ کیا جاسکا ہے، کیا ہی بہتر ہو کہ گورنر پنجاب

جو فائر بریگیڈ کا کردار ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر طاہر القادری کو طیارے سے اتارنے میں کامیاب ہو گئے تھے، وہ حکومت کے گھر کی بھی خبر لیں اور ملک کے وزیر داخلہ کو منانے کے کوشش کریں۔ وہ خود یہ نیک کام کرنے کے قابل نہ ہوں تو چودھری نثار کے پوٹھوہاری بزرگ ملک غلام ربانی کو گلاسگو سے اضافی مدد کے طور پر طلب کرلیا جائے جو بابائے امن کے لقب کی شہرت کے حامل ہیں۔

حکومت کو مشیر شہری ہوابازی اور عملی طور پر پی آئی اے کے سربراہ شجاعت عظیم کی خیریت سے بھی عوام کو آگاہ کرنا چاہیئے، ان کی عملداری میں اتنے بڑے اور سنگین سانحے رونما ہو رہے ہیں کہ قوم خون کے آنسو رو رہی ہے مگر شجاعت عظیم کا کچھ اتا پتا نہیں۔ انہیں پچھلے چیف جسٹس نے کینیڈین شہری ہونے کی وجہ سے ملک سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا، مگر جیسے ہی چیف جسٹس ریٹائر ہوئے، یہ صاحب پھر آن وارد ہوئے اور اسی منصب پر جس سے عدلیہ نے انہیں ہٹایا تھا۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ ہو جانا چاہیئے کہ جمہوری حکومت عدلیہ کے فیصلوں کا کس قدر احترام کرتی ہے۔ دوہری شہریت میں کوئی خرابی ہے یا نہیں، اس سے تو سابق چیف جسٹس نے پردہ اٹھا دیا تھا مگر مصیبت یہ ہے کہ دوہری شہریت والا پاکستانی کسی اہلیت کا مالک بھی تو ہونا چاہیئے، شجاعت عظیم اگر باصلاحیت ہیں تو اس کا عملی مظاہرہ سامنے نہیں آیا بلکہ کراچی، اسلام آباد اور پشاور ایئرپورٹس پر پے درپے سانحوں نے ان کی صلاحیتوں کی قلعی کھول دی ہے۔

ایک تھیوری یہ ہے کہ حکومت چونکہ پی آئی اے کی نجکاری کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیئے اس کے پاس خریدار بھی موجود ہے، اس لیے وہ ملکی ایئر لائن کی حالت کو سدھارنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پی آئی اے کی جگہ ایک ن لیگی رکن اسمبلی اور وفاقی وزیر کی ملکیتی ایئر لائن کو پنپنے کے لیئے حالات سازگار بنائے جا رہے ہوں مگر ملک کے ایئرپورٹس کو لاحق خطرات کی وجہ سے امکان تو یہ ہے کہ پوری دنیا کی ایئر لائنیں ڈرکی لگا جائیں۔ اس پس منظر میں جو شخص پی آئی اے خریدے گا یا وفاقی وزیر کی نجی ایئر لائن کہاں سے پرواز کرے گی اور کہاں اترے گی۔

پاکستان کی سفارتی تنہائی تو محتاج وضاحت نہیں۔ حکمران لے دے کے چین یا ترکی کے دورے کر سکتے ہیں، صدر کے لیئے دور پار کا کوئی افریقی ملک تلاش کیا گیا۔ امریکہ تو خیرات میں ہی دورہ دے سکتا ہے۔ بھارت کی طرف بھی حکومت للچائی نظروں سے دیکھتی ہے مگر مودی صاحب نے اپنی ٹی پارٹی میں ہی مدعو کیا، سرکاری دورے کی ابھی تک دعوت نہیں دی۔ ایک طرف پاکستان اس طرح دنیا سے کٹتا چلا جا رہا ہے،

دوسری طرف ایئر پورٹوں پر سکیورٹی کے ناقص بلکہ نہ ہونے کے برابر انتظامات کی بنا پر ہم فضائی مقاطعہ کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ ہر طرف سے ہمارا حقہ پانی بند ہو گیا تو پھر لانچوں کا سفر ہی باقی رہ جائے گا اور معلوم نہیں کہ حکومت کی مہربانی سے اس کا سلسلہ بھی کب تک چل پائے گا۔

وزیر اعظم ایک طرف کہتے ہیں کہ وہ ملک کو ترقی کی طرف گامزن کر رہے ہیں مگر یہ تو ترقی معکوس کا عالم ہے۔ان کا گلہ ہے کہ اپوزیشن ان کی ٹانگ نہ کھینچے اور سرمایہ کاروں کو فرار پر مجبور نہ کرے مگر وزیر اعظم نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ ان کے ہونہار فرزند بیرونی ممالک کے بجائے پاکستان میں کب سرمایہ کاری شروع کریں گے۔کیا ہی بہتر ہوتا کہ سابق چیف جسٹس کے بیٹے کے بجائے حسین نواز کو بلوچستان سرمایہ کاری بورڈ کا چیئرمین لگایا جاتا۔شاید وہ بیرنی سرمایہ کاروں کے سامنے کوئی ذاتی مثال قائم کر کے انہیں اس پس ماندہ مگر قدرتی وسائل سے مالا مال صوبے میں سرمایہ کاری پر راغب کر سکتے۔ویسے سابق چیف جسٹس کے فرزند عالی مقام بھی ملک میں سرمایہ کاری کرنے کی شہرت نہیں رکھتے، اگر میری معلومات ناقص ہوں تو وہ براہ کرم تصحیح فرما دیں۔

پچانوے کی بات ہے، اقوام متحدہ کی گولڈن جوبلی میں شرکت کے بعد میں محترمہ بے نظیر کے ساتھ وطن واپس آ رہا تھا، راستے میں انہوں نے اپنے خصوصی کیبن میں بلایا اور شکوہ شروع کر دیا کہ ملکی میڈیا ان کے خلاف غلط سلط پروپیگنڈا کر رہا ہے، کوئی فرانسیسی محلات کی خبریں اچھال رہا ہے، کوئی سرے محل کے افسانے تراش رہا ہے۔میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ نے ملک کے اندر کوئی مرغی خانہ ہی کھولا ہوتا تو لوگ سمجھتے کہ آپ پاکستان کو سرمایہ کاری کے لائق سمجھتی ہیں، مگر آپ اپنی جیب سے ملک میں ایک دھیلا بھی نہیں لگائیں گی تو پھر باتیں تو بنیں گی۔

جس ملک کے وزیر خزانہ کا بھی زیادہ کاروبار دوبئی اور دوسرے ملکوں میں ہو، اس کے بارے میں باہر کی دنیا کی کیا رائے ہوگی اور اگر پے در پے ملک کے ایئر پورٹس پر حملے ہو رہے ہوں اور حکومت نہ کسی وزیر داخلہ کو شو کاز نوٹس جاری کرے، نہ وزیر شہری ہوابازی کو کٹہرے میں لائے تو لامحالہ شک گزرتا ہے کہ کسی دن حکومت کہے گی کہ لاؤ ہماری گدڑی، ہم تو چلے پردیس۔

حکومت کو بڑھتی ہوئی فضائی تنہائی کے خطرے کا کوئی درد کیوں لاحق نہیں۔(26 جون 2014ء)

جماعت اسلامی کا بگڑا ہوا مزاج

جماعت اسلامی بڑی فرماں بردار نکلی، ادھر نوائے وقت نے اپنے اداریئے میں سراج الحق کو مشورہ دیا کہ طالبان ان کے اتنے ہی لاڈلے ہیں تو وہ جا کر ان میں شامل ہو جائیں۔ جماعت نے یہ مشورہ پلے باندھ لیا۔

جماعت کے نائب امیر حافظ محمد ادریس آپریشن ضربِ عضب کی نیم شب، فیس بک پر جلوہ گر ہوئے، انہوں نے وعظ فرمانا شروع کیا کہ کوئی مسلمان دوسرے کلمہ گو مسلمان کا خون بہانے کا جواز نہیں رکھتا، انہوں نے ایک حدیث بھی بیان فرمائی جس کی صحت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں لیکن فیس بک کو پڑھنے والے حافظ جی کے بھی استاد نکلے۔ انہوں نے قبلہ حافظ صاحب سے سوال کیا کہ جب یہی کلمہ گو جن کو بچانے کے لیئے وہ تڑپ رہے ہیں، دوسرے کلمہ گو مسلمانوں کا خون بہا رہے تھے، انہیں گھروں، دفتروں، بازاروں، جلسوں، مسجدوں، چرچوں، امام بارگاہوں اور مزاروں پر خودکش حملوں میں شہید کر رہے تھے اور پاک فوج کے قیدیوں کے سر کاٹ کر ان سے فٹ بال کھیل کر محظوظ ہو رہے تھے تو حافظ صاحب نے انہیں یہ حدیث کیوں یاد نہ دلائی۔ ہوسکتا ہے حافظ صاحب کسی جوابی دلیل سے ضرور مسلح ہوں مگر انہیں اپنے نقادوں کو مطمئن کرنے کے لیئے کوئی تردد نہ کرنا پڑا، اس لیئے کہ کسی گلو بٹ کی قیادت میں لاہور پولیس نے ڈاکٹر طاہر القادری کے گھر پر چڑھائی کر دی، جن لوگوں نے گھر والوں کو بچانے کی کوشش کی، انہیں آنسو گیس، لاٹھیوں، مکوں، اور بالآخر سیدھی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ حافظ صاحب ہی جانتے ہوں گے کہ انہیں ان

مظلوموں کا کتنا دکھ ہوا، مگر اس وحشیانہ کھیل سے انہیں لٹن روڈ کی چھینٹی یاد آ گئی جو اسی شریف حکومت کے پہلے دور میں قاضی حسین احمد اور ان کے جلسے میں شریک کارکنوں کو لاہور پولیس کے ہاتھوں پڑی۔

سنا ہے ملک میں ایک ہی جماعت ہے جو بڑے نظم کا ثبوت دیتی ہے، جماعت کے سابقہ امیر منور حسن اور نئے امیر سراج الحق نے پاک فوج کی مخالفت کا جو بیڑا اٹھا رکھا ہے، پتا نہیں کہ اس سلسلے میں بولنے سے پہلے وہ اپنی شوریٰ کو اعتماد میں لیتے ہیں یا نہیں۔ منور حسن کے تو جو منہ میں آئی انہوں نے کہہ دی اور جماعت بھی بڑی وفا شعار نکلی کہ وہ اپنے امیر کے ساتھ تن کر کھڑی ہو گئی اور اس نے پاک فوج کے مطالبے پر معذرت کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں ہر کسی کو اپنی رائے رکھنے کی آزادی ہے مگر یہ کیسی آزادی ہے کہ ہم اس رائے کا اظہار کریں جو ہمارا دشمن بھارت بھی نہیں کرتا، اسے بھی ڈپلومیٹک انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ جماعت نے سوچ کی آزادی کا استعمال شروع ہی سے شروع کر دیا تھا، مولانا مودودی نے قائداعظم کی جو مخالفت کی، وہ تاریخ کا حصہ ہے اور اس کی پردہ پوشی کیلیئے مولانا کی کتابوں کے نئے ایڈیشنوں میں ترمیم کر دی گئی۔ مگر پاکستان بن گیا جو کہ مولانا کی مخالفت کے باوجود بن کے رہنا تھا، تو جماعت نے ہجرت کو ترجیح دی اور کوشش کی کہ نئے ملک کی نظریاتی باگ ڈور کو ہائی جیک کر لے۔ مگر جب پاکستان پر آزمائش کا پہلا ہی وقت آیا اور اس کا ایک اٹوٹ انگ کشمیر، بھارت نے بزور طاقت ہتھیا لیا اور اسے آزاد کرانے کے لیئے قبائلی لشکر نے جہاد کا آغاز کیا تو مولانا مودودی نے فتویٰ صادر کیا کہ جہاد کا حکم صرف ریاست دے سکتی ہے۔ میں نے بڑے نرم الفاظ استعمال کیئے ہیں جبکہ مؤرخ یہ کہتے ہیں کہ مولانا نے جہاد کشمیر کی مخالفت کی تھی۔ نئی نسل ان باتوں پر یقین نہیں کرے گی کیونکہ یہی جماعت ہے جس کے لیڈروں نے کشمیر کے جہاد میں اپنے بچوں کو شہید کروایا، اور یہی جماعت ہے جس نے انہی قبائلیوں کو سوویت روس کے خلاف جہاد کے لیئے منظم کیا۔ منصورہ کئی افغان جہادی لیڈروں کا کئی عشروں تک ہیڈ کوارٹر رہا۔ جہادیوں کے ساتھ یہی روابط جماعت کو آج بھی مجبور کر رہے ہیں کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ دیں جو بزعم خویش جہاد میں مصروف ہیں اور یہ ایسا جہاد ہے جس میں پاکستان کے ساٹھ ہزار سے زائد بے گناہ شہریوں کو شہید کر دیا گیا، ان میں پاک فوج کے پانچ ہزار افسر اور جوان بھی شامل ہیں۔ طالبان کے بقول وہ امریکہ کے خلاف برسر پیکار ہیں لیکن شاید ہی کوئی ایک آدھ امریکی ان کے ہتھے چڑھا ہو۔ ایک ریمنڈ ڈیوس اپنی بیوقوفی سے قابو بھی آیا مگر پھر سے اڑ گیا اور ہر شخص دیکھتا رہ گیا۔ سارے طالبان مل کر بھی اپنے سیاہ

سالاراسامہ بن لادن کو محفوظ پناہ گاہ مہیا نہ کرسکے۔ذرا یاد کرو کہ جنگ بدر اور جنگ احد میں لشکر اسلام نے اپنے سپاہ سالار ﷺ کی حفاظت کے لیئے کیا کارنامہ انجام دیا تھا۔تاریخ میں ایسی شجاعت کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔جماعت کے بانی امیر کا فکری کردار تاریخ کا حصہ ہے،مگر سیاسی، اقتصادی، سائنسی اور دفاعی اموران کے بس میں نہیں تھے۔مولانا مودودی کے بعد فکری محاذ پر بھی جماعت کی کوئی قابل ذکر پیش رفت نظر نہیں آتی۔اب تو یہ جماعت فکری افلاس اور انتشار کا شکار ہے۔اور جماعت کے رہنماؤں کے لیئے یہ لمحہ فکریہ ہونا چاہیئے۔

جماعت بتدریج تضادات میں پھنستی چلی گئی۔آج یہ فاٹا میں فوجی آپریشن کے خلاف ہے مگر یہی جماعت مشرقی پاکستان کے عوام کے خلاف فوجی آپریشن میں پاک فوج کا دست وبازو بنی،اس کے نوجوان البدر اور الشمّس میں شامل ہو کر مکتی باہنی سے لڑتے رہے اور اسی کیئے کی آج سزا بھی بھگت رہے ہیں۔جماعت کو جمہوریت سے کس قدر عشق ہے،اس کا اندازہ اس کے جنرل ضیاالحق کے ساتھ عشق حقیقی سے ہو جانا چاہیئے اور اگر کوئی کسر باقی ہو تو جنرل مشرف کے عشق مجازی کے سائے میں ایم ایم اے کی حکومت نے جو مزے لیئے،وہ جماعت کے لیئے چھیڑ بن گئے ہیں۔

میں جماعت کو چڑانا نہیں چاہتا۔مگر وہ بتائے کہ کامرہ میں اواکس طیارے اور کراچی میں اورین طیارے کی تباہی سے بھارت کو جو فائدہ پہنچا، اس کا جماعت کو کیا ثواب پہنچا۔اور پچھلے آٹھ دس برسوں میں پاکستانیوں کو دہشت گردی کے ذریعے جس طرح لہولہان کیا گیا،اس کا نقصان امریکہ کو کیا ہوا اور جماعت کے ہاتھ کیا آیا۔

جماعت کا مزاج یہی رہا تو اس تصور سے دل میں ہول سا اٹھتا ہے کہ مصر کی طرح پاکستان میں بھی اخوان المسلمین کے فکر کی علم بردار جماعت کو کسی جنرل السیسی یا بنگلہ دیشی حسینہ واجد کا سامنا ہو سکتا ہے۔

جماعت اپنے قائد کے فکری اثاثے کو تو بچانے کی کوشش کرے۔(21 جون 2014ء)

فوجی آپریشن کے خلاف سازش

پچھلے تین دنوں سے ہر چینل پر اور ہر اخبار پر سانحہ ماڈل ٹاؤن حاوی ہے،لوگ بھی آپس میں اسی سانحہ پر بات کرتے ہیں۔اس سانحہ میں گیارہ افراد شہید ہوئے ، کچھ شدید زخمی ہیں، کافی لوگ گرفتار ہیں یا غائب کر دیئے گئے ہیں۔کوئی اسے جلیانوالہ والا باغ سے تشبیہہ دے رہا ہے،کوئی گولڈن ٹیمپل پر یلغار کو یاد کر رہا ہے۔
میرا خیال ہے کہ یہ سانحہ اپنی تمام تر سنگینی کے باوجود اس لائق نہیں کہ ہم لوگ اس کی لکیر کو پیٹتے چلے جائیں، بہت سینہ کوبی ہو چکی، میں ڈاکٹر طاہر القادری سے براہ راست التماس کروں گا کہ وہ اس سانحہ کو بھول جائیں، وہ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ یہ سفاک اور خونیں کھیل صرف اس لیئے کھیلا گیا کہ قوم اپنی بہادر افواج کی قربانیوں کو بھول جائے ، ہماری ساتویں کور شمالی وزیرستان میں آپریشن عضب کی آزمائش سے دوچار ہے، یہ ایک ایسی جنگ ہے جس میں کور کمانڈر کا اپنا لخت جگر بھی سنگلاخ چٹانوں ،عمودی گھاٹیوں اور تہ در تہ سرنگوں کے اندر رزم نامے میں کود چکا ہے۔قوم کی لاکھوں ماؤں کے لخت جگر اور بہنوں کے ویر بھی اپنا آج ہمارے کل پر قربان کرنے کے لیئے میدان جنگ میں داد شجاعت دے رہے ہیں۔انہیں ہماری دعائیں چاہیئں ،ان کا حوصلہ بڑھانے کی ضرورت ہے،ان کی کمر تھپتھپانے کی ضرورت ہے۔
دیہات میں فصل کی کٹائی کے دوران کسی کسان کی ماں مر جائے تو اس کی لاش بھڑولے میں رکھ دیتے ہیں کہ کٹائی سے فارغ ہو لیں تو اس کے کفن دفن کا بندوبست کر لیں گے۔میں ڈاکٹر طاہر القادری سے ملتمس ہوں کہ وہ سر دست، کچھ عرصے کے لیئے لاشوں کو بھول جائیں، پاک فوج کے جوان اور افسر آخری معرکے

سے سرخرو ہو جائیں تو ان لاشوں کو پورے قومی اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے گا، انہیں اکیس توپوں کی سلامی پیش کی جائے گی۔

کون نہیں جانتا کہ ماڈل ٹاؤن کا آپریشن دراصل پاک فوج کے آپریشن عضب کے خلاف ایک سنگین سازش ہے جو اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو چکی، لوگ فوجی آپریشن کو بھول گئے اور ایک سڑک سے رکاوٹیں ہٹانے اور چند گاڑیوں کے شیشے توڑنے پر ساری توجہ مرکوز کر بیٹھے، یقین کیجیے، ماڈل ٹاؤن سازش کا مقصد بھی یہی تھا جو کہ پورا ہو گیا۔ ضروری نہیں کہ ماڈل ٹاؤن آپریشن میں لاہور پولیس نے حصہ لیا ہو، یہ بھی ضروری نہیں کہ اس آپریشن کا حکم شہباز شریف یا رانا ثنا اللہ یا حمزہ شہباز یا مریم صفدر نے دیا ہو، غالب امکان یہ ہے کہ طالبان کے جتھوں نے پولیس کی وردیاں پہن لی ہوں اور شاہد اللہ شاہد یا مولوی فضل اللہ اس آپریشن کی کمان کر رہے ہوں، ظاہر ہے انہوں نے ہی دھمکی دی تھی کہ وہ لاہور کو راکھ کر دیں گے۔ اور انہی کو آپریشن عضب کا رنج اور دکھ تھا، وہی اس کا انتقام لینے کی پخت و پز کر سکتے تھے۔ ہم خوامخواہ ایک دوسرے پر بہتان باندھ رہے ہیں اور معزز عدلیہ کا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں کہ وہ اس سانحہ کی تحقیقات کرے۔

ویسے کھرے کا پیچھا کیا جائے تو کوئی اور کہانی سامنے آتی ہے۔ وزیر اعظم کی ایک سال تک یہی کوشش نظر آئی کہ دہشت گردوں کے خلاف آپریشن نہ ہو، انہوں نے پارلیمنٹ کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک جرگہ بلایا، ایک شہنشاہ کی طرح دربار سجایا اور قومی نورتنوں کے منہ سے کہلوایا کہ امن کے قیام کے لیئے مذاکرات ہونے چاہیئں، مذاکرات کا یہ ڈرامہ بھی چلتا رہا اور دہشت گردوں کی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ مذاکرات کی منطق بگھارنے والے یہ کہتے سنائی دیئے کہ ہر جنگ کے بعد مذاکرات کرنے پڑتے ہیں تو کیوں نہ ہم پہلے ہی مذاکرات کر لیں، کسی نے ان سے نہ پوچھا کہ کیا پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم مذاکرات کے ذریعے ختم ہوئی، کیا جنگ بدر، جنگ احد کے بعد مذاکرات کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا تھا۔ بس کچھ لوگوں نے مذاکرات کے بہانے اپنا الو سیدھا کرنا تھا اور وہ وزارتیں، مشاورتیں لے اڑے۔

قوم نے دیکھا کہ وزیر اعظم قومی اسمبلی کے مائیک پر آئے، ان کا چہرہ اڑا ہوا تھا، ان کے ہاتھ میں چند کاغذ تھے جن کو پڑھنے کی کوشش میں وہ تھتھلا رہے تھے۔ ان کی باڈی لینگویج سے ہرگز اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وہ کسی دشمن کے خلاف اعلان جنگ کر رہے ہیں، لوگوں نے چرچل کی تقریریں سنی ہیں، بش اور اوبامہ کی سنی ہیں، ایوب کی بھی سنی تھی مگر یہ تقریر نہیں تھی کچھ اور ہی تھا، وزیر اعظم نے کاغذوں کو الٹ پلٹ کیا، لگتا ہے

کہ وزیراعظم کا کوئی اسٹاف نہیں ہے جو انہیں یہ کاغذ کسی فائل ہی میں لگا کر دے دیتا، یہی کچھ وزیراعظم نے صدر اوبامہ کے سامنے کیا تھا، چٹیں دیکھتے گئے اور کچھ نکات بیان کرنے میں کامیاب ہوگئے، دنیا میں ایک سے ایک خوبصورت نوٹ پیڈ ملتے ہیں، وزیراعظم کو کسی نے خرید کر نہیں دیا، خود وزیراعظم کو مہنگی کاریں خریدنے کا شوق ہوگا اور اچھی اسٹیشنری کا ذوق نہیں ہوگا تو فواد حسن فواد کو کیا پڑی ہے کہ وہ وزیراعظم کے لیئے شایان شان اسٹیشنری خریدیں۔ بہرحال وزیراعظم نے پہلے قومی اسمبلی کو بھگتایا اور پھر اسی تقریر کی برکت سے انہوں نے پہلی بار سینیٹ آف پاکستان میں قدم رنجہ فرمائے۔ دس منٹ انہوں نے وہاں لگائے ہوں گے، پھر لائیو کیمرے آف ہوگئے اور کچھ پتا نہیں کہ کسی ایوان میں اپنی تقریر پر بحث انہوں نے سنی یا نہ سنی، سن بھی لیتے تو انہوں نے سنی ان سنی کر دینا تھا۔ وزیراعظم نے تقریر کی رسم پوری کی اور اگلے روز بیرونی دورے پر روانہ ہوگئے، ملک میں جنگ کا اعلان کر کے انہوں نے جیسے اپنے کان لپیٹ لیے ہوں۔ بیرونی دورے پر جنرل راحیل شریف کو بھی جانا تھا لیکن حالات کی سنگینی کے پیش نظر انہوں نے اپنا سری لنکا کا دورہ منسوخ کر دیا۔ مگر وزیراعظم حسب پروگرام دورے پر چلے گئے۔ یہ ملک پاکستان کے لیئے کسی اسٹریٹجک یا بزنس اہمیت کا حامل نہیں ہے، ممکن ہے، سوویت روس کی افواج اپنی ہزیمت کے دوران یہاں اسکریپ کے ڈھیر چھوڑ گئی ہوں، ان دنوں اس اسکریپ کی پاکستان میں ڈیمانڈ بڑھ گئی ہے، ہر شہر میں میٹرو بسیں اور میٹرو ٹرینیں، جن پر بسیں اور ٹرینیں کم چلتی ہیں لیکن ان کی تعمیر کے لیئے سریے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے، کسی نے سریے کے تودے دیکھنے ہوں تو لاہور کی چونگی امرسدھو یا مینار پاکستان چوک میں آ کر دیکھے۔ براہ کرم پنڈی اور ملتان والے زحمت نہ کریں، یہ تماشہ ان کی دہلیز پر چند ہفتوں میں لگ جائے گا۔

اب میں قوم سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ وہ سیاسی مداریوں کے تماشے پر دھیان نہ دے، اس قیامت کا تصور کرے جس کا سامنا ہماری مسلح افواج کو ہے۔ وہ ایسے دشمن کو ملیامیٹ کرنے میں مصروف ہیں جو بے چہرہ ہے، جو نسل درنسل قبائلی علاقے میں پلتا رہا ہے۔ اب وہ ہمارے جسدِ قومی سے لہو کا آخری قطرہ پینے کی دھمکی دے رہا ہے، وہ چین کو بھی تاراج کرنا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہماری گردن دبوچ لے، ہمیں اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو جانا چاہیئے، اپنی بہادر افواج کے شانہ بشانہ، قدم بقدم!! لاہور پولیس کا مقابلہ بعد میں سہی!! (20 جون 2014ء)

ماڈل ٹاؤن میں آپریشن غیظ و غضب

نریندر مودی کی بربریت نے جلوہ دکھانا شروع کر دیا ہے۔

پاکستانی پنجاب کے چیف منسٹر شہباز شریف نے کہا ہے کہ وہ ماڈل ٹاؤن آپریشن سے لاعلم تھے، کوئی وجہ نہیں کہ ان کے دعوے پر یقین نہ کیا جائے۔ تو پھر شک پڑتا ہے کہ لاہور پولیس کو سرحد پار سے احکامات دیئے جا رہے تھے۔

نریندر مودی ہی وہ واحد شخص ہیں جنہیں پاک فوج کے آپریشن عضب سے بیر ہے اور انہوں نے اسے ناکام بنانے کے لیئے آپریشن غیظ و غضب کا آغاز کر دیا ہے۔ ہر وہ سیاسی یا مذہبی جماعت جو پاک فوج کے ساتھ آپریشن عضب کے لیئے اظہار یک جہتی کر چکی ہے، وہ نریندر مودی کی وحشی طاقت کا نشانہ بن سکتی ہے، آج منہاج القرآن کی باری آئی ہے، کل کو چوبرجی میں حافظ محمد سعید کے مرکز قادسیہ کے سامنے سے رکاوٹیں ہٹانے کے لیئے پراسرار قوتیں آپریشن کر سکتی ہیں۔ اور پھر لاہور چھاؤنی میں داخلی راستوں سے ناکے ہٹا دیئے جائیں گے۔

جو شخص سکیوریٹی کی ابجد سے بھی واقف نہیں، وہ بخوبی جانتا ہے کہ شاہداللہ شاہد کی اس دھمکی کہ طالبان لاہور میں بچوں کی تکا بوٹی کر دیں گے، اس کے بعد حکومت پاکستان کو اعلان کر دینا چاہیئے تھا کہ پاک فوج کی محاذ جنگ میں مصروفیت کی وجہ سے ہر شہری اپنے گھر کے سامنے مورچے کھود لے تا کہ کسی ممکنہ دہشت گردی سے بچا جا سکے مگر یہاں الٹی گنگا بہ نکلی، ایک شخص جس کا نام ڈاکٹر طاہر القادری ہے، جس نے دہشت گردی

کے خلاف دوسو صفحات کا ایک فتویٰ جاری کر رکھا ہے اور جس کا ترجمہ دنیا کی ہر زبان میں ہو چکا ہے، اس شخص کو کس قدر سنگین سکیوریٹی خطرات لاحق ہوں گے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک مرنجاں مرنج انسان ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے دہشت گردی کے خلاف فتویٰ جاری کیا اور اسے کس قدر بہیمانہ انداز میں اس کے مدرسے میں شہید کر دیا گیا۔ میرا قلم اس بہادر انسان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہے۔

دہشت گردوں کے نشانے سے وہ سب محفوظ ہیں جو اول تو گرگٹ ہیں، دوم، وہ دہشت گردوں کے کھلے سرپرست ہیں، سوم، وہ اس قدر طاقت وحشمت کے مالک ہیں کہ طالبان کو حکم دے سکتے ہیں کہ بھائی پنجاب کو معاف رکھو۔ چہارم، وہ سمجھتے ہیں کہ دہشت گرد نام کی کسی چڑیا کا وجود ہی نہیں۔ آخری قبیل میں رانا ثنا اللہ کا شمار ہوتا ہے میں نے انہیں کتنی بار یاد دلایا ہے کہ کامرہ میں اواکس طیارے کو جن دہشت گردوں نے تباہ کیا، ان میں لاہور قصور روڈ کے آخری سرے پر واقع گاؤں برج کلاں کا ایک نوجوان بھی شامل تھا، یہ گاؤں سرحد پار نہیں، جنوبی پنجاب نہیں، ازبکستان نہیں، لاہور کے قلب میں واقع ہے۔ میں رانا ثنا اللہ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ اواکس طیارے کی تباہی بھارت کے فائدے کی بات ہے۔

جس طرح لاہور پولیس نے سیدھے فائر کیئے ہیں، میں بھی سیدھی بات کروں گا کہ ماڈل ٹاؤن سانحے کو نوائے وقت نے اپنے ادارتی تبصرے میں بربریت کی بدترین مثال قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری کہتے ہیں کہ انہیں پاک فوج کے آپریشن کی حمایت کی سزا دی گئی ہے۔ ایک زمانے میں منظور وٹو نے بھی ماڈل ٹاؤن ہی میں رکاوٹیں ہٹانے کے لیئے آپریشن کیا تھا، اس کی بھی کسی نے تائید و تحسین نہیں کی تھی، مگر اس آپریشن میں علاقے کے کسی مکین کو خراش تک نہیں آئی تھی۔ ڈاکٹر طاہر القادری اور ان کے پیروکار کس قدر خطرناک ہوں گے، اس کا اندازہ اس دھرنے سے کیا جا سکتا ہے جو پچھلے برس شدید سردی میں اسلام آباد میں دیا گیا، کئی روز تک جاری رہنے والا لاکھوں مرد و زن اور بچوں پر مشتمل یہ دھرنا اس قدر پر امن تھا کہ کوئی گملا تک نہیں ٹوٹا جبکہ گزشتہ روز پولیس کی وحشت تو رہی ایک طرف، اکیلے گلو بٹ کی پہلوانی دیکھنے کے لائق تھی جس نے ایک ڈنڈے سے درجنوں نئی نویلی گاڑیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور وہ بھی اعلیٰ ترین پولیس افسر کی پشت پناہی میں۔

میں اس لاہور کی بات کر رہا ہوں جہاں اکیاسی میں نواز شریف وزیر خزانہ بنے، پچاسی میں وزیر اعلیٰ بنے، اٹھاسی میں پھر وزیر اعلیٰ بنے اور ستانوے میں شہباز شریف وزیر اعلیٰ بنے، پچھلے الیکشن میں بھی شہباز شریف نے وزارت اعلیٰ سنبھالی اور اب پھر وہی اس تخت پر براجمان ہیں، ان کا اپنا دعویٰ ہے کہ ان جیسا کوئی

منتظم پنجاب میں نہیں آیا، وہ اپنے وزیر اعظم بھائی کے کئی محکمے بھی چلا رہے ہیں مگر افسوس کہ چراغ تلے اندھیرے کا عالم ہے۔اور لاہور خون میں لت پت کراہ رہا ہے، دو خواتین کا خون ہوا، میں نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے کربلا یاد آ گئی مگر کربلا میں بھی یہ ظلم نہیں ہوا تھا۔

شریف حکومت نے اپنے ساتھ وہی کیا ہے جو ایک میڈیا گروپ اپنے ساتھ کر چکا ہے۔اس میڈیا ہاؤس نے دعویٰ تو نہیں کیا تھا مگر وہ خدا بنا ہوا تھا مگر اس نے ایسی فاش غلطیاں کیں کہ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا ، اب شریف خاندان بھی اسی کڑکی میں ہے۔ کسی میں مجال نہیں تھی کہ اس کی گرد کی طرف بھی نگاہ اٹھائے۔ڈاکٹر طاہر القادری پہلے صرف اپنے حلقہ مریداں تک محدود تھے،اب ان کی مظلومیت نے انہیں پورے معاشرے کی اسپورٹ فراہم کر دی ہے۔اکیلا میں نہیں، کوئی ایک اخبار نویس بھی خواجہ سعد رفیق اور رانا ثنا اللہ کی تاویل کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔اور شہباز شریف تو بہت مصروف حکمران ہیں، انہیں تو سانحے کا علم ہی نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر طاہر القادری وطن آ جاتے، وہ قانون ہاتھ میں لیتے تو ان پر چاہے ٹینک چڑھا دیئے جاتے۔اب جتنے مرضی ٹریبونل بنا لیئے جائیں، کہیں سے قتل و غارت کا جواز مہیا نہیں ہو سکے گا۔

حکومت وقت کو علم ہے کہ فوج حالت جنگ میں ہے، اسے علم ہے کہ پوری قوم اپنی بہادر فوج کے ساتھ کھڑی ہے، حکومت کا فرض تھا کہ وہ قومی اتحاد و اتفاق کے لیئے ہر ممکن کوشش کرتی، وزیر اعظم فون اٹھاتے اور ٹورنٹو میں کال ملا کر ڈاکٹر طاہر القادری سے کہتے کہ ویلکم! میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں، آیئے اکٹھے مل کر شمالی وزیرستان چلتے ہیں پاک فوج کو تھپکی دینے کے لیئے مگر۔غضب خدا کا، مہر و محبت اور آشتی کے بجائے آپریشن غیظ و غضب شروع ہو گیا، غضب خدا کا!! (19 جون 2014ء)

اچکزئی کی پھل جھڑی

چودہ شعبان کو قریب پا کر اچکزئی نے وزیر اعظم اور آرمی چیف کے درمیان اختلافات کے بارے میں ایک پھلجھڑی چھوڑی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ اگر سنجیدہ بات ہے تو اختلاف کس بات پر ہے، کیا آرمی چیف اپنے وزیر اعظم کے احکامات نہیں مانتے اور ایسا کونسا حکم ہے جس کو نہیں مانا گیا۔ کیا فوج نے کوئی نیا کارگل کر دیا ہے یا گل کھلا دیا ہے۔ اچکزئی کو کھل کر بات کرنی چاہیئے، اپنے حلف کی رو سے وہ عوام سے کچھ چھپانے کا استحقاق نہیں رکھتے۔

اچکزئی کا شاید مشغلہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرتے ہیں جس کی طرف سب لوگ توجہ دیں، جیسے بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا۔ دو ہزار دو کے الیکشن کے بعد قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ وزیر اعظم کے الیکشن کے لیئے ایوان میں ووٹنگ شروع ہوئی، مگر اچکزئی آخر وقت تک اپنی سیٹ پر بیٹھے رہے، انہوں نے نہ وزیر اعظم کے حق میں ووٹ دیا، نہ خلاف۔ مگر اس حرکت سے وہ سب کی توجہ کا باعث ضرور بنے۔

اچکزئی کی ایک نرالی بات جو سب کو یاد رہ گئی، وہ ایک سال پہلے ڈاکٹر طاہر القادری کے دھرنے کے دوران نواز شریف کے محل جاتی امرا میں اپوزیشن جماعتوں کے ایک اجلاس میں کہی گئی، اس اجلاس میں طے ہوا تھا کہ آئین سے ماورا کوئی اقدام ہوا تو سب جماعتیں متحد ہو کر اور ڈٹ کر اسے روکنے کی کوشش کریں گی۔ اچکزئی نے سمجھا کہ یہ اعلان کافی نہیں، انہوں نے فقرہ کسا کہ میں جنرل کیانی سے بات کروں گا کہ بس

کریں، بہت ہوگئی۔اس سے یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ ایک تو جنرل کیانی نے ڈاکٹر طاہر القادری کو لانچ کیا ہے۔دوسرے وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جنرل کیانی ان کے لنگوٹیئے یار ہیں، جس وقت بھی اور جو کوئی بھی بات ان سے جا کر، کر سکتے ہیں۔روزمرہ زندگی میں اسے لف کھیلنا کہتے ہیں۔اب انہوں نے جنرل راحیل کا ذکر چھیڑ دیا ہے، وہ بھی اس چونکا دینے والے انکشاف کے ساتھ کہ ان کے اور وزیر اعظم کے درمیان اختلافات ہیں۔یہ ختم ہونے چاہئیں ورنہ پاکستان کو نقصان پہنچے گا۔اچکزئی کی عمر ستر اکہتر میں نجانے کیا ہوگی، اس وقت ملک کے پہلے شفاف انتخابات ہوئے اور ایک آرمی چیف جنرل یحیی خاں نے کرائے لیکن مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کرنے والے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو نے اس مینڈیٹ پر عمل نہ ہونے دیا، انہوں نے دھمکی دی کہ جو رکن اسمبلی، نئی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیئے ڈھاکہ جائے گا، اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔جب مارچ اکہتر میں عوامی لیگ کے خلاف فوجی آپریشن کا آغاز ہوا تو بھٹو نے کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے پاکستان بچ گیا مگر چند ماہ بعد پاکستان دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔اور یہ نعرہ سچ ثابت ہوگیا کہ ادھر تم، ادھر ہم!

اچکزئی سیاست میں تنہا نہیں، ان کے کئی رشتے داروں کو منتخب ہونے کا اعزاز میسر آیا ہے اور ایک بھائی صاحب کو بلوچستان کا گورنر بنا دیا گیا۔پاکستان میں خاندانی اور موروثی سیاست کا وطیرہ چل نکلا ہے، اچکزئی کا خاندان کیوں پیچھے رہتا۔ مجھے ان کے والد گرامی سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا، انکے انٹرویوز بھی کیئے۔اچکزئی فیملی کے عزیز بلوچستان اسمبلی میں بھی ہیں، اس لحاظ سے ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ اس خاندان نے اپنے صوبے کی ترقی و تعمیر کے لیئے کیا فیصلہ کن کردار ادا کیا۔وہاں کے وزیر اعلیٰ بھی اسی لیئے منتخب کیئے گئے کہ وہ قوم پرست تھے اور ناراض قوم پرستوں سے بات چیت کرنا ان کے لیئے آسان تھا۔اچکزئی اپنے گورنر بھائی سے پوچھ کر قوم کو اعتماد میں ضرور لیں کہ بلوچستان میں بھارت کی مداخلت کس حد تک سنگین ہے اور کیا اس وجہ سے بھی پاکستان کو کوئی خطرہ لاحق ہے یا نہیں۔شرم الشیخ میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اور من موہن سنگھ کی ملاقات ہوئی تھی تو اس میں بلوچستان میں بھارتی مداخلت پر سخت احتجاج کیا گیا تھا۔سابق وزیر داخلہ رحمٰن ملک بھی ریکارڈ پر ہیں کہ بلوچستان میں بھارت کی مداخلت خطرناک رخ اختیار کر رہی ہے۔دو ہزار دو کے انتخابات کے بعد جان محمد جمالی صاحب بلوچستان کے وزیر اعلیٰ بنے تھے، وہ بھی چیخ اٹھے تھے کہ صوبے میں بھارتی را کی زیر سرپرستی دہشت گردی کے کیمپ قائم ہیں۔یہ بھی کوئی راز کی

بات نہیں کہ قندھار میں بھارتی قونصل خانہ را کے شرپسندوں میں اسلحہ اور پیسہ بانٹ رہا ہے۔ را کے ایک سابق سربراہ نے بھی اپنی کتاب میں اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ وزیراعظم شاستری کو جب علم ہوا کہ را کی طرف سے پاکستان میں پیسے بانٹے جارہے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوئے مگر انہیں بتایا گیا کہ یہ ایسے عناصر کو دیئے جارہے ہیں جو پاکستان کو بھارتی عزائم کی تکمیل اور مفادات کے مطابق چلنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ رازوں کی تہ تک پہنچنے والے جناب اچکزئی کچھ اپنے صوبے کے بارے میں بھی لب کشائی فرمائیں، کہ یہ ان کے گھر کا ہی نہیں، پاکستان کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔

جہاں تک حکومت اور فوج کے درمیان اختلافات کا تعلق ہے تو وہ اندھے کو بھی نظر آرہے ہیں کیونکہ فوج کو مطعون کرنے والے میڈیا ہاؤس کے ساتھ، حکومت قدم جما کر کھڑی ہے۔ فاٹا میں آپریشن سے فوج کو روک دیا گیا تھا، سو فوج اس سے رکی ہوئی ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ دہشت گرد کراچی ایئرپورٹ کا ناطقہ بند کرنے میں کامیاب ہوگئے، اچکزئی نے پوچھا ہے کہ ازبک اور تاجک کہاں سے آگئے، وہ اس سوال کا جواب فواد حسن فواد سے حاصل کریں جو سرکاری امن کمیٹی کے سربراہ ہیں، کراچی ایئرپورٹ پر امن کا چہرہ جس طرح نوچا گیا ہے، شاید اسی سے اچکزئی بھی خوف زدہ ہوگئے ہیں۔ بھارت کے ساتھ تعلقات پر حکومت کی سوچ کچھ اور ہے اور قوم اور فوج کی سوچ کچھ اور۔ قوم مودی سے خوف زدہ ہے، وزیراعظم اس کے لیئے ساڑھیاں تحفے میں بھجوا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت نے نظریہ پاکستان سے انحراف کیا ہے، فوج اگر اس نظریئے پر قائم ہے تو اسے اختلاف نہیں کہا جاسکتا، اختلاف تو تب ہوتا جب فوج اپنی قوم کی رائے سے اختلاف کی جسارت کرتی۔ یا بانی پاکستان کی رائے سے انحراف کرتی۔

ویسے اچکزئی صاحب کو ان تمام امور پر اپنا موقف بھی واضح کرنا چاہیئے کہ کیا وہ دہشت گردوں کی حمایت کرتے ہیں، کیا وہ ان کے خلاف آپریشن کی حمایت کرتے ہیں، کیا وہ بھارت کے ساتھ دوستی اور محبت کی پینگیں چڑھانے کے حق میں ہیں یا کشمیری عوام کی آزادی کے موقف کے ساتھ ہیں۔ اور پاکستانیوں کا کشمیری دریاؤں کے پانی پر کوئی حق تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

یعنی وہ فوج کے ساتھ ہیں یا حکومت کے ساتھ۔ انسان کی اپنی کوئی رائے بھی تو ہونی چاہیئے۔

(14 جون 2014ء)

دہشت گردوں کا پیغام، جنرل راحیل نے اچھی طرح سمجھ لیا

آج تک کی تاریخ میں پہلا سانحہ ممبئی میں ہوا اور دوسرا کراچی ایئرپورٹ کے باہر ایک صحافی حامد میر کے ساتھ۔

اس کے علاوہ اس خطے میں شانتی اور سب اچھا۔ باقی سب جھوٹ اور پروپیگنڈا ہے، پاکستان میں نہ تو ساٹھ ہزار بے گناہوں کو شہید کیا گیا، نہ مقبوضہ کشمیر میں سوا لاکھ نوجوانوں کو بھارتی قابض فوج نے گولی ماری۔ پورا سچ یہ ہے کہ پاکستان میں امن، صرف مذاکرات سے ممکن ہے، اتوار کی رات کو کراچی ایئرپورٹ پر جو کچھ ہوا، اس کا مقصد مذاکرات کی اہمیت کو اجاگر کرنا تھا۔ پورا سچ وہ بھی تھا جو ہمارے وزیر داخلہ چودھری نثار نے حکیم اللہ محسود کی امریکی ڈرون حملے میں ہلاکت پر بولا۔ ان کا دل دکھی تھا، سو انہوں نے جی بھر کے نوحہ پڑھا۔

ٹائمز آف انڈیا نے کراچی ایئرپورٹ سانحے کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹنگ کی، کئی دل جلوں نے ساتھ ساتھ تبصرے بھی جاری رکھے، ایک صاحب نے لکھا ہے کہ پاکستان کو عالمی نقشے سے خدانخواستہ نیست و نابود کر دیا جائے۔ ٹائمز آف انڈیا نے پاکستان کے ایک ایسے چینل کے حوالے سے بھی رپورٹنگ کی جسے پیمرا کے حکم کے تحت بظاہر بند کر دیا گیا ہے۔ یہ میرے لیئے حیران کن بات نہیں تھی، پھر بھی میں نے برین نیٹ کے ماہر

باسط علوی سے پوچھا کہ کیا مذکورہ چینل سٹیلائٹ پر چل رہا ہے، انہوں نے بتایا کہ سٹیلائٹ پر تو بند ہے لیکن انٹرنیٹ پر اس کی نشریات بدستور جاری ہیں۔

مجھے اس چینل کے کھلے رہنے یا بند رہنے سے کوئی سروکار نہیں، یہ پیمرا کا گھر کا مسئلہ ہے، اس نے بھی وزیر اطلاعات پرویز رشید کا اتوار کے روز کا تازہ ترین یہ بیان پڑھ لیا ہوگا کہ حکومت اس چینل کے ساتھ کھڑی ہے اور اسے بند کرنے کے حق میں نہیں۔

اتوار ہی کو جماعت اسلامی کے نئے امیر سراج الحق نے کہا ہے کہ حکومت کو اب تک پتا چل جانا چاہیئے کہ امن مذاکرات کی راہ میں کون رکاوٹ ہے۔ معلوم نہیں کہ کراچی ایئرپورٹ پر چھ گھنٹوں تک خون آلود ڈرامے کے بعد بھی وہ اپنے اس بیان پر قائم ہیں یا نہیں۔ جماعت اسلامی کی روایت ہے کہ وہ کوئی بیان جاری کرنے کے بعد اسے واپس نہیں لیا کرتی، بلکہ فوج اگر اس سے معافی مانگنے کا تقاضہ کرے تو وہ صاف انکار کر دیتی ہے۔ اسی روایت پر ایک ٹی وی چینل نے عمل کیا ہے اور اس نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے الٹا فوج سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کھلے عام معافی مانگے۔ اس کی دی گئی مہلت بڑی تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔

کراچی ایئرپورٹ سانحے کی رپورٹ انتہائی سرعت کے ساتھ وزیراعظم کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہے۔ شجاعت عظیم اگر وزیراعظم کے مشیر نہ ہوتے تو یہ کارنامہ انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ پچھلے چیف جسٹس نے دوہری شہریت کی وجہ سے انہیں پاکستان سے دڑکی لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔ شجاعت عظیم کی رپورٹ میں اے ایس ایف کی کارکردگی کو سراہا گیا ہے۔ حالانکہ شجاعت عظیم جانتے ہیں کہ ملک کے تین بڑے ایئرپورٹس کو درپیش خطرات کے پیش نظر پاک فوج ان کی حفاظت کے لیئے بار بار، ریہرسل کر چکی تھی۔ لاہور ایئرپورٹ کی ریہرسل تو اخبارات میں رپورٹ بھی ہوئی تھی۔ اتوار کی شب بھی لاہور کینٹ سے ایئرپورٹ کی طرف جانے والے تمام راستوں پر سخت ناکہ بندی کی گئی تھی، ایسے ہی ایک ناکے سے گزرنے کے لیئے مجھے آدھ پون گھنٹہ لگ گیا تھا اور جب میں نصف شب کو گھر واپس آیا، تو ٹی وی پر کراچی سانحے کی بریکنگ نیوز سن کر مجھے کوئی زیادہ اچنبھا نہیں ہوا، میرے دل میں دھڑکا پہلے سے موجود تھا۔

کراچی ایئرپورٹ پر کیا ہوا۔ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں۔ اسی شہر میں مہران بیس پر پاک بحریہ کے دو اورین طیارے دہشت گردوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکے ہیں۔ کامرہ میں دو مرتبہ دہشت گردی کا ارتکاب کیا گیا، دوسری واردات میں پاک فضائیہ کے اواکس طیارے کو نشانہ بنایا گیا۔ اورین اور اواکس طیارے دہشت

گردوں کے لیئے کسی خطرے کا باعث نہیں ہیں، ان کا خوف صرف بھارتی بحریہ اور فضائیہ کو لاحق ہے کیونکہ یہ ان کے خلاف اپنی فورس کی جوابی کارروائی کے لیئے راہنمائی کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ اورین اوراواکس کو کس نے تباہ کیا۔ کراچی ایئرپورٹ سے طالبان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی اور پاکستان کو بین الاقوامی فضائی رابطے سے کاٹ کر طالبان کو کیا فائدہ میسر آسکتا ہے، اس کا جواب شاہد اللہ شاہد ہی دے سکتے ہیں لیکن ایئرپورٹ پر حملہ آوروں سے بھارتی ساختہ اسلحے کی برآمدگی سے سارا قصہ کھل جاتا ہے۔ حافظ محمد سعید نے بجا طور پر اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کے نئے وزیراعظم نریندر مودی نے اپنے ایجنڈے پر عمل شروع کر دیا ہے۔

اور مجھے بھی ذرہ بھر شک نہیں کہ کراچی ایئرپورٹ کا سانحہ مودی کی پاکستان کے خلاف اننگز کا آغاز ہے۔

مودی کی شاٹ یا شوٹ کا جواب دینے کے لیئے کم ازکم عمران خان کو اپنی اس گھسی پٹی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی کہ طالبان سے بہر صورت مذاکرات کیئے جائیں، اگر عمران خاں اپنی اس حکمت عملی پر اصرار جاری رکھیں تو آئندہ جہاں کہیں دہشت گردی کی واردات ہو، وہاں عمران خان کو پیرا شوٹ کے ذریعے اتار دیا جائے تاکہ وہ خودکش بمباروں کے ساتھ مذاکرات کا شوق پورا کرلیں۔ انکے ساتھ منور حسن، پروفیسر ابراہیم، سمیع الحق، فضل الرحمٰن بھی ہولیں۔ میری عرفان صدیقی سے برسوں پرانی یاد اللہ ہے، اس لیئے انہیں اس مقدس مشن میں جھونکنے کی سفارش اور خواہش نہیں کروں گا۔

میرا قلم سوگوار ہے، اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے، وہ جو اس سانحے میں شہید ہوئے، اللہ ان کے درجات بلند کرے، ان کی دلیری کو قوم یاد رکھے گی اور ان کی قربانی کا جذبہ آنے والی نسلوں کے لیئے مشعل راہ ہوگا۔ ان کے پس ماندگان کے غم واندوہ میں پوری قوم شریک ہے، یہ پہلا سانحہ ہے جس پر قوم کا کوئی طبقہ اپنی الگ رائے کی چھابڑی سجائے نظر نہیں آیا۔

حتی کہ انٹرنیٹ پر چلنے والا ٹی وی چینل بھی رات بھر راہ راست پر رہا۔ اسنے ابھی تک کوئی درفنطنی نہیں چھوڑی۔

اور مجھے اب یقین ہو چلا ہے کہ جنرل راحیل شریف کو دہشت گردوں نے کھلا پیغام دے دیا ہے۔ ویری لاؤڈ اینڈ کلیئر اور یقین رکھیئے Very much understood۔ (10 جون 2014ء)

شنگھائی دورے اور راستے میں اُرمچی بھی ہے

ملک کے ڈی فیکٹو حکمران میاں شہباز شریف چین کے دورے میں میٹرو ٹرین کے ایک معاہدے کو حتمی شکل دینے میں مصروف تھے کہ ارمچی کے بازار میں صبح سویرے دھماکہ ہو گیا جس سے ریستوران میں ناشتہ کرتے ہوئے کئی چینی شہری ہلاک ہو گئے۔اس دہشت گردی کی ذمے داری مشرقی ترکستان مسلم تحریک نے قبول کی تھی۔

ہو سکتا ہے چینی میزبانوں نے اسی وقت، اپنے مہمان سے کچھ وضاحتیں طلب کی ہوں، مگر ایسی کوئی اطلاع سامنے نہیں آئی مگر چند روز قبل ہمارے آرمی چیف چین کے چار روزہ دورے پر روانہ ہوئے تو میرا ماتھا ٹھنکا۔اس دورے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ایک قاری نے اس روز مجھے فون کیا اور یہ دورہ زیر بحث آیا تو میں نے اس امکان کا اظہار کیا کہ اس دورے کا تعلق ارمچی کے حالیہ دھماکے سے بنتا ہے۔

مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی کہ واقعی میرے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے چین کے مرکزی دفاعی کمیشن کے نائب سربراہ جنرل چنگ لانگ سے ملاقات کی ہے۔جس میں چینی دفاعی حکام نے اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ پاک فوج مشرقی ترکستان اسلامی تحریک کی سرگرمیوں کے خاتمے میں کردار ادا کرتی رہے گی۔چینی خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق جنرل راحیل شریف نے اس تنظیم کو پاکستان اور چین دونوں کا دشمن قرار دیا۔

چین سے جاری کی جانے والی خبروں کی زبان انتہائی ڈپلومیٹک اور محتاط ہوتی ہے مگر سمجھنے والے سمجھ جاتے

ہیں کہ چینی حکومت اصل میں کیا کہنا چاہتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ پاکستانی سرحد سے ملحق، سنکیانگ کے علاقے میں مسلم آزادی کی تحریک چین کے لیئے انتہائی پریشان کن ہے۔مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ 1949 تک آزاد تھے مگر چین نے بزور قوت اس علاقے پر قبضہ جمالیا مگر مسئلہ چین کے ترک علاقے تک محدود نہیں ہے، یہ تنظیم تمام مسلم ترک علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مملکت قائم کرنے کا نعرہ لگاتی ہےاور ان علاقوں میں پاکستان، افغانستان، ترکی، قازقستان، کرغزستان اور چین کے تمام ترک علاقے شامل ہیں۔اس طرح یہ تنظیم ان تمام مما لک کے لیئے پریشانی کا باعث ہونی چاہیئے۔مگر عملی طور پر اس کی سرگرمیاں چین تک محدود ہیں،کبھی بیجنگ میں دھماکے اور زیادہ تر سنکیانگ کے دارالحکومت ارمچی ہی میں دہشت گردی کی کارروائیاں۔

پاکستان کی نئی حکومت شنگھائی سے گوادر تک، ایک طویل کوریڈور کا نعرہ لگاتی ہے، مگر اس کوریڈور میں سنکیانگ کی تحریک آزادی کی سرگرمیاں حائل ہیں۔اس تحریک کے بانی کو پاک فوج نے فاٹا کے علاقے میں ہلاک کیا، اس کے جانشین کو بھی پاک فوج نے اسی علاقے میں ٹارگٹ کیا، اس تحریک کے ایک لیڈر کو ڈرون حملے میں نشانہ بنایا گیا۔

چینی ترک مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ آزادی کی تحریک چلا رہے ہیں۔ایک زمانے میں چین نے اپنے مسلمانوں کو حج پر بھیجنے کے لیئے پاکستان کی ایک مذہبی اور سیاسی جماعت کو ٹھیکہ دے رکھا تھا مگر کچھ عرصہ بعد چینی حکومت کو پتا چلا کہ حج کے ساتھ ان لوگوں کو جہاد کی تربیت بھی دی جارہی ہے۔چین نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار کیا اور اس جماعت نے آئندہ کے لیئے اپنی حرکت سے توبہ کی مگر افغان جہاد نے چینی، ازبک، کرغز، عرب، فلپائینی غرضیکہ ہر رنگ و نسل کے مسلمانوں پر جہادی تربیت کے دروازے کھول دیئے، سوویت روس سے فارغ ہو کر وہ یا تو پاکستان ہی میں جم کر بیٹھ گئے یا اپنے اپنے ملکوں میں واپس جا کر جہاد کا علم بلند کر دیا۔اصولی طور پر مورو تحریک آزادی، چیچن تحریک آزادی، یغور تحریک آزادی کو کشمیر یا فلسطین کی تحریک آزادی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔لیکن آج کی دنیا میں، خاص طور پر نائن الیون کے بعد کسی تحریک آزادی کو برداشت نہیں کیا جاتا۔وہ زمانہ لد گیا جب نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد کے بجائے آزادی کے ہیرو کے طور پر تسلیم کیا گیا، یا فلسطین کے یاسر عرفات پر دہشت گردی کا الزام واپس لیا گیا اور اسے اقوام متحدہ میں خطاب کے لیئے مدعو کیا گیا۔

پاکستان شدید نظریاتی بحران کا شکار ہے۔ دہشت گردی کیا ہے اور تحریک آزادی کیا ہے، ہم اس کی تعریف پر متفق نہیں ہو پائے۔ حالیہ دنوں میں تو یہ بحث شروع ہوگئی کہ اپنی فوج میں سے جانیں قربان کرنے والے شہید نہیں ہیں، منور حسن اور فضل الرحمٰن نے خوب دھول اڑائی۔ پھر یہ سننے میں آیا کہ طالبان ہمارے بچے ہیں۔ ن لیگ کی حکومت نے دہشت گردوں کے خلاف فوجی آپریشن بند کروا دیا، اسے دیگر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کی تائید بھی میسر آگئی۔ اب ایک میڈیا ہاؤس کی جنگ نے سارے نظریات غتر بود کر دیئے۔

اس عالم میں کون کہہ سکتا ہے کہ چین کے یغور مسلمان حق پر نہیں ہیں۔ مگر چین کے ساتھ ہمارا رشتہ ایسا ہے کہ ہمیں اپنا آرمی چیف وہاں یہ کہنے اور یقین دلانے کے لیئے بھیجنا پڑا کہ یغور تحریک، چین اور پاکستان دونوں کے لیئے خطرے کا باعث ہے۔ اگر نواز شریف کا موقف اس کے برعکس ہے تو ان کے چھوٹے بھائی شہباز شریف ہمت کریں اور یغور مسلمانوں کی حمایت میں بیان جاری فرمائیں۔ پرویز رشید بڑے ترقی پسند اور بنیادی حقوق کے علم بردار بنے پھرتے ہیں وہ ذرا زبان ہلائیں۔ لیکن یہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ پاکستان اقوام متحدہ کا رکن ہے، وہ اس کے چارٹر کو تسلیم کرتا ہے، وہ کسی علیحدگی کی تحریک کو جائز نہیں سمجھتا۔ وہ جغرافیائی ریاستوں کی توڑ پھوڑ کے حق میں نہیں ہے۔

اور اگر چین کے سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے تو خود اپنے ملک کے لیئے بھی ہمیں اپنا قبلہ درست کرنا ہوگا، دہشت گردوں کو اپنا بچہ نہیں سمجھنا ہوگا۔ ساٹھ لاکھ پاکستانیوں کا خون کرنے والوں کے سامنے سفید جھنڈا نہیں لہرانا ہوگا، بلکہ ان کے بچے کھچے عناصر کی سرکوبی کر کے اپنے ملک کو ہر شورش اور خونریزی سے محفوظ بنانا ہوگا۔

کس کو یاد نہیں کہ پہلی اسلامی ریاست مدینہ کے سربراہ کے سامنے جب زکواۃ دینے سے انکار کا مسئلہ سامنے آیا تو انہوں نے تلوار نیام سے نکال لی تھی اور ریاست کی رٹ بحال کرنے تک دم نہیں لیا تھا۔

تو آج ہم ریاست کو للکارنے والوں کو اپنے لاڈلے کیسے سمجھ بیٹھے ہیں۔ پروفیسر ابراہیم تو اسلامی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ فواد حسن فواد یا عرفان صدیقی کو رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر عبور نہیں رکھتے ہوں گے۔

اور چین کے صدر کا یہ حکم بھی یاد رکھیئے، انہوں نے ارمچی دھماکے، کے بعد کہا ہے کہ بارڈر پر زمین سے لے کر آسمان تک کنکریٹ کی دیوار کھڑی کر دی جائے، مجھے بتایئے، شنگھائی گوادر کوریڈور اس دیوار میں کیسے شگاف کر سکے گا۔ (6 جون 2014ء)

مجھے یہ سزا سو بار منظور ہے

پی ٹی وی ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں میری ملاقات پیمرا کے بانی چیئرمین میاں محمد جاوید سے ہوئی۔ یہ کوئی بارہ برس پہلے کا واقعہ ہوگا۔ وہ نئے ادارے کے خدوخال تشکیل دے رہے تھے، میں ان دنوں اپنی ایک ویب سائٹ شروع کر چکا تھا، میں نے میاں صاحب سے کہا کہ کہ آپ سو ادارے بنا لیں، میری ویب سائٹ پر کاٹھی ڈالنے کا کوئی طریقہ آپ کو نہیں سوجھے گا۔ اس لیئے کہ نہ میں نے اس کا کوئی ڈیکلریشن حکومت سے لیا ہے، نہ وہ اسے کوئی اشتہار جاری کرتی ہے کہ کوئی پرویز رشید میرا معاشی گلا گھونٹ سکے، نہ اس کے لیئے کوئی نیوز پرنٹ درکار ہوتا ہے جس کی سپلائی کو حکومت کا کوئی سیف الرحمٰن روک دے۔

جنرل مشرف نے ایمرجنسی لگائی اور ٹی وی چینلز بند کیئے تو میں ڈیلی ایکسپریس کا کالم نگار تھا۔ میرا ذاتی طور پر کوئی نقصان نہیں ہوا تھا اور نہ اس اخباری ادارے کا جس سے میں منسلک تھا مگر نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ میں نے ایک کالم میں حکومت کو چیلنج کیا کہ وہ جس ٹی وی کو بند کرے گی، میں اسے اپنی ویب سائٹ پر مسلسل دکھاؤں گا۔ ان دنوں کسی چینل کی اپنی ویب سائٹ نہ تھی اور نہ انٹرنیٹ پر لائیو دکھانے کا ان کے پاس کوئی انتظام تھا۔

کالم کی اشاعت کے دو روز بعد میرے گھر میں پانچ ڈاکو آئے، دن دیہاڑے، مسلم ٹاؤن جیسی پوش بستی

میں۔تین گھنٹے تک گن پوائنٹ پر انہوں نے میری بیگم اور تین بہوؤں کے زیوارات لوٹے اور پھر مزے سے فرار ہوگئے۔

مجھے پتا چل چکا تھا کہ حکومت کے پاس کوئی قانون اور ادارہ نہ بھی ہو تو وہ مجھے سبق سکھا سکتی ہے۔

اب پیمرا نے کسی کو سزا دینے یا نہ دینے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ پہلے اس کے پرائیویٹ ارکان نے ایک میڈیا ہاؤس کیخلاف فیصلہ سنایا، مگر اس پر کئی ہفتے عمل نہیں ہوا۔اس لیئے کہ پیمرا کے سرکاری ارکان دعویٰ کر رہے تھے کہ پرائیویٹ ارکان کا اجلاس غیر قانونی تھا۔اب اچانک اس ادارے کے لیئے ایک قائم مقام چیئر مین کا تقرر کیا گیا، اگلی ہی صبح تمام سرکاری ارکان جو پہلے ہر اجلاس میں شریک ہونے سے انکار کرتے رہے، وہ سب اس کے اجلاس میں آئے اور انہوں نے مل کر اپنا فیصلہ سنا دیا۔کہا جاتا ہے کہ اس پر عمل بھی ہو گیا۔یعنی میڈیا ہاؤس کی نشریات بند ہو گئیں۔اب صرف ایک کروڑ جرمانے کی وصولی باقی ہے۔

میری پیمرا سے درخواست ہے کہ وہ مجھے ایک نئے چینل کے لیئے لائسنس جاری کرے تاکہ میں پاکستان کے بعض سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی عزت افزائی کر سکوں، مجھے ہر عزت افزائی پر پندرہ دن کی بندش اور ایک کروڑ روپے جرمانے کی سزا ہنسی خوشی قبول ہوگی اور میں یقین دلاتا ہوں کہ اس سزا کے خلاف کہیں اپیل بھی نہیں کروں گا۔

پیمرا کے نئے چیئر مین اور ان کے ساتھی سرکاری ارکان مجھے یہ لائسنس نہیں دیں گے، اس لیئے کہ نہ وہ اپنی عزت افزائی برداشت کریں گے، نہ ان اداروں کی جن کے اکاؤنٹ سے ان کے گھر چلتے ہیں۔قومی اسمبلی کے اسپیکر تو ایک رکن کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔آٹھ آٹھ گھنٹے کی نشریات یہ لوگ کیسے ہضم کر پائیں گے۔

ڈاکٹر طاہر القادری نے پیمرا کے نئے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ فوج کے وقار کی قیمت ایک کروڑ روپے جبکہ میڈیا ہاؤس کے وقار کی قیمت بیس ارب روپے۔

میں تو شکر گزار ہوں پیمرا کا جس نے اس گئے گزرے دور میں فوج کے وقار کی ایک کروڑ روپے قیمت لگا دی ہے، مصر کے بازار میں یوسف کی قیمت صرف سوت کی ایک اٹی لگی تھی۔ یوسف کم از کم خوبصورت تو تھا۔ ہماری فوج تو چار مارشل لا، بار بار بلوچستان میں آپریشن، مشرقی پاکستان کے عوام پر چڑھائی اور پھر بھارتی فوج کے سامنے سرینڈر، بگٹی آپریشن، لال مسجد آپریشن، لاپتا افراد اور سوات اور فاٹا کے اسلامی مجاہدین کے

خلاف بارہ سالہ جارحیت کی وجہ سے اپنی عزت کھو چکی ہے۔اس فوج کے خلاف تو عالمی اخبارات میں روگ آرمی کے اشتہار چھپ چکے ہیں۔اس فوج کے ہاتھوں سی آئی اے نالاں ہے، بھارتی حکومت ہر وقت اس کو ہاتھ اٹھا اٹھا کر بددعائیں دیتی ہے۔سوویت روس مرحوم ہو چکا لیکن پیوتن صاحب کے جی بی کے سربراہ رہ چکے ہیں، اس لیئے پاک فوج کی دراز دستی سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔اسرائیل اور اس کی موساد بھی آئی ایس آئی کے ہاتھوں زخم خوردہ ہیں۔یہ طاقتیں پاک فوج کی کیا خاک عزت کرتی ہوں گی۔تو پیمرا پر کہاں لازم آتا ہے کہ وہ اس کے وقار کے تحفظ کے لیئے کوئی کردار ادا کرے، بس کہہ دیا نا! کہ دو ہفتے نشریات بند اور ایک کروڑ جرمانہ، اور کیا کرتا، کوئی بجلی گرا دیتا۔

اور میں بھی کہتا ہوں کہ مجھے بھی دو نا چینل کا ایک لائسنس تا کہ میں بھی ایک ایک کروڑ کے جرمانے بھروں اور کچھ لوگوں اور اداروں کے خلاف دل کی بھڑاس نکال لوں۔

میں سخت شرمندہ ہوں شہیدوں کی امانت دار پاک فوج سے جس کے بارے میں، میں سخت غیر سنجیدہ انداز میں تبصرہ کر رہا ہوں۔مجھے تو اپنے قلم کو غوری میزائل بنا لینا چاہیے اور پاک فوج کے سامنے ڈھال بن جانا چاہیئے۔جب شہیدوں کی بے حرمتی کرنے والے ذرا بھر نہیں ہچکچاتے اور ڈنکے کی چوٹ اس پر وار کرتے ہیں تو میں نے یہ ہچر مچر کیا لگا رکھی ہے۔

میں کسی مبالغے سے کام نہیں لے رہا، میں یقین سے کہتا ہوں کہ پاک فوج کے وقار پر حملے تو صرف ایک بہانہ ہیں، اصل میں تو اس مملکت خداداد کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں۔اور ہر وہ شخص جو پاکستان کے وجود کو دل سے نہیں مانتا، نہ اس کے آباؤ اجداد نے اس کی تخلیق میں کوئی قربانی دی ہے، وہ اس کی بیخ کنی کے لیئے مورچہ بند نظر آتا ہے۔میں نہیں جانتا، حق کی خاطر پہلا معرکہ کب لڑا گیا، لیکن آخری معرکہ سامنے ہے۔یہ بقا اور فنا کی جنگ ہے، وجود اور عدم وجود کی لڑائی ہے۔ہمارا غنیم پوری طرح اس کے لیئے تیار ہے، وہ دعوت مبارزت دے رہا ہے۔پہلو بدل کر حملہ آور ہو رہا ہے۔

ملک دشمن اکیلے نہیں ہیں، پیسے کی ان پر بارش ہو رہی ہے، دنیا بھر کے تخریب کار ایجنٹ ملک دشمنوں کی پشت پر ہیں۔اور ملک کے چاروں طرف عالمی افواج بھی پرے باندھے کھڑی ہیں۔ان کے راستے میں صرف پاک فوج واحد رکاوٹ ہے یا آئی ایس آئی ان کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے، اس لیئے پہلا وار انہی پر ہے۔

ایک کروڑ جرمانہ تو کوئی مسئلہ نہیں، وہ آٹھ آٹھ گھنٹے کی نشریات کے عوض لاکھوں بار ایک کروڑ جرمانہ دینے کو تیار ہوں گے۔

اور میں بھی اس کام کے لیئے تیار ہوں، بس پیمرا سے التماس کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایک چینل کھول لینے دے۔ میرا کیمرہ بارہ اکتوبر ننانوے کے وزیر اعظم ہاؤس پر زوم ان ہوگا جب پاک فوج کے ایک سربراہ کو ہٹا کر ایک نئے جرنیل کو وردی پہنائی جارہی تھی، کیمرہ مین کی کوشش ہوگی کہ وہ باری باری ان تمام کرداروں کے چہرے دکھائے جو اس وقت وزیر اعظم ہاؤس میں موجود تھے۔

کیا اسی سین پر تو مجھے پہلی سزا نہیں ہو جائے گی۔ ہوتی ہے تو ہو جائے۔(9 جون 2014)

عمران خاں امن کی آشا کے کینسر سے بچیں

پہلے تو میری دلی دعا ہے کہ اللہ کریم مجید نظامی کی زندگی لمبی کرے۔آمین۔میرا سپاہ سالار میرے سر پر سایہ فگن ہے تو میں گرج برس سکتا ہوں اور تن تنہا اپنے سارے حریفوں کو چت کر سکتا ہوں۔

میری دوسری دعا یہ ہے کہ عمران خان نے لوگوں کو کینسر سے بچانے کے لیئے ایک ہسپتال بنایا اور اسے ایک کارنامہ ظاہر کیا، حالانکہ یہ مانگے تانگے کا نتیجہ تھا۔بہر حال اللہ اس کے صدقے عمران خاں کو امن کی آشا کے کینسر سے محفوظ رکھے۔آمین!

عمران خان سیاسی پرندہ نہیں ہے، اس کی سیاست، کرکٹ میں جوئے کے مترادف ہے، داؤ چل گیا تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ گیا۔پندرہ سال کی سیاست کے بعد اگر اسے ایک صوبے کی حکومت مل ہی گئی ہے تو وہ اس صوبے کے معاملات کو سنبھالے، اس سے آگے بڑھے گا تو اپنی حد سے تجاوز کرے گا اور امپائر اسے لال جھنڈی دکھا دے گا اور یہ امپائر قوم ہے، اس کے ووٹر ہیں۔

عمران خاں کے پاس قومی معاملات کو سدھارنے یا بگاڑنے کا مینڈیٹ نہیں ہے۔مگر جس وقت وزیر اعظم نواز شریف نئی دہلی میں نئے بھارتی وزیر اعظم کے سامنے بیٹھے چارج شیٹ سن رہے تھے، عین اسی وقت عمران خان نے اپنی توپوں کے دھانے کھول دیئے اور وہ بھی کس کے خلاف، پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف کے خلاف۔ایک میڈیا گروپ نے پھر بھی مہربانی کی کہ صرف آئی ایس آئی کے سربراہ کو لتاڑا، عمران خان ساری حدیں پھلانگ گئے اور جنرل راحیل شریف کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ وہ شمالی وزیرستان میں آپریشن بند کریں، ورنہ شمالی وزیرستان ملک سے علیحدہ ہو جائے گا۔وہ ایک قدم اور

آگے بڑھے اور کریز سے باہر نکل کر کہنے لگے کہ سانحہ مشرقی پاکستان دوبارہ رونما ہو جائے گا۔انہوں نے یہ وارننگ دی کہ آپریشن نہ رکا تو جنرل راحیل سے خود ملوں گا۔ضدی بچے کی ایک بار فوج اور آئی ایس آئی کے سربراہ سے ملاقات ہوگئی،اب وہ ہر روز کھیلن کو مانگے چاند۔جنرل راحیل شریف گزشتہ روز وزیرستان میں تھے۔عمران خاں نے ایک بارڈرون حملوں کے خلاف جلوس کی آڑ میں اس علاقے میں گھسنے کی کوشش کی مگر وہ ٹانک سے آگے نہ جا سکا۔پاک فوج کا جوان فاٹا کے ایک ایک انچ پر موجود ہے اور جن دو علاقوں میں نہیں ہے، وہاں قابض ہونے کے لیئے حکومت کے اشارے کی منتظر ہے۔آئی ایس پی آر کے سربراہ جنرل عاصم باجوہ نے لاہور کے ایڈیٹروں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ فوج کو صرف دو ہفتے درکار ہیں، فاٹا کا باقی علاقہ بھی آئین پاکستان کی رٹ میں داخل کر دیا جائے گا۔حکومت نے یہ حکم ابھی تک نہیں دیا۔شاید اس لیئے کہ ن لیگ، جماعت اسلامی، جے یو آئی اور تحریک انصاف اس آپریشن کی مخالف ہیں۔ان کی مخالفت کی وجہ کیا ہے، کیا صرف اس لیئے مخالفت کی جا رہی ہے کہ طالبان ان کے بچے ہیں۔ان کے لاڈلے ہیں۔

فوج پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کے نزدیک کچھ گڈ طالبان ہیں، کچھ بیڈ طالبان ہیں لیکن جنرل عاصم باجوہ سے لاہور کے ایڈیٹروں نے پوچھا تھا کہ اگر آپریشن کا حکم ملا تو کیا صرف بیڈ طالبان کو نشانہ بنایا جائے گا، جنرل باجوہ اس سوال کے زہر کو بھانپ گئے، انہوں نے جواب دیا، کہ ہم ایک ٹائم فریم دیں گے کہ یہ علاقہ خالی کر دیا جائے، اس کے بعد جو بھی سامنے آیا، اسے دشمن تصور کیا جائے گا۔اور دو ہفتے کے اندر یہاں پاکستان کا پرچم لہرا دیا جائے گا۔شمالی وزیرستان کے آپریشن کو حیلے بہانے سے روکنے میں کچھ کردار عرفان صدیقی کی پہلی امن کمیٹی نے ادا کیا، اور اب کچھ بے عملی فواد حسن فواد کی نئی کمیٹی کی وجہ سے ہے لیکن اس دوران میں طالبان نے خود ایسے بہانے فراہم کیئے کہ عملی طور پر یہ آپریشن جاری رہا، کیونکہ فوج پر گولی چلائی جائے گی تو اسے بھی جواب میں گولی چلانے کا حق حاصل ہے۔اور گولی مسلسل چلتی رہی، جس کے نتیجے میں سب کے لاڈلوں کا صفایا ہو گیا، یہ صفائی پاک ایئر فورس کے ایف سولہ طیاروں نے کی، اور پھر جن کو نشانہ بنایا جاتا ہے، جی ایچ کیو ان کے نام بھی جاری کرتا ہے، ان نشانہ بننے والوں میں وہ فٹ بالر بھی شامل ہے جسے پاک فوج کے سروں کو فٹ بال بنا کر ٹھڈے مارنے کا شوق لاحق تھا۔اس کی ویڈیو آپ سب نے فیس بک پر ضرور دیکھی ہو گی، پتا نہیں آپ کا ردعمل کیا تھا مگر میرا سارا خون تو سر کو چڑھ گیا تھا۔

خیبر پی کے، کی حکومت کو فاٹا کے معاملات پر رائے زنی کا حق حاصل نہیں، یہ حق آئین پاکستان چھینتا

ہے، میں نے نہیں چھینا۔ فاٹا کا علاقہ صدر پاکستان کی رٹ کا حصہ ہے اوران کے نمائندے کے طور پر گورنر خیبر پی کے اس کے نگران ہیں۔ پشاور کی حکومت کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔ پاکستان کی دفاعی پالیسی کی تشکیل میں بھی تحریک انصاف کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں، ملک کی خارجہ پالیسی کی ادل بدل میں بھی پشاور حکومت دخیل نہیں ہوسکتی، وہ نالیاں بنائے، انصاف بسیں چلائے، یا بھنگ کے کاروبار کو کنٹرول کرے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عمران خاں ہمہ وقت پاکستان کے دفاعی اور خارجہ معاملات کی اکھاڑ پچھاڑ کی سوچ میں غرق رہتے ہیں۔ اگران کے اس مرض میں افاقہ نہ ہوا تو لامحالہ پشاور کی حکومت رانا ثنااللہ خاں کی تحویل میں دینا پڑے گی، اس طرح عمران خاں کو قومی معاملات کے حل کے لیئے بہت سارا فارغ ٹائم مل جائے گا۔

جنرل راحیل کے وزیرستان کے دورے سے عمران خاں کے پیٹ میں اس قدر مروڑ اٹھے گا، میں اسکا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آیئے میں ایک راز کی بات بتاؤں۔ ہمارے طالبان پسند سیاستدانوں کے قدموں کے نیچے سے زمین سرک چکی ہے۔ ایک ایک کرکے شرپسندوں کی اکثریت کا خاتمہ ہوچکا۔ یہ فوج کی کامیابی ہے اور یہ قوم کی کامیابی ہے، سیاستدان چاہتے تھے کہ دہشت گردی کا سلسلہ چلتا رہے اور وہ قوم کو ڈرا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہیں۔ مگر فوج نے دہشت گردی کا قلع قمع کردیا۔ جنرل راحیل شریف نے بجا طور پر کہا کہ قوم نے دہشت گردوں کا گمراہ کن نظریہ مسترد کردیا۔ دہشت گردوں کو دیوار سے لگا دیا گیا، طالبان اپنا مقصد کھو چکے، اب ملک کے شورش زدہ علاقوں میں پائیدار امن ہے۔ قوم نظریہ پاکستان کی علم بردار ہے۔ فوج اور مقامی باشندوں کی ثابت قدمی قابل تعریف ہے، دہشت گردوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پاک فوج ان کا ایجنڈا کسی صورت کامیاب نہیں ہونے دے گی، اس مشن میں پوری قوم فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔

یہ ہے وہ درد جو دہشت گردوں کے سیاسی ونگ کی پسلیوں سے اٹھ رہا ہے، وہ اس خونی بلا کو زندہ رکھنے کے خواہاں تھے، لیکن پاک فوج نے اس کا سر کچل دیا۔ اب دہشت گردوں کے ہمدرد امن کی آشا کا راگ الاپ رہے ہیں۔ یہ امن کی آشا کسی کینسر سے کم نہیں۔

ایک امن کی آشا ہمیں بھارت کے طوق غلامی میں پھنسانے کے لیئے ہے، دوسری امن کی آشا ہمیں دہشت گردوں کا باجگزار بناتی ہے۔ یہ کسی کینسر سے کم نہیں، عمران کو اس کینسر سے بچنا چاہیئے۔

(29 مئی 2014ء)

دلّی دربار میں راگ درباری

پاکستان کے یوم تکبیر پر بھارت کے ایٹمی عزائم کی بحث نئے وزیراعظم کے ایجنڈے کی غماز ہے۔شیوسنہا کے سربراہ نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ مودی کو ایٹمی بٹن دبا کر پاکستان کو سخت سزا دے دینی چاہیئے۔ بھارتی پریس نے ان حالات اور وجوہات کا جائزہ لینا شروع کر دیا ہے جن میں مودی کے لیئے ایٹمی بٹن دبانا ضروری ہو جائے گا۔ساتھ ہی انڈین میڈیا نے نواز شریف کو ناقابل اعتبار ثابت کرنے کے لیئے کہا ہے کہ جس وقت ان کا جہاز پاکستان سے پرواز کر رہا تھا تو عین اسی وقت کنٹرول لائن پر پاکستانی رینجرز نے فائرنگ کا سلسہ شروع کر دیا اور شام کو جب مودی نے حلف کا آغاز کیا تو اسی وقت پاک رینجرز نے دوسری خلاف ورزی کی۔

مودی کی حلف برداری سے پہلے بھارت میں ایک ٹرین حادثے میں چالیس افراد ہلاک ہو گئے اور مقبوضہ کشمیر میں ایک مگ اکیس بھارتی طیارہ پائلٹ سمیت تباہ ہو گیا۔شکر کی بات یہ ہے کہ ان حادثات کا الزام پاکستان پر نہیں لگا دیا گیا۔

نواز شریف نے نئی دہلی روانگی سے قبل کہا تھا کہ وہ امن کا پیغام لے کر جا رہے ہیں اور دوطرفہ دوستی کے عمل کو وہیں سے شروع کرنا چاہتے ہیں جہاں ننانوے میں اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔نواز شریف نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ قیام امن کے لیئے یہ سنہری موقع ہے کیونکہ دونوں طرف کی حکومتوں کو بھاری مینڈیٹ ملا ہے۔

بھاری مینڈیٹ نواز شریف کو نہیں بھول سکتا، دیکھیئے مودی کا کیا حشر کرتا ہے۔

مودی نے منگل کی دوپہر نواز شریف سے ملاقات میں کہا ہے کہ پاکستان کو دہشت گردی بند کرنا ہو

گی ۔اور ممبئ حملوں کے مجرموں کو سزا دینا ہوگی، انہوں نے ان کے ٹرائل پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ظاہر ہے ایک بھارتی وزیر اعظم اور وہ بھی سخت انتہا پسند، اس کے علاوہ کیا کہتا مگر میرے ملک کا وزیر اعظم جو اپنے آپ کو اٹھانوے میں ایٹمی وزیر اعظم کہلوانے میں فخر محسوس کرتا تھا اور دھماکے کرنے پر داد وصول کر رہا تھا، آج یوم تکبیر سے ایک روز قبل وہ مودی کے سامنے اعتراف کر رہا ہے کہ دونوں ملکوں نے اسلحے کی دوڑ میں وسائل ضائع کیئے ہیں۔

بھارتی میڈیا ہمیشہ کی طرح غرا رہا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ مودی نے ممبئ حملوں کے سلسلے میں نواز شریف پر پانچ تابڑ توڑ حملے کیئے۔دیکھیئے سرتاج عزیز اور دوسرے پاکستانی جو اس میٹنگ میں موجود تھے، کبھی اصل کہانی سنائیں گے یا نہیں۔

بھارتی سیکرٹری خارجہ نے تصدیق کر دی ہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات کے دوران ٹیررازم پر تشویش کا اظہار کیا اور ممبئ حملوں کے مجرموں کے کیس سرعت سے نمٹانے پر زور دیا۔انہوں نے طنطنہ دکھاتے ہوئے کہا کہ ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کشمیر پر ہمارا موقف کیا ہے۔

میرے گھر میں صبح سے بجلی بند ہے اور شام تک بند رہے گی، اس لیئے میں ٹی وی پر مودی، شریف ملاقات کا احوال نہیں دیکھ سکا مگر مجھے یوں لگا ہے کہ میرے ملک کے وزیر اعظم کو بھارتی وزیر اعظم نے ملاقاتوں کی فہرست میں کہیں آخر میں رکھا ہے، ان کے بعد مودی کی ملاقات بنگلہ دیش کی اسپیکر سے ہوئی ہے جس بے چاری کو آدھ گھنٹہ مزید انتظار کرنا پڑا کیونکہ نواز، مودی میٹنگ تیس منٹ کے لیئے تھی، جو پچاس منٹ تک طول پکڑ گئی۔نواز شریف نے اپنی ملاقات کو بہترین Excellent قرار دیا ہے۔جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

انٹرنیٹ پر موجود ایک تصویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودی اور نواز شریف مصافحہ کرتے ہوئے مسکرا رہے ہیں، باقی ہر تصویر میں مودی کے چہرے پر تو مسکراہٹ لہرا رہی ہے مگر نواز شریف گم صم سے دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے وزیر اعظم کی ڈاک میں منگل کی صبح سویرے اور مودی سے ملاقات سے گھنٹوں قبل ٹائمز آف انڈیا کی ایک اسٹوری ضرور رکھی گئی ہوگی جس کی سرخی یہ ہے کہ نئے بھارتی وزیر اعظم کی انگلیاں ایٹمی بٹن پر ہیں۔وہ ملک کی نیوکلیئر کمانڈ اتھارٹی کی سیاسی کونسل کا چیئرمین بھی ہے جو ایٹمی اسلحے کے استعمال کی اجازت

دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وزیر اعظم نے اس اسٹوری کو سرسری طور پر ہی دیکھا ہوگا جبکہ اس میں پاکستان کے لیئے کئی قابل غور نکات موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ بھارت میں اس طرح کی کمانڈ نہیں جیسے امریکہ یا دیگر ترقی یافتہ ملکوں میں ہے، امریکہ میں صدر کی معذوری کی صورت میں درجہ بدرجہ پندرہ حکومتی عہدیداروں کو نیوکلیئر کمانڈ کے فیصلوں کا اختیار تفویض کیا گیا ہے مگر بھارت میں اگر وزیر اعظم کسی وجہ سے معذور ہو جائے تو اس کی جگہ یہ حساس ترین فیصلہ کون کرے گا، اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ بس پھر افراتفری کا عالم ہوگا۔ اس صورت حال میں بھارت کو فرسٹ سٹرائیک کی حکمت عملی پر ہی عمل کرنا ہوگا کیونکہ سیکنڈ سٹرائیک کی تو اس میں صلاحیت ہی نہیں۔

اور شیو سنہا کے صدر ٹھاکرے نے یہی آپشن استعمال کرنے کی دھمکی دی ہے۔

ہمارے وزیر اعظم یہ اسٹوری پڑھنے کے بعد مودی کے ساتھ چپ سادھ کر نہ بیٹھتے تو اور کیا کرتے۔

تادم تحریر وزیر اعظم نواز شریف بھارتی میڈیا سے گفتگو کر رہے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ مودی سے ملاقات بڑی مثبت اور خوشگوار تھی اور سیکرٹریوں کی سطح پر مذاکرات پر اتفاق رائے ہوا ہے۔

اس پریس ٹاک کی تفصیلات آتی رہیں گی مگر ابھی تک کوئی ایک اشارہ بھی ایسا نہیں ملا کہ نواز شریف نے مسئلہ کشمیر کے حل پر زور دیا ہو جیسا کہ آگرہ میں صدر مشرف نے کشمیر کا کور ایشو پہلے حل کرنے پر اصرار کیا تھا۔ ایسا بھی نہیں لگتا کہ وزیر اعظم نے بلوچستان میں بھارتی مداخلت پر احتجاج کیا ہو جیسا کہ ان کے پیش رو وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے شرم الشیخ میں من موہن سنگھ سے کیا تھا۔ ہمارے وزیر اعظم نے بھارتی لیڈر سے یہ بھی نہیں کہا کہ امریکی انخلا کے بعد بھارت کا افغانستان میں کوئی کردار نہیں۔

اس کے باوجود یہ دورہ بے حد کامیاب رہا۔ سرکاری ڈھول کی تھاپ پر یہی راگ درباری الاپا جائے گا۔

ہمارے وزیر اعظم جامع مسجد نئی دہلی گئے۔ اٹل بہاری واجپائی کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر انہوں نے چودھری شجاعت حسین کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بھارتی ریاست گجرات کا رخ نہیں کیا جہاں وہ زندہ جلائے جانے والے مسلمانوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھ سکتے تھے۔ کوئی بتائے کہ وزیر اعظم کے وفد میں حسین نواز کی نئی دہلی میں کیا مصروفیات رہیں۔ (29 مئی 2014ء)

یوم تکبیر پر نریندر مودی کو مہمان خصوصی بنائیں

نریندر مودی نے اپنے جشن تخت نشینی میں شرکت کا موقع بہم پہنچا کر نواز شریف کی عزت افزائی فرمائی، اب نواز شریف کی باری ہے کہ وہ نریندر مودی کی عزت افزائی فرمائیں اور انہیں 28 مئی کے یوم تکبیر کے جشن کی قومی تقریب میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کریں۔انہیں بھارت کے اس احسان کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس نے پہلے دھماکے کیئے اور نواز شریف کو جوابی دھماکے کرنے کا موقع دیا۔اور یوں نواز شریف کو ایٹمی وزیر اعظم کا خطاب ملا۔ بھارتی شیوسنہا کے نوجوان سربراہ اودھے ٹھاکرے نے یہ دھمکی دی ہے کہ نریندر مودی کو کسی بھی وقت پاکستان کو سزا دینے کے لیئے ایٹمی بٹن دبانا پڑ سکتا ہے۔ٹھاکرے کا کہنا ہے کہ بھارت کو نواز شریف پر اعتماد نہیں ہوسکتا، اس لیئے کہ اسی کے دور میں کارگل بھی ہوا تھا۔

ایٹمی اسلحے کا ایک بٹن پاکستان کے پاس بھی ہے، پتا نہیں پاکستانی پنجاب کے چیف منسٹر شہباز شریف نے دو دنوں میں آرمی چیف سے جو بار بار ملاقاتیں کی ہیں، ان میں یہ ایٹمی بٹن فوج سے لے کر اپنے وزیر اعظم بھائی کے حوالے کر دیا ہے یا نہیں۔ پاکستان اور بھارت نے فرسٹ ایٹمی سٹرائیک نہ کرنے کا ایک معاہدہ کر رکھا ہے جس پر بھارتی جنتا پارٹی نے سخت مخالفت کی تھی اور مودی نے الیکشن مہم میں اعلان کیا تھا کہ وہ اقتدار میں آ کر اس معاہدے کو پھاڑ دیں گے۔ٹھاکرے صاحب نے جن مذموم عزائم کا اظہار کیا ہے ان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مودی کی طرف سے نواز شریف کو یہی ایک پیغام دیا جاسکتا ہے کہ وہ اس معاہدے کو قبول نہیں کرتے، اس طرح فرسٹ اسٹرائیک کا حق انہیں مل جائے گا اور وہ کسی بھی شبھ گھڑی ایٹمی بٹن دبا کر

پاکستان کو سزا دے دیں گے۔ ویسے کہیں یہ نہ ہو جائے کہ امن کی آشا کی بیل منڈھے چڑھ جائے اور اس خوشی میں ہم اپنا ایٹمی بٹن بھی بڑے بھائی نریندر مودی کے ہاتھ میں دے دیں کہ سپر دم بہ تو مایہ خویش را، تو دانی حساب کم وبیش را۔اس فارسی شعر کی آپ کو سمجھ نہیں آئی ہو گی لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نریندر مودی نے اپنا جو حلف سنسکرت میں لیا ہے، اس کی سمجھ بھی آپ کو نہیں آئی ہو گی۔

حساب کا لفظ تو آپ کی سمجھ میں آ ہی گیا ہو گا۔ ذرا حساب لگایئے کہ جب بھٹو نے ایٹمی پرگرام کی داغ بیل یہ کہہ کر رکھی کہ گھاس کھائیں گے، ایٹم بم بنائیں گے اور جب 1976 میں ایٹمی تجربہ کرنے کے لیئے بلوچستان کے طول وعرض میں سرنگیں کھودے کا سلسلہ شروع ہوا تو ایٹمی وزیر اعظم ان دنوں اتفاق فونڈری میں کیا بھاؤ تاؤ کرنے میں مصروف ہوں گے۔ تھوڑا آگے چلتے ہیں، 1984 میں جب امریکی سفیر او کلے نے انکشاف کیا تھا کہ پاکستان سرخ بتی عبور کر چکا ہے تو اس وقت ایٹمی وزیر اعظم کی مصروفیات کیا تھیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی۔ ایٹمی پروگرام سے نواز شریف کا کیا لینا دینا۔ انہیں تو تیار شدہ ایٹم بموں کا ذخیرہ ملا، بھارت نے دھماکے کر دیئے تو نواز شریف کو جوابی دھماکے کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ یہ ساری باتیں بعد کی ہیں کہ کلنٹن کے فون نہیں سنے، ساری دنیا کے خزانوں کو ٹھکرایا اور ایٹمی دھماکے کر ڈالے۔ بھارت نے گیارہ مئی کو دھماکے کیئے، ہمارا وزیر اعظم شش وپنج میں پڑ گیا۔ وزیر اعظم کے بزدل حواری لکھ رہے تھے کہ بھارت کی کشتی میں سواری نہیں کریں گے، تب ایک مرد حق اٹھا، اس نے للکارا، نواز شریف تم دھماکہ نہیں کرو گے تو قوم تمہارا دھماکہ کر دے گی، میں تمہارا دھماکہ کر دوں گا، تب میں نے اور عبدالقادر حسن نے لکھا کہ اگر دھماکہ نہ کرنے کے عوض مال کمانا چاہتے ہو تو ماؤں بہنوں کو کوٹھوں پر بٹھا دو اور خود کندھوں پر، پرنا رکھ لو تو زیادہ مال اکٹھا ہو جائے گا۔

دھماکے تو ہو گئے مگر یوم تکبیر کی لگام ان حواریوں کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی جنہوں نے ایٹمی دھماکوں کی مخالفت کی تھی، وہ آج بھی ایٹمی دھماکوں کے مخالف ہیں، ان بھارتی شردھالووں کو یوم تکبیر کمیٹی کا چیئرمین بنانے سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ واجپائی کے ہاتھ میں ہماری خوشیاں گروی رکھ دی جاتیں، چلیئے آج اس غلطی کا مداوا کر دیں اور ایٹمی بٹن کا کنٹرول نریندر مودی کے پوتر ہاتھوں میں دے دیں۔

لیکن جن ہاتھوں نے پاکستان کا ایٹمی پروگرام پروان چڑھایا ہے، وہ اسے بھارت یا ان کے شردھالووں

کے ہاتھ میں کیوں جانے دیں گے۔ اور یہ کون تھے جنہوں نے پاکستان کا ایٹمی پرگرام پروان چڑھایا، یہ ہماری قابل فخر آئی ایس آئی کے ہاتھ تھے جنہوں نے دنیا کی شاطر انٹیلی جنس ایجنسیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ پروگرام پروان چڑھایا۔ بھارتی را، اسرائیلی موساد، روسی کے جی بی، برطانوی ایم آئی فائیو اور سکس، امریکی سی آئی اے کا جگتو فرنٹ بھی آئی ایس آئی کی گرد کو نہ پاسکا۔ اور پاکستان کو ایٹمی ڈیٹرنٹ کا تحفہ مل گیا۔ بھارت نے ایٹمی ڈیٹرنٹ کی طاقت ایک بار نہیں، تین بار آزما کر دیکھ لی اور دنیا نے بھی دیکھ لی اور جو بھی اس پروگرام کا مخالف ہے وہ بھی جان لے کہ براس ٹیک مشقوں کی آڑ میں انیس سو ستاسی میں بھارت نے پاکستان پر چڑھائی کی کوشش کی تو ضیا الحق ایک کرکٹ میچ دیکھنے بھارت گئے جہاں راجیو کے کان میں انہوں نے بتایا کہ اگر مزید ایک انچ آگے بڑھے تو ایٹمی بٹن دبا دوں گا۔ اسلامی ملک اور بھی ہیں لیکن دنیا میں واحد ہندو ریاست صفحہ ہستی سے مٹا ڈالوں گا، اگلے روز بھارتی فوجوں نے واپس چھاؤنیوں کی راہ لی۔ دو ہزار دو میں بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کا ڈرامہ رچا کر بھارت نے ایک بار پھر پاکستان کے خلاف لام بندی کر دی، جواب میں پاکستان نے اپنے درمیانی فاصلے کے میزائل عین سرحد پر نصب کر دیئے اور ان پر ایٹمی ٹوپیاں چڑھا دیں۔ ہندو لالے کا ایک بار پھر پیشاب خطا ہو گیا۔ اور اس کی فوج کو پھر واپسی کی راہ لینا پڑی۔ تیسری بار دو ہزار آٹھ میں ممبئی میں ڈرامہ رچایا گیا اور اس کا بدلہ اتارنے کے لیئے پاکستان کو سرجیکل اسٹرئیک کی دھمکی دی گئی، پاکستان نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیئے اپنے ایف سولہ فضا میں بلند کر دیئے۔ ان میں ایٹمی اسلحہ نصب تھا، میں سلام پیش کرتا ہوں ان ہوابازوں کو جو جان ہتھیلی پر رکھ کر چوبیس گھنٹے فضاؤں میں رہے اور جب تک بھارت کے ذہن سے سرجیکل اسٹرائیک کا خناس نکل نہیں گیا، یہ ہواباز لاہور سے کھوٹہ تک کی فضاؤں میں چنگھاڑتے رہے۔ ان جانبازوں کی ماؤں کو بھی سلام! ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے۔ اور اب اگر بھارتی شیوسنہا کے سربراہ اودھے ٹھاکرے کی دھمکی پر نریندر مودی نے عمل کرنے کی ٹھان رکھی ہو تو وہ اپنے باپ کے ہیں تو یہ شوق ضرور پورا کریں۔ (28 مئی 2014ء)

اللہ کی لاٹھی بے آواز نہیں

اللہ کی لاٹھی بے آواز نہیں ہے اور ڈاکٹر مجید نظامی نے بھی لاٹھی لہرادی ہے، اللہ کے اس بندے کی لاٹھی بھی بے آواز نہیں ہے۔انہوں نے قوم کو خبردار کیا ہے کہ بھارت میں اب تک جتنے حکمران آئے، ان میں مودی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

اوراس خطرناک ترین بھارتی حکمران سے ملنے کے لیئے ہمارے وزیراعظم آج بھارت سدھار رہے ہیں۔

یہ پاکستان کا یوم سیاہ ہے۔

یہ یوم سیاہ، بانی پاکستان کی روح کے لیئے،سوہان روح ہے۔

حافظ محمد سعید نے بھی وزیراعظم کو متنبہ کیا ہے کہ وہ بھارت کا رخ نہ کریں۔جماعت اسلامی بھی اس مسئلے پر یکسو ہے اور بھارت کے سامنے سر جھکانے کے حق میں نہیں ہے۔پاکستان کا درد رکھنے والی ساری جماعتیں یوم تکبیر منانے کے لیئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہیں۔

اور یوم تکبیر سے صرف دوروز پہلے وزیراعظم 28 مئی 1998 کے جذبوں کو بھول گئے ہیں، انہوں نے سوغاتیں رد کر کے بھارت کا حساب چکادیا، انکے وزیر خارجہ گوہرایوب خاں نے کہا تھا Tit for tat

اب یہ سب کچھ بھلادیا گیا اور وزیراعظم کی ساری نظریں دلی پر مرکوز ہیں۔

وزیراعظم نے سب کی سنی ان سنی کر دی ہے، انہیں پیپلز پارٹی، تحریک انصاف اور جے یو آئی کی کھلی اشیر باد حاصل ہے۔

امن کی آشا اور اس کے ساتھ سیفما اگر ابتلا میں نہ ہوتی اور معاشرے میں اچھوت نہ بن چکی ہوتی تو وہ بھی ڈھول بجا کر وزیراعظم کے جہاز کو رخصت کرتی۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ تو وزیراعظم کے جہاز سے لٹک کر دہلی جانے کے لیئے تیار ہیں۔

ڈاکٹر مجید نظامی نے یہ نصیحت بھی کی ہے کہ ہمیں بھارتی شردھالووں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، بھارتی شردھالووہ ہیں جو امریکہ، برطانیہ، یورپی ممالک اور بھارت سے پیسہ بٹور کر بھارتی ایجنڈے کو بڑھاوا دے رہے ہیں، جن کی نظریں واہگہ کے اس پار جمی رہتی ہیں جہاں شراب ہے، شباب ہے، بے غیرتی ہے، بے حمیتی ہے اور صدیوں کی غلامی کا پھندا تیار ہے۔

وزیراعظم موقع کی تاک میں تھے، بھارت ان کے خوابوں میں بسا ہوا ہے، بلکہ بھارت کا گاؤں جاتی امرا ،انہوں نے پاکستان میں آباد کر لیا ہے۔ مکہ سے بہت سے لوگوں نے ہجرت کی مگر کہیں دوسرا مکہ آباد نہیں کیا۔ مگر خدشہ ہے کہ اب پورے پاکستان کو اکھنڈ بھارت کا حصہ نہ بنا دیا جائے۔ اپنی تقریب حلف برداری میں وہ منموہن سنگھ کو بلانا چاہتے تھے، ووٹ پاکستان کے عوام نے دیئے اور خوشی کا وقت آیا تو بھارتی وزیراعظم یاد آ گیا۔ اب مودی صاحب کو بھی ووٹ بھارتی عوام نے دیئے ہیں مگر وہ حلف لیتے وقت سارا ٹوہر پاکستان پر جمانا چاہتے ہیں، ہمارے وزیراعظم کو یوں مدعو کیا ہے جیسے ہم بھارت کا طفیلی ملک ہوں۔ بھارتی لالہ بڑا نخچرا ہے، ساتھ ہی سارک کے دیگر لیڈروں کو بھی بلا لیا ہے تا کہ ہمارے وزیراعظم نہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہیں، مگر وہ انہیں تنہا بھی بلاتے تو حضرت سرپٹ دوڑتے ہوئے جاتے، اب کئی دوسروں کے ساتھ بلایا ہے تو کیونکر رکیں گے۔ یہ اخبار آپ کے ہاتھ میں آنے سے پہلے ہی وہ پھر سے اڑ چکے ہوں گے۔

وزیراعظم اس سے پہلے دو مرتبہ اقتدار میں آئے، بھارت کے لیئے ان کے دل میں نیک تمناؤں کا بجیرہ ہند موجزن ہے مگر انہیں بھارت کے سرکاری دورے کی حسرت ہی رہی۔ یہ حسرت اب پوری ہوگئی، دہلی والے کہہ رہیں کہ بہت دیر کی، مہرباں آتے آتے۔

پاکستان میں راجیو آیا، واجپائی آیا، اس سے پہلے پتا نہیں کوئی آیا یا نہیں آیا، مگر کئی بار بھارتی لشکر ضرور پاکستان میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ پینسٹھ میں بھارتی جرنیل نے اعلان کیا تھا کہ وہ چھ ستمبر کی شام فتح کا جام لاہور کے جم خانہ میں نوش کرے گا۔ مگر ہمارے ایک آبرومند میجر شفقت بلوچ نے کہا کہ میں نے اس بڈھے کو تین دن تک ہڈیارہ کے گندے نالے کا گھونٹ تک نہیں پینے دیا۔ بریگیڈئر قیوم شیر نے اس جرنیل پر ایسا ہلہ بولا کہ وہ جیپ چھوڑ کو گنے کے کھیتوں میں جا چھپا۔

بھارت پاکستان کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، یہ کوئی راز کی بات نہیں۔ اندرا گاندھی نے لشکر کشی کر کے پاکستان کو دولخت کر دیا، اسوقت بھی جنرل نیازی نے کھلی لڑائی میں مشرقی پاکستان کا ایک انچ بھارتی قبضے میں نہیں جانے دیا تھا مگر سلامتی کونسل میں پولینڈ کی قرارداد پھاڑنے کا ڈرامہ کیا گیا اور بھارت کو آخری حملے کا موقع مل گیا۔ اب سونیا گاندھی کہتی ہے کہ پاکستان کو کلچرل محاذ پر سرنگوں کر دیا، ہمارے ایک ٹی وی نے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب کر کے ثابت کر دیا کہ ہم بے حمیت ہو چکے۔ اور اب ہمارے وزیراعظم کا جہاز بھارت کا رخ کر رہا ہے۔ مودی نے الیکشن میں کامیابی کے بعد شکرانے کے طور پر گنگا اشنان کیا، اس پوتر وزیر اعظم سے گلے ملنا اور ہاتھ ملانا کتنا بڑا اعزاز ہے۔

بھارت میں ہمارے وزیراعظم کے استقبال کے جوش میں لوگ ہوش کا دامن کھو بیٹھے ہیں اور وہ ان کے پتلے جلا رہے ہیں، مجھے اپنے وزیراعظم کی اس بے توقیری پر دکھ پہنچا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ پاکستان کے لیئے مودی کے دل میں کوئی عزت ہو گی۔ وہ تو اپنی رعایا میں شامل دو ہزار مسلمانوں کا خون پی چکا ہے، اسے پاکستان سے کیا ہمدردی ہو گی اور اس کے وزیراعظم کے لیئے اس کے دل میں توقیر کے کیا جذبات ہوں گے۔ اسے مسلمانوں کے ایک وفد نے کپڑے کی ٹوپی تحفے میں دی، ان کی خواہش تھی کہ وہ اسے پہنے اور علامتی طور پر مسلمانوں کے لیئے احترام کے جذبات کا اظہار کرے مگر وہ ٹوپی ہاتھ میں پکڑے اسٹیج پر ساکت و صامت کھڑا رہا، اس نے مسلمانوں کا دل رکھنے کے لیئے بھی ٹوپی سر پر نہ رکھی۔ اب ہمارے وزیراعظم کو خوش فہمی ہے کہ یہ شخص وزیراعظم بن کر ایک تبدیل شدہ شخص ہے، یہ واہمہ بھی دور ہو جائے گا جب وزیراعظم کا جہاز خالی لوٹ آئے گا اور اس میں کشمیر کا کوئی کونہ کھدرا بھی لاد کر نہیں بھیجا جائے گا۔

نریندر مودی کی حلف برداری میں سارک کے دیگر لیڈروں کو مدعو کرنے پر خود بھارتی ریاستوں کے

تحفظات ہیں۔تامل ناڈو کی چیف منسٹر جے للیتا نے کہا ہے کہ سری لنکا کے لیڈر کو مدعو کر کے تاملوں کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی ہے۔کانگرس کا کہنا ہے کہ اگر وہ نواز شریف کو مدعو کرتی تو بی جے پی اس کا طبلہ بجا دیتی۔نواز شریف کی دہلی روانگی، کشمیری شہدا کی روحوں کے لیئے بہشتی جھونکوں کا مترادف کیسے ہو سکتی ہے۔

بھارت کو پاکستان سے تازہ ترین پیغام یہ ملا ہے کہ اس کی ایئر فورس کے ایف سولہ طیارے رات کے اندھیرے میں پہاڑوں کی غاروں میں چھپے ہوئے دہشت گردوں پر ٹھیک نشانے لگا سکتے ہیں۔پاکستان کی یہی دفاعی صلاحیت بھارت کے نئے وزیر اعظم مودی کا دماغ سیدھا رکھے گی۔

یقین رکھیئے، اللہ کی لاٹھی بے آواز نہیں ہے۔(27 مئی 2014ء)

مہا بھارت کا جشن تخت نشینی، پاکستان بھارت کا پالتو نہیں

نریندر مودی نے پیر کے روز ہونے والی اپنی تقریب حلف برداری میں سارک ممالک کے سربراہوں کو اس انداز میں مدعو کیا ہے جیسے وہ سب مہا بھارت کے باجگزار ہوں۔ بھارت میں آج تک جتنے بھی وزرائے اعظم آئے، ان کی تقاریب حلف برداری میں کبھی کسی غیر ملکی سربراہ کو مدعو نہیں کیا گیا۔ گزشتہ برس خطے میں پہلی بار نواز شریف نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی حلف برداری کے موقع پر بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ ضرور تشریف لائیں۔ مگر بھارتی وزیر اعظم جانتے تھے کہ وہ پاکستان کے لیئے امریکی صدر بش کے برطانوی پوڈل ٹونی بلیئر کی سی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیئے وہ نہ آئے۔ تو کیا بھارت کے نئے وزیر اعظم نے سمجھ لیا ہے کہ سارک کے سربراہان حکومت ان کے پالتو ہیں جو دم ہلاتے ہوئے اس شہنشاہ کی تخت نشینی کا نظارہ کرنے کے لیئے کشاں کشاں نئی دہلی پہنچ جائیں گے۔ بنگلہ دیش کی وزیر اعظم حسینہ واجد نے مودی سے کہا تھا کہ وہ ان کے ملک کو بھی اپنا گھر ہی سمجھیں لیکن اب تک جس ایک لیڈر نے مودی کی دعوت کو مسترد کیا ہے، وہ یہی حسینہ واجد ہے جس کا عذر یہ ہے کہ وہ ان دنوں جاپان کے دورے پر ہوں گی۔ اور سب سے پہلے جس حکمران نے اس دعوت پر آمنا و صدقنا کہا ہے وہ افغانستان کے صدر حامد کرزئی ہیں جن کی مدت صدارت صرف اس لیئے طول پکڑ گئی ہے کہ نئے صدر کے الیکشن کا عمل ابھی ادھورا ہے۔

سفارتی ماہرین سمجھتے ہیں کہ اصل میں تو یہ دعوت نواز شریف کے لیئے ہے مگر اسے سارک کے مخملیں سات

پردوں میں اس لیئے لپیٹا گیا ہے کہ پاکستان کی رائے عامہ کو دھوکا دیا جاسکے۔ اگر صرف نواز شریف کو مدعو کیا جاتا تو پاکستان کے عوام واہگہ پر فصیل بن کر کھڑے ہو جاتے اور اپنے وزیر اعظم کا راستہ روک لیتے۔

لیکن نواز شریف اب بھی نئی دہلی نہیں جا سکتے بشرطیکہ انہیں یہ احساس ہو جائے کہ انہیں بھارت کے وزیر اعظم کی تقریب میں مدعو نہیں کیا جا رہا بلکہ مہا بھارت کے جشن تخت نشینی میں شرکت کا بلاوا آیا ہے۔ نریندر مودی سمجھتا ہے کہ اس نے حالیہ الیکشن میں ہندوا تا کی بنیاد پر کامیابی حاصل کی ہے اور وہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے رکن کے طور پر اس دیرینہ خواب کی تکمیل کرنا چاہتا ہے کہ خطے میں مہا بھارت کا علم لہرا دیا جائے۔ ہندو بھارت کے اسی خناس کا مقابلہ کرنے کے لیئے سارک کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور اب اسی سارک کو نریندر مودی نے اپنا باجگزار تصور کر لیا ہے۔ اگر اسے عزت افزائی مطلوب تھی تو وہ امریکی صدر اوبامہ کو بلاتا، مگر اس نے اپنے اردگرد کے ان ممالک کے سربراہوں کو طلبی کا حکم نامہ جاری کیا ہے جیسے وہ ان کو مہابھارت کا طفیلی اور پٹھو سمجھتا ہے۔ بھارت کے اپنے سفارتی ماہرین نے بھی سارک حکمرانوں کو مدعو کرنے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ بھارتی وزارت خارجہ کو جب اس اقدام کے لیئے کہا گیا تو وہ بھی سٹپٹا کر رہ گئی کہ ایسا تو بھارتی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ہوا۔ تادم تحریر بھارتی وزارت خارجہ کو اس امر کا یقین نہیں ہے کہ پاکستانی وزیر اعظم اس تقریب میں شریک ہو سکیں گے۔ پورے بھارتی پریس نے مودی کو یہ بھی یاد دلایا ہے کہ جب کنٹرول لائن پر جھڑپیں ہو رہی تھیں تو اس نے من موہن سنگھ حکومت کو ان الفاظ میں للکارا تھا کہ ہمارے فوجیوں کے سر کٹ رہے ہیں اور ہمارے وزیر اعظم کے سر میں پاکستانی چکن بریانی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

نریندر مودی ایک انتہا پسند ہندو ہے، وہ راشٹریہ سیوک سنگھ کا رکن رکین ہے۔ ہندو کی ذہنیت نے مسلمان کے وجود کو آج تک تسلیم نہیں کیا۔ وہ انہیں ملیچھ اور اچھوت سے بھی بدتر درجہ دیتا ہے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لیئے بار بار فسادات کا راستہ اختیار کیا۔ مسلمانوں نے اپنے فلسفہ حیات کی حفاظت کے لیئے الگ ملک پاکستان بنا لیا تو روز اول سے اس کا جینا دوبھر کر دیا گیا، جونا گڑھ اور حیدر آباد پر بزور طاقت قبضہ جما لیا گیا اور کشمیر کو ہڑپ کرنے کے لیئے بھی فوج کشی کی گئی۔ پینسٹھ میں بھی پاکستان کو ننگی جارحیت کا نشانہ بنایا گیا اور اکہتر میں بھارتی فوج نے جارحیت سے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ باقی ماندہ پاکستان کے بارے میں سونیا گاندھی کا خیال ہے کہ اسے ثقافتی محاذ پر سرنڈر پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ نئے وزیر اعظم نریندر

مودی نے علاقائی لیڈروں کو جو دعوت نامہ بھیجا ہے اس میں بھارت کے ساتھ وسیع تر معاشی اور تجارتی تعلقات استوار کرنے کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف اور ان کے بھائی شہباز شریف پہلے ہی بھارت پر فریفتہ ہیں اور واہگہ بارڈر کو کھول کر تجارتی ٹرکوں کی دن رات قطاریں دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ وہ تو مودی کی تجارتی تعلقات کی دعوت کو تہ دل سے قبول کریں گے۔ پاکستان کے تاجروں کا بھی کوئی دین ایمان نہیں، وہ تو مال کمانے سے غرض رکھتے ہیں، پاکستانی مال بیچ کر کمائیں یا بھارتی مال۔

نریندر مودی نے ایک دعوت نامے کے تیر سے کئی شکار کرنے کی کوشش کی ہے، وہ دھوکا دے رہا ہے کہ وزیر اعظم کے طور پر وہ ایک تبدیل شدہ شخص ہے، وہ نرم گفتار ہے، صلح جو ہے، انتہا پسند نہیں، سفاک نہیں ،قصاب نہیں، مسلمانوں کا لہو پینے والا نہیں۔ ہمسایہ ممالک کو تاراج کرنے کی خواہش نہیں رکھتا، سازش نہیں کرتا ان سے دوستی اور قربت کے تعلقات قائم کرے گا۔ یہ وہی پالیسی ہے جو چھ عشروں سے کانگرس کی رہی ہے کہ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام مگر اب مودی نے بھی اسی منافقت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ اس نے تو امن کی بانسری بجانی شروع کر دی ہے۔ مگر اس بانسری کی تان پر کون ناچے گا۔ مودی کے اس سفاک تبصرے کو کون بھول سکتا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا اسے ہزاروں مسلمانوں کا خون کرنے پر کوئی پشیمانی نہیں، تو اسنے جواب میں کہا تھا کہ گاڑی چلاتے ہوئے آپ کتے کو کچل دیں تو کیا اس پر پشیمان ہوتے رہیں گے۔

اسٹیفن کوہن سے میں سن دو ہزار میں بروکنگز انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن میں ملا تھا۔ بظاہر شیریں زبان مگر زہر میں گھلا ہوا لہجہ۔ اس نے کہا ہے کہ نواز شریف کو اس کی فوج اجازت دے گی تو وہ بھارت جا پائے گا، میں کہتا ہوں کہ فوج تو بعد کی بات ہے، پوری پاکستانی قوم اپنے وزیر اعظم سے کہہ رہی ہے کہ وہ ایک ایٹمی طاقت کے وزیر اعظم ہیں، واحد مسلمان ایٹمی طاقت، دنیا میں ساتویں ایٹمی طاقت، وہ بھارت کے نئے وزیر اعظم کے پالتو نہ بنیں، اپنا اور اپنے ملک کا وقار ملحوظ رکھیں اور مودی کی دعوت پر تھوک دیں۔ (24 مئی 2014ء)

امن کی آشا تحریک انصاف ہوش کے ناخن لے

گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے، پاکستان میں کسی میڈیا گروپ یا سیاسی لیڈر کی مت ماری جائے تو وہ امن کی آشا کا علم بلند کر دیتا ہے۔عمران خان کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ سیاسی پرندہ نہیں، ایک کھلاڑی تھا اور صرف کرکٹ کھیلنا جانتا ہے، اسے سیاست کے کھیل کا سرے سے اتا پتا نہیں۔ان دنوں وہ بے حد سرگرم اور فعال ہے اور اس کی تڑپ پھڑک دیکھنے کے لائق ہے۔

ایک طرف عمران خاں نے مخصوص میڈیا گروپ پر چڑھائی کر رکھی ہے جو امن کی آشا کا سرغنہ ہے، دوسری طرف وہ کہتا ہے کہ امن کی آشا کے تو ہم بھی حق میں ہیں۔پچھلے دو ہفتوں میں اس نے یہ بات کئی مرتبہ دہرائی ہے اور اب ان کے ایک اور لیڈر شفقت محمود نے کہا ہے کہ وہ امن کی آشا کے ساتھ ہیں اور اس پر انہیں کوئی افسوس بھی نہیں۔ یہ صاحب اس پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات رہے ہیں اور حسن اتفاق سے الیکشن میں دھاندلی کی شکایات کے باوجود جیت کر پارلیمنٹ میں پہنچ گئے ہیں۔اگر ان کے خلاف بھی کسی نے سٹے لے لیا ہوتا تو یہ حضرت بھول کر بھی امن کی آشا کا نام نہ لیتے،بس کسی نہ کسی چوک میں دھرنا دیئے بیٹھے ہوتے۔

امن کی آشا والوں کی دلیل کیا ہے۔یہی نا کہ ہمسایوں سے تعلقات بہتر ہونا چاہیئں۔اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں،مگر کیا ہمارا ہمسایہ بھی امن کی آشا رکھتا ہے اور کیا صرف بھارت ہی ہمارا ہمسایہ ہے، چین ،ایران اور افغانستان نہیں، کیا ان کے ساتھ دوستی کے لیئے کسی نے کوئی سیفما تشکیل دیا۔ان ملکوں سے آگے ایک طرف وسط ایشیا ہے اور دوسری طرف خلیجی ریاستیں اور عرب اسلامی مما لک۔ان کے ساتھ دوستی کے لیئے

کون سی سیفما نے سرگرمی دکھائی۔ یا کونسا ٹی وی چینل اس ایجنڈے کے ساتھ میدان میں کودا۔کوئی ایک بھی نہیں۔اس کی وجہ کیا ہے، ایک تو یہ کہ ان ممالک کی خفیہ ایجنسیاں بھارتی را کی طرح خزانوں کے منہ نہیں کھولتیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ باقی تمام ہمسائے پاکستان کو ایک طفیلی اور باجگزار ریاست بنانے کے شوق میں مبتلا نہیں ہیں۔ بھارت صرف فنڈ ہی نچھاور نہیں کرتا، شراب اور حسن کے جام بھی چھلکاتا ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ تحریک انصاف کے ساتھ ساتھ ن لیگ اور پی پی بھی امن کی آشا کے نشے میں مست ہے۔ہمارے وزیراعظم تو ننانوے سے بھارت پر مرے جا رہے ہیں، انہوں نے بی جے پی کے وزیراعظم واجپائی کو واہگہ کے راستے لاہور بلایا اور امن کا راگ الاپا۔اگر درمیان میں کارگل نہ ہوتا تو یہ بیل منڈھے چڑھ چکی ہوتی اور امرتسر، گورداسپور، ہوشیار پور، نکودر اور جاتی عمرا کے مہاجر واپس اپنے گھروں میں جا آباد ہوتے اور ہندو برہمن کے ملیچھ بن چکے ہوتے۔

اب وزیراعظم کو ایک موقع اور ملا ہے۔وہ انتخابی مہم چلا رہے تھے کہ ان کے سر پر بھارت کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا۔انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی حلف برداری کی تقریب میں بھارتی وزیراعظم کو شریک ہونا چاہیئے، یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو فرمایا کہ میں خود بھارت جاؤں گا، خواہ کوئی بلائے یا نہ بلائے، یہ خواہش بھی حسرت بن گئی۔پھر تیسری خواہش نے انگڑائی لی کہ پاک بھارت سرحد یورپی طرز پر کھلی ہونی چاہیئے اور واہگہ بارڈر پر دن رات ٹرکوں کی قطاریں نظر آنی چاہییں۔ بھارت کے عوام نے ہمارے وزیراعظم اور امن کی آشا والوں کو اپنے نئے الیکشن میں نریندر مودی کا تحفہ پیش کیا ہے۔کہ یہ لو، اس دیوار گریہ سے ٹکریں مارتے رہو۔

کراچی میں ایک صحافی حامد میر زخمی ہوا اور اس کے رد عمل میں آئی ایس آئی کے سربراہ کو نشانہ بنایا گیا تو قوم میں ایک واضح تقسیم نظر آئی۔ایک طرف مخصوص میڈیا تھا اور حکومت بھی اسی کے ساتھ نظر آئی اور دوسری طرف پوری قوم تھی۔یہی وہ ماحول ہے جس نے عمران خاں کو شہ دی اور وہ لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں کود پڑا، اس نے ہر ایک کو صلواتیں سنائیں اور اس میڈیا کو بھی جو اس کے خیال میں الیکشن دھاندلی میں ملوث تھا یا بیرونی ملکوں سے پیسے لے کر ان کے ایجنڈے کی تکمیل کر رہا تھا، عمران خان کی بات کو عوام نے پذیرائی نہیں بخشی، اس لیئے کہ اس کی بات میں کھوٹ ملا ہوا تھا۔وہ جس میڈیا کے خلاف بات کر رہا تھا، اس کے مبینہ بیرونی ایجنڈے کی خود بھی حمایت کر رہا تھا، اب عمران کے ساتھ کون کھڑا ہوگا، وہی جو مخصوص میڈیا کے

ایجنڈے کی حمایت کرے۔مگر جو لوگ بھارت سے امن کی آشا کو غداری تصور کرتے ہیں اور جس کا اظہار برملا طور پر جلسے جلوسوں اور سوشل میڈیا پر کیا جا چکا ہے، وہ عمران کے دوغلے پن کا ساتھ کیوں دیں گے۔ عمران خاں کا سارا کیا کرایا کھوہ کھاتے چلا گیا۔وہ ہر مہینے واویلا مچانا چاہتے ہیں،ضرور مچائیں، یہ ان کا سیاسی اور جمہوری حق ہے مگر پاکستانی قوم امن کے آشا والے ایجنڈے کی وجہ سے ان سے بہر حال کترائے گی اور عمران خاں یوسف بے کارواں بن کر جائیں گے، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔اگر انہیں عوام کی ہمدردی جیتنی ہے تو وہ عوام کے ایجنڈے کو قبول کریں اور بیرونی ایجنڈے کا ساتھ چھوڑیں،امن کی آشا کا کھرا امریکہ جا نکلتا ہے۔ٹریک ون اور ٹریک ٹو کی چالبازیوں کو ہر کوئی اچھی طرح سمجھتا ہے اور بھارتی شردھالو جو بھی نقاب اوڑھ لیں،عوام ان کے فریب میں آنے والے نہیں۔

میں عمران کو پتے کی ایک بات بتاتا ہوں۔اور وہ یہ ہے کہ اب وہ وقت زیادہ دور نہیں کہ امن کی آشا کے لیئے بھارت میں تڑپ پیدا ہوگی۔ بھارت کو پاکستان کی ضرورت محسوس ہو جائے گی۔ پاکستان اس خطے میں عالمی طاقتوں کی ضرورت بن چکا، امریکہ اس وقت پاکستان پر فریفتہ ہو رہا ہے۔اسے افغانستان سے انخلا کے بعد یوکرائن کے چیلنج کا سامنا ہے۔یہ چیلنج چین کے لیئے بھی ہے اور نیٹو طاقتوں کے لیئے بھی۔عالم عرب میں شام کا بحران ابھی ٹلا نہیں اور سعودی عرب اور بحرین بھاگے بھاگے پاکستان آرہے ہیں۔پاکستان کے پاس کوئی تو گیدڑ سنگھی ہے اور یہ ہے پاک فوج اور اس کی آئی ایس آئی۔سعودی عرب میں جدید ترین اسلحے کا ڈھیر ہے مگر اسے چلانے والا کوئی نہیں، وسط ایشیا میں روس کے سامنے صرف پاکستان ہی تزویراتی توازن کی ضمانت بن سکتا ہے۔ بھارت اس کھیل میں کہیں دور دراز بھی دکھائی نہیں دیتا

آنے والا وقت پاکستان کے فائدے میں ہے اور اس کے لیئے ایک مضبوط فوج کی ضرورت ہے، پاک فوج کی اسی طاقت کو پنکچر کرنے کے لیئے امن کی آشا کا ایجنڈا تشکیل دیا گیا ہے۔یہ فیصلہ عمران کو کرنا ہے کہ وہ کس کشتی میں سوار ہونا چاہتے ہیں، دو کشتیوں میں سواری انہیں غرق تو کر سکتی ہے، کنارے نہیں لگا سکتی۔کاش! ان کی جماعت ہوش کے ناخن لے۔مانا کہ تحریک انصاف میں ایک طبقہ بہت لبرل ہے، ممی ڈیڈی، پپو، برگر کلاس! مگر نوجوان تعلیم یافتہ نسل پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور وہی عمران کو لگام دے سکتے ہیں۔(16 مئی 2014ء)

کیا میں غدار ہوں

اللہ کی شان ہے، تین ماہ تک ہر ٹی وی چینل پر ایک ہی گردان ہو رہی تھی کہ مشرف نے غداری کا ارتکاب کیا ہے، اب ہر کوئی چوکڑی بھول گیا ہے اور عوامی ریلیوں اور ریلوں میں ایک ہی ادارے اور ایک ہی صحافی پر غداری کا الزام لگ رہا ہے۔

مشرف کے حامی روتے رہ گئے کہ غدار تو نہ کہو، قانون شکن کہہ لو، مگر کوئی ماننے کے لیئے تیار نہیں ہوا۔آرٹیکل چھ تو بہر حال غداری کے جرم پر لاگو ہوتا ہے اور مشرف پر اسی آرٹیکل کے تحت مقدمہ چل رہا ہے۔خدا جھوٹ نہ بلوائے، پانچواں مہینہ چڑھ چکا، مگر سرکاری پراسیکیوٹر کہتے تھے کہ بس چند دنوں کی مار ہے، مشرف اس اثناء میں اسلام آباد سے کراچی پہنچ گیا، عدالتیں اور حکومت اسی ایک نکتے میں کھبی ہوئی ہیں کہ اسے ای سی ایل سے نکالا جائے یا نہ نکالا جائے۔میڈیا نے اس دوران میں ہزاروں نہیں تو سینکڑوں ٹاک شوز چلائے، یہ جاننے کے لیئے کہ مشرف غدار ہے یا آئین شکن۔زیادہ تر رائے یہی تھی کہ آئین شکن کو بھی آئین نے غدار ہی کہا ہے، یہ سوال اٹھتا تھا کہ مقدمہ بارہ اکتوبر کی آئین شکنی پر کیوں نہیں۔جواب ملتا کہ اس سے پینڈورا باکس کھل جائے گا، چیف جسٹس اور باقی پی سی او زدہ عدلیہ بھی غداری میں دھر لی جائے گی، پارلیمنٹ بھی شریک جرم ہوگی اور وہ تمام طبقات جنہوں نے مشرف کا ساتھ دیا۔ویسے نومبر کی ایمرجنسی بھی کم پینڈورا باکس نہیں ہے، چودھری شجاعت کہتے ہیں کہ وہ اس فیصلے کے ساتھ تھے، ایک وکیل رانا اعجاز احمد خاں نے کہا کہ وہ اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں، انہیں غداری کی سزا دی جائے، پھر فوج کے جرنیل بھی اس مقدمے کی

لپیٹ میں آجاتے کیونکہ یہ فیصلہ مشرف نے آرمی چیف کے طور پر کیا تھا اور یہ تاثر دیا تھا کہ کور کمانڈرز نے اس کے فیصلے کی توثیق کی ہے۔جس دن ایمرجنسی نافذ ہوئی، اس روز کے وزیر قانون آج نواز شریف کے ساتھ اقتدار میں ہیں، مگر حکومت نے صرف ایک ملزم نامزد کیا ہے، شاید ارادہ یہ ہوگا کہ یہ ملزم گرفت میں آئے گا تو باقی شریک مجرموں کے نام لیتا جائے گا، اور حکومت ان کو پکڑتی جائے گی۔ یہ سب کچھ سوچنا بہت آسان ہے، اس پر عمل کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن، ابھی تو ایک شخص پکڑائی نہیں دے رہا۔وہ عدالت میں جانے سے کتراتا رہا اور جس روز وہ عدالت میں حاضر ہونے کے لیئے گھر سے نکلا تو اس کا قافلہ اچانک پنڈی کے فوجی ہسپتال کی طرف موڑ دیا گیا۔ یہاں سے فوج کی مرمت شروع ہوگئی، ٹی وی چینلز پر کہا جانے لگا کہ بڑا کمانڈو بنتا تھا، ہسپتال میں چھپا بیٹھا ہے، فوجی ہسپتال کو بھی ٹھیک نشانوں پر رکھا گیا، یہ طعنہ بار بار سننے میں آیا کہ فوج کے اعلیٰ ترین ہسپتال کے سینیئر ترین ڈاکٹروں نے جو میڈیکل سرٹی فیکیٹ جاری کیئے ہیں، ان پر اعتبار کیسے اور کیونکر کیا جائے۔ مریض کی اینجیو گرافی تک نہ کی گئی، ایک سوال اور، کہ مشرف اپنی اینجیو گرافی کے لیئے ملک سے باہر جانا چاہتا ہے تو کیا دل کے ہر مریض کو باہر جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ سوال بھی، کہ فوج کے سب سے بڑے ہسپتال میں اینجیو گرافی نہیں ہوسکتی تو پھر اس کا معیار کیا ہے۔ پولیس کو حکم دیا جاتا رہا کہ وہ مشرف کو ہتھکڑی لگا کر عدالت میں پیش کرے۔اور شاید یہ موقع بھی آجاتا مگر مشرف پیش ہوگیا، اس پر فرد جرم عائد کردی گئی۔اس ڈرامائی صورت حال سے ظاہر یہ ہوتا تھا کہ مشرف کے ٹرائل کے بجائے پوری فوج کا ٹرائل کیا جارہا ہے۔

پانی سر سے گزرنے لگا تو نئے آرمی چیف نے ایک تقریر میں کہا کہ وہ فوج کے وقار کی حفاظت کریں گے۔ اس سے ایک نئی بحث چھڑ گئی۔حکومتی وزرا نے کہا کہ پارلیمنٹ کا وقار سب سے مقدم ہے، خواجہ سعد رفیق اور خواجہ آصف میدان میں کودے اور فوج کو رگیدنے لگے، خواجہ آصف کی ایک پرانی تقریر چلائی گئی اور فوج کو دھکیل کر دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا۔

اسی ہنگام میں کراچی میں جیو نیوز کے اینکر حامد میر پر گولیاں چلیں، اس چینل نے کبھی نہ ختم ہونے والی نشریات کا آغاز کردیا، ٹی وی کیمروں کے سامنے بیٹھے اسی چینل کے ملازمین نے اودھم مچادیا، زخمی اینکر کے بھائی عامر میر کا یہ الزام بار بار دہرایا گیا اور مسلسل آٹھ گھنٹے تک دہرایا گیا کہ مبینہ قاتل آئی ایس آئی کا سربراہ ہے، اس کی تصویر بھی ساتھ ساتھ دکھائی گئی۔

حملہ ایک شخص پر ہوا تھا، لیکن اس حملے کو پہلے تو ایک میڈیا ہاؤس نے اپنے اوپر اور پھر پورے میڈیا پر حملہ قرار دیا۔ زخمی اینکر کی خبر دینے والا کوئی نہ تھا، اگر یہ بہت بڑی واردات تھی تو اس کی کوریج بھی لمحہ بہ لمحہ ہونی چاہیئے تھی، ڈرائیور اور گارڈ کو کیمروں کے سامنے لایا جاتا، ان سے آنکھوں دیکھا حال پوچھا جاتا، مگر قاتلانہ حملے کی کوئی ایک تفصیل تک سامنے نہ آئی۔ ہسپتال کی کوئی رپورٹ نہ دکھائی گئی، چھ گولیاں لگنا مذاق نہیں ہوتا۔ مگر اصل واقعہ کو چھپا لیا گیا، جس سے شکوک پیدا ہوئے۔ میڈیا ہاؤس واقعہ پر کیمرے اور توجہ مرکوز کرنے کے بجائے فوج اور آئی ایس آئی پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا، اس زہریلی کہانی کو بھارت نے اچھالنا ہی تھا، امریکی اور یورپی پریس نے بھی اچھالا اور پچھلی نصف صدی میں آئی ایس آئی کی مٹی اس قدر پلید کسی نے نہیں کی ہو گی جتنی ایک رات میں ہو گئی، اس سے ملک کے باقی میڈیا کی آنکھیں کھلیں اور اس نے آرمی بیشنگ کی مہم میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ بلکہ ایک قدم آگے، ملکی میڈیا نے فوج کے وقار کی بحالی کے لیئے سرگرمی دکھائی۔ اب ملک میں مشرف کی غداری کے جرم کے بجائے ایک میڈیا ہاؤس اور اس کے اینکر کی غداری پر بحث ہونے لگی۔

زخمی اینکر حامد میر نے اپنے تازہ کالم میں سوال پوچھا ہے کہ کیا میں غدار ہوں۔

اس سوال پر مجھے صدر بش کا یہ سوال یاد آ رہا ہے کہ لوگ امریکہ سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔

دونوں سوال بڑے بھولے بھالے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب کبھی نہ کبھی مل ہی جائے گا، سر دست میں حیران ہوں کہ غداری کی بحث کہاں سے چلی تھی اور کہاں پہنچ گئی۔ ایک غدار کو لوگ بھول ہی گئے ہیں اور غداری کے ایک نئے کیس کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ چور کے پاؤں نہیں ہوتے مگر پھر بھی چور پکڑا جاتا ہے، کچھ نشان تو چھوڑ ہی جاتا ہے۔ لوگوں کو بھارت دوستی کی مہم یاد آ رہی ہے، یقین مانیئے بھارت دوستی کی راہ میں پاک فوج اور آئی ایس آئی حائل ہے، اور سب سے بڑھ کر ڈاکٹر مجید نظامی۔ اور میں بھی سینہ کھولے پیچھے کھڑا ہوں۔ فوج کے پاس ایک طاقت ہے، ایک ویٹو پاور ہے اور مکمل حکمت عملی بھی۔ مگر اسے اپنی حکمت عملی کو رو بہ عمل لانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ (7 مئی 2014ء)

ننانوے کا پھیر

پاکستانی قوم کو شاید کوئی سزا ملی ہے کہ اسے ننانوے کے چکر میں ڈال دیا گیا ہے۔

وزیر اعظم نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ ننانوے والا دور واپس لائیں گے اور بھارت سے تعلقات میں ماضی والی گرم جوشی پیدا کریں گے۔

سزا تو سو جوتوں کی ملی تھی لیکن ننانوے پر گنتی بھول جاتی ہے اور چھترول نئے سرے سے شروع، ایک دو تین اور ننانوے پر پھر ایک دو تین۔ نہ گنتی آگے بڑھتی ہے، نہ سزا پوری ہوتی ہے۔

کسی کو یاد ہے کہ ننانوے میں کیا ہوا تھا۔ لوگ بھول جائیں تو بھول جائیں، وزیر اعظم نہیں بھول پاتے۔ انہوں نے بڑی چاہت سے بھارتی وزیر اعظم واجپائی کو لاہور آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر واہگہ کے گیٹ پر کھنڈت پڑ گئی، مسلح افواج کے تینوں سربراہوں نے واجپائی کا استقبال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ رات کو لاہور کے گورنر ہاؤس میں بہت بڑا ڈنر سجایا گیا تھا مگر قاضی حسین احمد کے نوجوانوں نے معزز مہمانوں اور غیر ملکی سفیروں کی گاڑیوں پر پتھراؤ کیا۔ ان میں مسلمان عرب ملکوں کے سفیر بھی پٹ گئے۔

یہ تھا ننانوے کا دور۔ اور اسی ننانوے میں وزیر اعظم کا تختہ الٹ دیا گیا تھا۔ انہیں تہ خانوں میں بند کر دیا گیا۔

اور کیا ہوا تھا ننانوے میں۔ یاد آئے تو بتاتا ہوں۔

بھارت نے ننانوے کو زندہ کرنے کی مشق مکمل کر لی ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی قونصلر کا ایسا گھیراؤ کیا گیا ہے کہ عملے نے جان بچانے کے لیئے بھارتی حکومت سے سکیوریٹی طلب کر لی۔ ایک بھارتی یونیورسٹی کے

ہوسٹل میں رات گئے ہندو غنڈوں نے چھاپہ مارا اور کشمیری طلبہ سے مطالبہ کیا وہ پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائیں، انکار پر کشمیری نوجوانوں کی درگت بنادی گئی۔ کچھ عرصہ پہلے جب کرکٹ میچ ہورہے تھے تو بھارت ہی کی ایک یونیورسٹی میں کشمیری طلبہ نے پاکستان کرکٹ ٹیم کے جیتنے کی خوشی منائی تو ہندو غنڈے ان پر پل پڑے۔ بعد میں ان زخمی طلبہ کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔

یہ سب ننانوے کی واپسی کی علامات ہیں۔

ہاں یاد آیا، ننانوے میں کارگل بھی ہوا تھا، جس نے واجپائی کے دورہ لاہور کی ساری کمائی خاک میں ملا دی۔ اور یہی وہ سال ہے جب غیر ملکی اخبارات میں روگ آرمی کے اشتہارات شائع ہوئے، یہ بھارت کے جذبہ خیر سگالی کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

ننانوے کا نیا دور واپس آیا ہے تو پاک فوج کی عزت افزائی کے لیئے بھارت کو تردد کی کوئی ضرورت نہیں رہی، یہ نیک کام ملکی میڈیا خود انجام دے رہا ہے۔ اب فوج کو روگ آرمی نہیں لکھا جاتا، فرشتے یا غیبی قوت کا نام دیا جاتا ہے، ہر کسی کی زبان پر ہے کہ کیا عمران خان کو گیارہ مئی کے لیئے فرشتوں کی حمایت حاصل ہوگئی ہے، یا اسے تائید غیبی میسر ہے۔ ایک ٹی وی نے تو فوج کے ایک ادارے کے سربراہ کو قاتل کے روپ میں پیش کیا، مگر وہ جو کہتے ہیں کہ الٹی ہوگئیں سب تدبیریں، کبھی کبھی بازی الٹ بھی جاتی ہے اور یہی حال اس میڈیا گروپ کا ہوا۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار۔ ہم نے اپنی حلف برداری میں منموہن سنگھ کو بلانے کی کوشش کی، وہ نہ آیا، ہم نے بھارت کو موسٹ فیورٹ نیشن کا درجہ دینے کا نوٹیفیکیشن نکالنے کا ارادہ کیا، مگر ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ ہماری نیت تھی کہ واہگہ بارڈر چوبیس گھنٹے کھلا رہے، ٹرکوں کی جتنی قطار دن کو دکھائی دیتی ہے، اس سے لمبی قطار رات کو نظر آئے۔ ہم نے خواب دیکھا تھا کہ یورپی ملکوں کی طرح برصغیر میں سرحدیں مٹادی جائیں، یہ خواب چکنا چور ہو کر رہ گیا۔ کس نے کیا، بھارتی انتخابات نے جس میں ایک خونی بھیڑیا وزیر اعظم بننے جا رہا ہے۔ مودی نے اپنی وزارت اعلیٰ میں کمالات کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کا جی بھر کے قتل عام کیا، اب وہ اقتدار میں آکر پاکستان سے اگلے پچھلے حساب چکانا چاہتا ہے، اسے ہمارے آرمی چیف کا یہ بیان بھی پسند نہیں آیا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔

چلیئے یہ کام نہیں ہوسکے تو ننانوے والا یہ کام تو ہوسکتا ہے کہ فوج سے متھا لگا لیا جائے۔ طالبان کے ساتھ

مذاکرات میں اس کی رائے کو نظر انداز کر دیا گیا، ایک ٹی وی چینل نے آئی ایس آئی پر وار کیا تو ہم اس چینل کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔ فوج کے ساتھ تصادم میں ہمارے دو وزرا بری طرح پٹ گئے، ان خواجگان کو تو سانپ سونگھ گیا مگر وزیر اطلاعات اب تک ڈٹے ہوئے ہیں، وہ کھری کھری سنا رہے ہیں اور فوج کے حق میں ریلیاں نکالنے والوں کو طعنہ دے رہے ہیں کہ وہ پکی نوکری کی تلاش میں ہیں۔ کیا کوئی حکومت اپنی ہی ماتحت فوج کے ساتھ سوکنوں والا لہجہ اپناتی ہے۔ کیا کوئی وزیر دفاع اپنی ہی فوج کے خلاف پرچہ کٹواتا ہے، دنیا میں ایسا نہیں ہوتا ہوگا مگر پاکستان میں تو ہم کرتے ہیں، اسلیئے کہ کرنے کو اور کوئی کام نہیں۔ ہم نے بجلی کی لوڈ شیڈنگ یہ کہہ کر دور کر دی کہ صبر سے کام لو۔ یہ بھی ڈراوا دیا کہ بجلی مانگنے والے سب چور ہیں، ان کے کنکشن کاٹ دیں گے۔ ہمارے پاس بجلی ہے نہیں، لوڈشیڈنگ بھی ہوگی اور کنکشن بھی کٹیں گے، ایک سال پہلے پانچ سو ارب کا گشتی قرضہ اتارا، اب ہماری محنت سے یہ قرضہ پھر تین سو ارب تک جا پہنچا ہے، ہم فارغ تو نہیں بیٹھے، کچھ نہ کچھ کر کے دکھا رہے ہیں۔ ننانوے میں تو نہیں، اٹھانوے میں ڈالر کے ساتھ کیا ہوا تھا، یاد آیا ہم نے ایٹمی دھماکے کیئے تو اس خوشی میں ہم نے فارن کرنسی اکاؤنٹ فریز کر دیئے تھے۔ پھر ہم نے قرض اتارو ملک سنوارو مہم میں ڈالر اکٹھے کیئے اور یہ قومی خزانے میں نہ آسکے

ننانوے کی باتیں اور بھی ہیں۔ ہمیں ایک کام تو مکمل کر کے ہی رہنا ہے۔ امن کی آشا ضرور پوری کریں گے، اس کام میں ہمیں کئی سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل ہے، عمران خان کو ٹی وی چینل سے صرف الیکشن پر اختلاف ہے، امن کی آشا کو اس نے بھی اپنانے کا اعلان کیا ہے، پیپلز پارٹی تو پہلے ہی اس کام کے لیئے تیار ہے، اس کی راہ میں تو صرف ہم ہی رکاوٹ تھے اور وہ بھی اس لیئے کہ یہ نیکی ہم خود کمانا چاہتے ہیں۔ جے یو آئی تو اس مشن کی تکمیل کے لیئے مچل رہی ہے۔ امریکہ سے بڑی عالمی طاقت کون سی ہے، وہ تو ٹریک ون، ٹریک ٹو کے ذریعے گراؤنڈ ورک مکمل کر چکی ہے، ہماری تاجر برادری کو بھی فائدہ ہی فائدہ نظر آ رہا ہے، انہیں تو مال بیچنا ہے، سیالکوٹ اور ڈسکہ کا بیچیں یا جالندھر اور امرتسر کا۔ آلو اور پیاز کا ذائقہ بھی دونوں طرف ایک سا ہے۔ پاکستانی عوام فوج کے حق میں ریلیاں نکالتے رہیں، ہمارے ٹرک واہگہ کے آر پار جا رہے ہیں۔

ننانوے ضرور واپس لائیں گے چاہے بارہ اکتوبر ننانوے سے واسطہ کیوں نہ پڑ جائے۔

(8 مئی 2014ء)

سپاہ سالار کا چارٹر

یوم شہدا پر ملک بھر میں تقاریب کا اہتمام کیا گیا۔راولپنڈی کے مرکزی مقام پر آرمی چیف جنرل کیانی نے شہدا کے ورثا سے خطاب کیا۔ یہ خطاب ایک لحاظ سے سپاہ سالار کا چارٹر ہے جس میں اہم ترین مسائل پر فوج کی پالیسی اور اس کے موقف کا اظہار بلا کم و کاست کر دیا گیا ہے۔اخبارات نے اس کے تین حصوں کو شہ سرخی بنایا ہے، کچھ نے ان کی اس یقین دہانی کو نمایاں کیا ہے کہ الیکشن وقت پر اور ہر حال میں ہوں گے،اس بارے کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے اور بعض اخبارات نے ان کے اس نکتے کو نمایاں کیا ہے کہ جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی جزا وسزا سے نہیں،عوامی شعور سے ختم ہو گی، کچھ اخبارات نے ان کے اس اعلان کو اہمیت دی ہے کہ دہشت گردی کی جنگ پاکستان کی جنگ ہے۔گویا یہ واضح ہو گیا کہ جنرل کیانی کی تقریر کے تین نکات ہیں۔انہوں نے تینوں نکات پر واضح اور دو ٹوک موقف کا اظہار کیا ہے۔اس وقت ملک کو الیکشن کا مرحلہ درپیش ہے اور لوگ اس شش و پنج میں ہیں کہ کیا الیکشن ہو گا بھی یا نہیں۔شک کی یہ فضا دہشت گردی کے پے در پے واقعات کی پیداوار ہے۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ تین صوبوں میں الیکشن مہم چلانا ممکن نہیں رہا۔بعض جماعتوں کو دہشت گردوں نے کھلم کھلا دھمکیاں دی ہیں کہ وہ انہیں الیکشن میں حصہ لینے کے قابل نہیں چھوڑیں گے، بلوچستان میں اساتذہ نے الیکشن ڈیوٹی دینے سے انکار کر دیا ہے۔عام طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ الیکشن صرف پنجاب میں ہو رہے ہیں، مگر لگتا یہی ہے کہ الیکشن جیسے تیسے بھی ہوں، ان کا انعقاد ضروری سمجھا جا رہا ہے حتیٰ کہ جن پارٹیوں کو دہشت گردی کا سامنا ہے، ان کا بھی کہنا ہے کہ وہ الیکشن سے دست بردار

نہیں ہوں گی۔ عدلیہ بھی کہہ رہی ہے کہ ہر حالت میں الیکشن ہوں گے۔ آئین کی رو سے الیکشن کا انعقاد نہ عدلیہ کی ذمے داری ہے نہ فوج کی، یہ کام صرف الیکشن کمیشن نے کرنا ہے یا نگران حکومت کا سیٹ اپ اس مقصد کے لیئے بنایا گیا ہے۔ باقی ادارے تو سول حکومت کی ہدایت پر ہی کوئی کردار ادا کرسکیں گے۔ عدلیہ تو پھر بھی سوموٹو اختیارات کے تحت کوئی حکم دے سکتی ہے مگر فوج کو جب تک طلب نہ کیا جائے، یہ اپنے طور پر کوئی مداخلت کر ہی نہیں سکتی۔ نگران وفاقی کابینہ نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں یہ طے کر دیا تھا کہ الیکشن میں امن وامان کی ڈیوٹی کے لیئے فوج کو مامور نہیں کیا جائے گا۔ مگر کور کمانڈرز کا جو اجلاس چند روز پہلے ہوا ہے، اس میں الیکشن کمیشن کی درخواستوں کی منظوری دی گئی ہے۔ آئین کے تحت صرف حکومت وقت ہی فوج کو اپنی مدد کے لیئے بلاسکتی ہے، مجھے پتا نہیں کہ آیا الیکشن کمیشن کو بھی فوج کی طلبی کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ میری اس بحث کا نتیجہ تو یہ نکلا کہ فوج کے سربراہ نے ایسے ہی کہہ دیا کہ کوئی شک میں نہ رہے، الیکشن وقت پر ہوں گے، نہیں، میرا یہ مطلب بھی نہیں۔ میں اس کا جواز اور اسکی اہمیت یہ سمجھتا ہوں کہ فوج نے اعلان کیا ہے کہ وہ الیکشن میں کوئی رکاوٹ نہیں بنے گی اور پرامن انتقال اقتدار کے عمل کی مکمل حمایت کرے گی۔ بالکل اس طرح جیسے آرمی چیف نے اسی تقریر میں کہا ہے کہ ہر پاکستانی کی طرح ہم نے بھی پانچ سال جمہوری نظام کو مضبوط کرنے کی اپنی سی کوشش کی، اس امید کے ساتھ کہ آئندہ انتخابات ہمیں بہتری کی جانب لے جائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاک فوج کی معاونت جمہوری نظام کی مضبوطی اور اسے دیرپا بنیادوں پر استوار کرنے کے لیئے ہوگی۔ جنرل کیانی نے ووٹروں پر زور دیا ہے کہ وہ لسانی، سماجی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے بلند ہو کر صرف اہلیت، ایمانداری، اور نیک نیتی کی بنیادوں پر ووٹ کا استعمال کریں تو پھر آمریت کا بلاوجہ خوف لاحق ہوگا اور نہ جمہوری نظام کی خامیوں کا شکوہ۔ انہوں نے خبردار کیا ہے کہ ان کی آواز پر کان نہ دھرے گئے تو آمریت ہو یا جمہوریت، حکمرانی صرف شخصی مفادات کے تحفظ اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ بنتی رہے گی۔ جنرل کیانی نے یہ کہنا بھی ضروری سمجھا ہے کہ انتخابات کا انعقاد بذات خود مسائل کا حتمی حل نہیں، بلکہ مسائل کے حل کی طرف ایک قدم ہے، مسائل کے دیرپا حل کے لیئے قومی سوچ اور امنگوں کا ادراک بھی ضروری ہے۔ مجھے یہاں اپنا اختلافی نوٹ ضرور دینا ہے، موجودہ حالات میں جو الیکشن ہونے جا رہے ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ ان کے نتائج کو اسی طرح مسترد کیا جاسکتا ہے

جیسے 1970 کے انتخابات میں ہوا اور دما دم مست قلندر ہو گیا، میں نہیں جانتا کہ ان نتائج پر بدنیتی سے عمل نہیں کیا گیا، یا ان پر عمل کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ نا قابل عمل نتائج تھے اور گیارہ مئی کے بعد خدانخواستہ مجھے وہی حالات جنم لیتے نظر آتے ہیں۔ گیارہ مئی کو صرف پنجاب کے نتائج کے پیش نظر پورے ملک میں نیا سیٹ اپ بنانا، ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گا۔ ممکن ہے میرے اندیشہ ہائے دور دراز محض ایک واہمہ ہوں، اس بارے میں فوج کے سربراہ بہتر تجزیہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں کیونکہ ان کے پاس معلومات کے ذرائع بہت زیادہ ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ آنے والی صورت حال پر بھی اپنا تبصرہ سامنے لائیں گے۔ ویسے ان کی تقریر کے بین السطور میں خطرے کی تمام گھنٹیاں بجتی سنائی دیتی ہیں، کوئی اپنے کان بند رکھنا چاہے تو اور بات ہے۔ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جمہوریت اور آمریت کی آنکھ مچولی کا اعصاب شکن کھیل صرف سزا اور جزا کے نظام ہی سے نہیں بلکہ عوام کی آگہی اور بھرپور شمولیت ہی سے ختم ہو سکتا ہے۔ اس فقرے میں عوام کی بھرپور شمولیت کا اور کوئی مطلب نہیں کہ پورے ملک میں امیدوار اور ووٹر کے لیئے یکساں مواقع ہونا ضروری ہیں۔ اب آیئے جمہوریت اور آمریت کے کھیل کی طرف۔ میں ان کی بات کا مطلب یہ لیتا ہوں کی جنرل مشرف کو کڑی سے کڑی سزا دے دی جائے تو آمریت اور جمہوریت کی آنکھ مچولی کے کھیل کو روکا نہیں جا سکتا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے مشرف کے خلاف انصاف کے عمل میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشرف کے خلاف جس انداز میں کارروائی ہو رہی ہے، اس پر فوج کی تشویش بلاوجہ بھی نہیں۔ مارشل لا کوئی اکیلا شخص نہیں لگا سکتا، آج مشرف کے خلاف کیسز ہیں تو کل کو کسی دوسرے جرنیل کو بھی عدالتوں میں گھسیٹا جا سکتا ہے کہ ایمرجنسی پلس میں وہ مشرف کیساتھ تھے۔ یہاں لوگ یہ سوال بھی اٹھا رہے ہیں کہ صرف ایمرجنسی پلس کا مقدمہ ہی کیوں؟ بارہ اکتوبر کے مارشل لا کے نفاذ کا مقدمہ کیوں نہیں۔ اس کے کئی معانی بھی تلاش کیئے جا رہے ہیں اور یہی بحث فوج کے اندر تشویش کا سبب بن رہی ہے۔ جس کا اظہار دبے یا کھلے الفاظ میں جنرل کیانی کو کرنا پڑا ہے۔

اگلی بات ہے دہشت گردی کے خلاف جنگ جسے جنرل کیانی نے پاکستان کی جنگ قرار دیا ہے، جنرل کیانی جانتے ہیں کہ بعض طبقات ان کے نکتہ نظر سے متفق نہیں جس کی وجہ سے قربانیاں دینے والی فوج میں بد دلی پھیلتی ہے اور ان کے ورثا کا غم و اندوہ دو چند ہو جاتا ہے کہ ان کے جری، دلیر، گبھرو، کس گناہ کی پاداش

میں اور کن تاریک راہوں میں مارے گئے۔فوج کا کوئی سربراہ اس موقف پر اپنے اضطراب کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔کیونکہ اس جنگ کو امریکہ کی جنگ کہنے سے اسے اپنی فوج سے کام لینے میں اور پاکستان کی سلامتی اور آزادی کو یقینی بنانے میں مشکل درپیش ہے، انہوں نے لوگوں کو یاد دلایا ہے کہ مہذب ترین جمہوری ممالک کی تاریخ میں بھی ملک اور آئین سے بغاوت کبھی برداشت نہیں کی گئی۔ایسے مواقع پر فوج کو ہمیشہ عوام کی مکمل حمایزت حاصل رہی، کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ کیا یہ جنگ ہماری ہے۔اس لیئے کہ ایک سپاہی کا ذہن اوراس کا مشن اس قسم کے شکوک کا متحمل نہیں ہوسکتا۔جنرل کیانی نے سوال اٹھایا ہے کہ اگر ایک گروہ پاکستان کے آئین اور قانون سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے غلط نظریات ہم پر جبری مسلط کرنا چاہے اوراس مقصد کے لیئے ہر قسم کی خونریزی کو نہ صرف جائز سمجھتا ہو بلکہ پاکستانی ریاست ، جمہوری عمل اور بے گناہ شہریوں کے خلاف باقاعدہ ہتھیار بند ہوجائے تو کیا اس کا قلع قمع کرنا کسی اور کی جنگ ہے، اس سوال کا جواب ہراس شخص پر واجب ہے جو اس جنگ کو پاکستان کی جنگ نہیں مانتا۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بار پھر اس تقریب میں مدعو ہونے کے باوجود شرکت نہیں کر سکا، کاش! میں وہاں ہوتا اور شہدا کے غمگین ورثا کے آنکھوں سے بہنے والے آنسو اپنی پلکوں سے پونچھ سکتا۔

(2 مئی 2014ء)

آئی ایس آئی کے اندر آئی ایس آئی

کراچی میں ہونے والے زخمی صحافی حامد میر نے وقوعہ کے دس روز بعد بھی قانون کا راستہ اختیار نہیں کیا اور ہوش میں آنے کے باوجود کوئی ایف آئی آر درج نہیں کرائی۔ وہ ایک اخباری بیان جاری کر چکا، بی بی سی کو انٹرویو دے چکا اور ایک کالم بھی لکھ چکا، اس کی بے ہوشی کے دوران اس کے بھائی نے بعض الزامات عائد کیئے تھے مگر زخمی کے کسی بیان یا تحریر میں ان الزامات کا کوئی ذکر نہیں۔ گویا بھائی کا بیان صریح جھوٹ تھا۔

مجیب الرحمٰن شامی نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ اس صحافی کا معرکہ یہ ہے کہ اس نے اسامہ بن لادن کا انٹرویو کیا۔

جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیئے آیئے پہلے اسی پر بات ہو جائے۔ نائن الیون کے بعد امریکہ نے پانچ منٹ کے اندر اس تباہی کی ذمے داری اسامہ بن لادن پر ڈال دی تھی اور افغانستان کو ٹارگٹ بمباری کا نشانہ بنا لیا تھا مگر امریکہ کے پاس کوئی معقول وجہ نہ تھی کہ وہ اپنی بربریت کا سلسلہ مزید جاری رکھے، یہی وہ مرحلہ ہے جہاں اس صحافی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اسامہ کا انٹرویو کیا ہے اور اسامہ سے یہ بات منسوب کی گئی کہ اس کے پاس ایٹمی، جراثیمی اور حیاتیاتی اسلحے کا ایک ڈھیر ہے جس سے وہ امریکہ کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔

امریکہ کو اپنی چنگیزئت اور ہلاکو خانی کے لیئے کوئی بہانہ چاہیئے تھا، وہ اس صحافی نے فراہم کر دیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کس وحشیانہ طریقے سے امریکہ نے افغانستان کا تورا بورا بنا دیا۔

جھوٹ کے کھیل کو سمجھنے کے لیئے عراق پر امریکی حملے کے اسباب پر غور کرتے ہیں، امریکہ کے پاس عراق پر حملے کا کوئی جواز نہ تھا۔ مگر ایک برطانوی سرغراساں نے من گھڑت رپورٹ پیش کی کہ صدام کے پاس ایٹمی، جراثیمی اور حیاتیاتی اسلحے کا ڈھیر ہے۔ اس رپورٹ کو بنیاد بنا کر امریکہ نے عراق کا فلوجہ بنا دیا۔

مگر نہ عراق کے پاس کچھ تھا، نہ ہی اسامہ کے پاس۔ امریکہ نے مان لیا کہ عراق کے بارے میں الزام تراشی بے بنیاد تھی اور جس سراغرساں نے یہ رپورٹ گھڑی تھی، اسے پر اسرار حالات میں لندن کے نواح میں قتل کر دیا گیا۔

اسامہ کی زبان سے دعویٰ کرنے والا صحافی ماشاء اللہ حیات ہے، وہ بتائے کہ اسامہ کا ایٹمی اسلحہ کہاں ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو اس نے یہ انٹرویو چھپوا کر امریکہ کی خدمت کیوں کی اور افغانستان کے لاکھوں بے گناہوں کو امریکی کروز میزائلوں اور ڈیزی کٹروں کا نشانہ بنانے کا بہانہ کیوں فراہم کیا۔ یہ لاکھوں معصوم افغانی زخمی صحافی سے اپنے خون کا خراج مانگتے ہیں۔

اسامہ کے انٹرویو کا ڈرامہ سچ ثابت ہو جائے تو پھر اس صحافی کی زبان اور اس کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ سچا مانا جا سکتا ہے اور اگر یہ جھوٹ تھا تو پھر الزام تراشی کا سارا کاروبار بھی جھوٹ۔ میں مجیب شامی کو بھی چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس کارنامے کو سچ ثابت کریں۔

اور اب مجھے آئی ایس آئی کے اندر آئی ایس آئی کے الزام پر بات کرنی ہے۔

یہ پہلا الزام ہے جسے میں سچا مانتا ہوں۔ دنیا کے ہر ملک نے یہ شوق پال رکھا ہے۔ ہم تو ایک ریمنڈ ڈیوس کو جانتے ہیں، حسین حقانی نے سینکڑوں ہزاروں ریمنڈ ڈیوسوں کو ویزے اشو کیئے تھے اور رات کے اندھیرے میں ایمبیسی کھول کر اشو کیئے تھے۔ ایک ریمنڈ ڈیوس چلا گیا اور باقی ریمنڈ ڈیوس ہلاکت کا کھیل کھیلنے کے لیئے یہاں موجود ہیں، ہمارے زخمی صحافی کو یہ نظر نہ آسکے۔

ہمارے ہمسائے بھارت میں وہاں کی فوج نے درجنوں نان اسٹیٹ ایکٹرز کو دہشت گردی کے لیئے کھلا چھوڑا ہوا ہے۔ سمجھوتہ ایکسپریس کو آگ لگانے کے لیئے تو حاضر سروس فوجی افسروں کو آگے کیا جاتا ہے ورنہ فوج کے زیر سایہ پلنے والے دہشت گرد گروپ اپنی مہارت دکھانے کے لیئے آزاد ہیں۔ یہی عناصر پاکستان میں دھماکوں میں ملوث ہیں اور پھر ہم انہیں ہار پہنا کر رہا کر دیتے ہیں، سوات میں ایسے عناصر کی لاشیں ملیں جن کے جسم اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ وہ مسلمان ہی نہیں، بلوچستان میں بھی یہی عناصر کھل کھیل رہے

ہیں۔امریکہ اور برطانیہ میں نان اسٹیٹ گروپوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے،اور تو اور پیرو،ڈومینیکن ری پبلک اور برازیل میں بھی نان اسٹیٹ ایکٹرز کی موجودگی ریکارڈ پر ہے۔

مجھے پاکستان میں آئی ایس آئی کے اندر آئی ایس آئی پر ناز ہے۔زخمی صحافی ان کے خلاف زبانی پرچے کٹوا رہا ہے۔ہماری آئی ایس آئی کی تو خیر دھوم مچی ہے مگر اس کے اندر کی آئی ایس آئی کے ایک مجاہد حافظ محمد سعید کے نام سے ایک زمانہ خوفزدہ ہے۔حافظ سعید کے جانبازوں سے بھارت، اور اسرائیل کی جان جاتی ہے، وہ کشمیریوں اور فلسطینیوں کے دست و بازو ہیں۔امریکہ نے حافظ محمد سعید کے سر کی قیمت مقرر کر رکھی ہے مگر حافظ صاحب ابھی پرسوں تھر پارکر میں تھے، ایک لق و دق صحرا اور تنہا حافظ سعید کی ذات، جو ریت کے ٹیلے ہٹا کر میٹھے پانی کی تلاش میں مصروف رہے۔

اور کوئی سوویت روس سے پوچھے کہ نان اسٹیٹ ایکٹرز نے اس کا کیا حشر کیا۔جنرل اختر اور جنرل حمید گل کے تربیت یافتہ نان اسٹیٹ ایکٹرز نے ایک سپر پاور کا بولو رام کر دیا۔آج بھی امریکی اور نیٹو فوج حقانی مجاہدین کے نام سے لرزاں ہے۔

امریکہ نے بھی آئی ایس آئی کے ہتھکنڈوں کے جواب میں کبھی ملا فضل اللہ کو میدان میں جھونکا، کبھی کسی حکیم اللہ یا بیت اللہ محسود کو۔کوئی خراسانی ہے، کوئی ازبک، کوئی یمنی، مگر کوئی پاکستانی نہیں۔ایک وقت تھا کہ سوات میں ان کا طوطی بولتا تھا اور پورا فاٹا انکے زیر نگیں تھا، مگر سوات چند ہفتوں میں آزاد ہوا اور فاٹا کی ایک ایجنسی کے چھوٹی صدر قبے میں بچے کھچے عناصر موجود ہیں جن کو مولانا ابراہیم بچانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔امریکیوں کے نان اسٹیٹ ایکٹرز دنیا بھر میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ایوان وزیر اعظم سے لے کر میڈیا کے ٹاک شوز میں انکے ہمدرد موجود ہیں۔مگر ان کی دال پھر بھی نہیں گلتی تو کوئی وجہ تو ہے، کوئی طاقت تو ہے، کوئی دبدبہ تو ہے جس کے سامنے سبھی لرزہ براندام ہیں۔

زخمی صحافی جانتا ہے کہ دنیا میں اب پکی فوج کو لڑانے کا رجحان نہیں۔فدائین سے کام چلایا جاتا ہے، بھارت نے افغان فوج کو بہت بڑی فورس کرائے پر دان کر رکھی ہے۔پاکستان میں بھی ایسے سربکف نوجوانوں کی کمی نہیں جو اپنی فوج کا ہراول دستہ ہیں اور سرد جنگ کے دور میں اپنی جانیں قربان کر کے پکی فوج کی قوت ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔وہ افغانستان میں سرگرم عمل ہوں، یا کشمیر میں یا فلسطین میں، زخمی صحافی کو ان کی سرگرمیوں پر کیا اعتراض، زخمی صحافی کو بے گناہ اور مظلوم افغانی، کشمیری اور فلسطینی عوام سے

ہمدردی کیوں نہیں۔

آئی ایس آئی کے ساتھ ہر کوئی کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہے اور اس کے اندر کی آئی ایس آئی کے ساتھ میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہوں۔

مجاہد ملت ڈاکٹر مجید نظامی نے بھی پیش کش کی کہ انہیں ایٹمی میزائل سے باندھ کر کشمیر میں بھارتی فوجی ٹھکانوں پر گرا دیا جائے۔ایسا نان اسٹیٹ ایکٹر کسی ماں نے کہاں جنا ہوگا۔ جان لو، کہ پاکستان میں آزادی کے متوالے بزدل نہیں، بزدل نہیں، بزدل نہیں۔

(29اپریل2014ء)

تنہائی کا عذاب

خدا کسی کا یہ حشر نہ کرے۔مگر یہ تو سارا اپنا کیا دھرا ہے۔

پہلے تو سوشل میڈیا نے انہیں الگ تھلگ کر کے پرے پھینک دیا، پھر سول سوسائٹی نے انہیں اچھوت بنا دیا۔ ہر چند وزیر اعظم، وزیر اطلاعات اور رانا ثنا اللہ ان کے ساتھ کھڑے نظر آئے مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔اور اب عمران خاں بھی گھن گرج سے بولے، چودھری شجاعت نے بھی شجاعت کا مظاہرہ کیا، جماعت اسلامی کے لیاقت بلوچ بھی جماعت الدعوہ کے حافظ محمد سعید کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔اب وہ سب لڑکھڑا رہے ہیں جنہوں نے آٹھ گھنٹوں تک ایک الزام اور ایک تصویر کے ساتھ عوام کے اعصاب پر لرزہ طاری کرنے کی کوشش کی تھی۔اور اب اصل الزام سامنے آیا ہے تو اس میں سے تصویر تو سرے سے غائب ہے۔

ہسپتالی بیان میں تصویر ہے ہی نہیں اور اس کا کیپشن بھی بدل دیا گیا ہے۔آٹھ گھنٹے تک سمع خراشی کی قلعی کھلی تو لوگوں کا رہا سہا یقین بھی پگھل گیا۔ادارے نے کچھ کہا، بھائی نے کچھ کہا اور زخمی نے کچھ اور۔ کسی کا بیان دوسرے سے ملتا نہیں، پتا نہیں انوسٹی گیشن کی بنیاد اب کیا رہ گئی ہے۔زخمی اکیلا رہ گیا۔ گولیاں ابھی تک اس کے جسم کے اندر۔ وہ بہادر تو ہے مگر نئی ملالہ کی داستان نہ لکھی جا سکی۔

ایک مخمصہ ابھی باقی ہے۔حکومت بڑی استقامت کے ساتھ پروپیگنڈے کا ساتھ نبھا رہی ہے۔کیا ان

سب کا ایجنڈا ایک ہے۔ مشرف کے ٹرائل نے کچھ جھلکیاں دکھادی ہیں۔ اور اب بات کھل گئی ہے۔ وزیر اطلاعات کہتے ہیں کہ واضح ہو گیا کہ حکومت کس کے ساتھ ہے، غلیل کے ساتھ یا دلیل کے ساتھ۔ کہتے ہیں کہ آج قانون کی حکمرانی ہے اور فوج کو بھی پیمرا سے رجوع کرنا پڑا ہے۔ کوئی پوچھے کہ فوج کی گردن جھکا کر آپ کو کیا ملے گا، محض انا کی تسکین۔ مگر ریاست پر کیا گزرے گی، یہ تو حکومت نے سوچا تک نہیں۔ حکومت ایک لمحے کے لیئے توقف کر کے سوچ لیتی کہ وہ جس کا ساتھ دینے جا رہی ہے، کیا اس نے کبھی بھولے سے بھی کشمیر میں بھارتی فوج کے مظالم کی مذمت کی ہے۔ چاچا قدیر کی کتھا اپنی جگہ دردناک تو ہے مگر علی گیلانی کی عقوبت کو بھی کبھی بیان کیا ہوتا۔ الٹا بھارتی فوج کے الزامات کو درست ثابت کرنے کی سعی کی گئی۔ کیا امریکی اور نیٹو فوج کی مذمت کی گئی، افغانستان، عراق، یمن، شام، مصر، لیبیا، سوڈان اور نجانے کہاں کہاں چنگیز خان کے قتل عام کو مات کیا۔ مگر ان کو سب گناہ، سب قتل معاف اور گالیاں صرف پاک فوج کے لیئے، کیوں۔ صرف اس لیئے کہ وہ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لیئے قربانیاں دے رہی ہے، اس لیئے کہ اس نے بھارتی را کی ریشہ دوانیوں کو ہمیشہ ناکام بنایا ہے، اس لیئے کہ اس نے اسرائیلی عزائم کو نئی دہلی اور جموں ایئر پورٹس پر بے نقاب کیا ہے، اس لیئے کہ اس کے ہوابازوں نے بھارتی سرجیکل اسٹرائیک کرنے والوں کا راستہ روکا ہے، اس لیئے کہ اس نے براس ٹیکس مشقوں کی آڑ میں بھارتی جارحیت کو منہ توڑ جواب دیا ہے، اسلیئے کہ اس نے ممبئی حملوں کے بعد مشرقی سرحد کی طرف بھارت کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی اجازت نہیں دی، اس لیئے کہ لائن آف کنٹرول پر اس نے بھارتی جارحیت کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ اس لیئے کہ ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود ایٹمی اسلحہ تیار کر کے راس کماری سے لے کر مراکش تک کے خطے کو تحفظ کا احساس بخشا ہے۔ اس لیئے کہ اس نے مہابھارت کے خواب کو بحیرہ ہند میں ڈبو دیا ہے۔

پاک فوج کا یہ گناہ، گناہ کبیرہ ہے، اس کی سزا دینے کے لیئے تیاری تو خوب کی گئی تھی مگر وائے قسمت! یہ طاقت پاک فوج کی طاقت تھی، پاکستان کی طاقت تھی، اس کے عوام کی طاقت تھی جسے خس وخاشاک میں ملانے کی سازش دم توڑ چکی۔ اپنی موت آپ مر چکی۔

پاکستان میں خرابیاں ضرور ہیں لیکن اس کی خوبیوں کا پلہ بھاری ہے۔ یہ خوبی کہیں اور نہیں کہ اس کے چیف جسٹس اور پوری عدلیہ کو نکال دیا جائے مگر عوام ڈٹ جائیں اور ان کو بحال کر کے دم لیں۔ بھارت میں ایک سابق آرمی چیف کی گت بنتی رہی، وہ اپنی تاریخ پیدائش ٹھیک کرانے کے چکر میں تھے لیکن وہاں کے

عوام ،آرمی چیف کی خواہشات سے لاتعلق رہے۔پاکستان میں ایسا نہیں ہے۔اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔یہاں عوام نے اپنی افواج کے وقار کے تحفظ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رہنے دیا۔اعلان تو آرمی چیف نے کیا تھا کہ وہ اپنے ادارے کے وقار کا تحفظ کریں گے لیکن ان کی اس خواہش کو عوام نے پورا کر دکھایا۔اس طرح ریاستی اداروں کے مابین کشمکش اور محاذ آرائی کی قیامت سے ہم بچ گئے۔عوام نے ساری دردسری اپنے سر لے لی۔

عوام نے اصل میں فوج پر الزام تراشی کرنے والوں کو ترازو میں تولا۔اوران کے سچ جھوٹ کی پہچان میں کسی کو دقت نہیں ہوئی۔ پاک فوج کو نیچا دکھانے کی خواہش بھارت کی ہے، اسرائیل کی ہے، نیٹو کی ہے، امریکہ کی ہے۔اور جب لوگوں نے کسی نجی ادارے کے سربراہ کو یہ کہتے سنا کہ یہاں کوئی مقدس گائے نہیں تو وہ کہنے والے کی شکل وصورت کو دیکھنے لگے،اس کی تذکیروتانیث کا ہی پتا نہیں چلتا۔اس نے گائے کا لفظ کہیں سے سن رکھا ہوگا مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں اسے ایک سانڈ سے پالا پڑ گیا ہے۔

ایک مرحلہ ابھی باقی ہے۔حکومت کو ابھی عقل نہیں آئی، آئے بھی تو کیسے۔اس قدر ڈھٹائی، وزیر اعظم نے کبھی کسی زخمی کی عیادت نہ کی، کئی صحافی، کئی علما، کئی جرنیل، کئی سپاہی، کئی معصوم شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، وزیر اعظم نے کسی کے آنسو تک نہ پونچھے۔مگر ان کے قاتلوں کو وزیر اعظم معافی دینے پر تلے ہوئے ہیں، ان کے قیدی رہا کیئے جارہے ہیں۔ریاست کا،عوام کا ایک قیدی بھی نہیں چھڑا سکے، کچھ بعید نہیں کہ قاتلوں کو ایک آزاد علاقہ بھی عطا کر دیا جائے۔یعنی پاکستان کے نقشے سے کاٹ کر کوئی علاقہ عطیہ کر دیا جائے۔لاحول پڑھنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ حکومت پر کسی کا زور نہیں چلتا، اسے دوتہائی اکثریت حاصل ہے، جمہوریت میں اسے سیاہی سفیدی کا اختیار حاصل ہے۔ایک فوج کا ڈر ہوا کرتا تھا، اس خوف کو بھی سرخ مرچوں کی دھونی دی جارہی ہے۔

مگر لڑائی کے تین معرکے سر ہوگئے۔سوشل میڈیا، سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کی اکثریت نے اپنی طاقت منوالی۔جھوٹ کا بول بالا نہ ہوسکا۔

دوسری طرف آوازوں اور تصویروں کا ایک جنگل ہے اور ایسی تنہائی ہے کہ ہو کا عالم ہے، حکومت کی بھر پور تائید کے باوجود لفظ گونگے اور تصویریں اندھی ہیں۔(28اپریل 2014)

بقا اور فنا کے درمیان

جالو جالو! آگن جالو!

نئی نسل اس نعرے کا مطلب نہیں جانتی مگر ان دنوں ہمارے کئی ٹی وی یہی نعرہ بلند کر رہے ہیں۔۔

کئی عشرے پیچھے کی طرف جست لگا کر ہم ستر اور اکہتر کے شکنجے، میں ہیں۔ ان دنوں مشرقی پاکستان کا میڈیا پاک فوج اور مغربی پاکستان کے ظلم کی داستانیں بیان کر کے مشرقی صوبے کے لوگوں کے ذہنوں میں زہر بھر رہا تھا۔ اس کی پشت پر بھارتی میڈیا بھی چستی سے کھڑا تھا اور دنیا بھر کے اخبارات اور ریڈیو اسٹیشن بھی پاکستان کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔

آج ہم اس معاملے میں خود کفیل ہیں۔ ساری مہارت ہم حاصل کر چکے، ہاں، اغیار ہماری اس کیفیت پر بھنگڑے ڈالنے کے لیئے آزاد ہیں۔ اب بی بی سی، وائس آف امریکہ، ڈوچے ویلے اور آکاش وانی کی ہمیں حاجت نہیں رہی۔ ہم اپنا کریا کرم خود کر سکتے ہیں۔

نئی دہلی میں ایک جشن کا سماں ہے۔ ہم اپنی آئی ایس آئی اور ساتھ ساتھ فوج کی طبیعت صاف کرنے میں مصروف ہیں۔ ہماری بحریہ تو خشکی پر کوئی کارروائی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، پھر بھی ہم نے اس سے درگزر نہیں کیا۔ لاہور میں ایک نیول کالج موجود ہے، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور کراچی میں ایک اڈے پر بحریہ کے جاسوس جہاز اورین کھڑے تھے، ہم نے ان پر بھی دھاوا بول دیا تھا۔ پی اے ایف کے جہاز قبائلی علاقوں میں بمباری کرتے ہیں، اس جرم میں کامرہ کو دو مرتبہ نشانہ بنایا گیا۔ اور آخری کوشش

میں اواکس طیارے کو تباہ کیا گیا۔ بحریہ کے اورین اور فضائیہ کے اواکس کا دہشت گردی کی جنگ میں کوئی کردار نہیں لیکن یہ ملک کے دفاع کے لیئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، بھارتی اڈوں سے اڑنے والے ہر جہاز کو ساڑھے چار سو کلومیٹر دور سے دیکھ سکتے ہیں، اس لیئے ان کے پرخچے اڑانے ضروری تھے۔ مسلح افواج کے مورال پر مگدر چلانے کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رہا۔ کبھی لاہور میں آئی ایس آئی کے دفتر پر حملہ، کبھی پنڈی میں جی ایچ کیو کا محاصرہ، کبھی کسی جرنیل کی شہادت اور کبھی درجنوں اہل کاروں کو ایک قطار میں گولی سے اڑانے کا مشغلہ اور ان کی گردنیں کاٹ کر فٹ بال کے گیند کے طور پر ان کا استعمال۔ عوام کو جب بھی نشانہ بنایا گیا تو صرف اس لیئے کہ کسی کو پتا نہ چل سکے کہ اصل ٹارگٹ کون ہے۔ عوام تو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پس گئے۔

اب اصل کھیل سامنے آ گیا ہے۔ فائنل کی سیٹی بجا دی گئی ہے۔ دن رات فوج کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے۔ کبھی آزادی اظہار کے نام پر، کبھی لاپتا افراد کے نام پر، کبھی عدلیہ کی آزادی کے نام پر، کبھی مطلق جمہوریت کے نام پر، کبھی شہری آزادیوں کے نام پر۔ یہ سب کچھ ہونا چاہیئے تھا مگر اس سے پہلے ہمیں امریکی، نیٹو، اور بھارتی افواج کے ظلم و ستم کا پردہ تو چاک کرنا چاہیئے تھا۔ میں سلام کرتا اپنے میڈیا کو اگر اس نے روزانہ چوبیس گھنٹے کے ٹاک شوز کشمیریوں کی ابتلا پر مرکوز کیئے ہوتے، میں اپنا قلم اپنے نوخیز میڈیا کے سامنے سرینڈر کر چکا ہوتا اگر اس نے بھارت کے طول و عرض میں بھارتی افواج کی بربریت کو ایک لمحے کے لیئے بھی موضوع بحث بنایا ہوتا۔ میں ان مہا کلاکاروں کے سر پر دستار فضیلت رکھتا اگر انہوں نے ثابت کیا ہوتا کہ سمجھوتہ ایکسپریس کو آگ بھارتی فوج کے حاضر سروس کرنل نے لگائی۔ ہمارے میڈیا والے روزانہ واہگہ کے پار جاتے ہیں، کاش! انہوں نے بابری مسجد کے کھنڈرات پر بھی دو نفل ادا کیئے ہوتے۔ وہ لاہور میں بھگت سنگھ کی یادگار پر تو مشعلیں جلاتے ہیں، کیا انہوں نے دہلی کی شاہی مسجد کی سیڑھیوں پر بھی کوئی موم بتی روشن کی۔

وہ زمانہ لد گیا جب لاہور کی مال روڈ پر ادیبوں، شاعروں کے جلوس کے آگے صفدر میر اپنی گھن گرج آواز میں یہ رزم نامہ پڑھتا تھا کہ میں پھر جلایا جاؤں، میں پھر شہید ہوں، میں پھر جلایا جاؤں، میں پھر شہید ہوں۔ اور ریڈیو اور ٹی وی پر نور جہاں کی آواز گونجتی تھی کہ میریا ڈھول سپاہیا۔ تینوں رب دیاں رکھاں۔

اور آج ڈھول سپاہی کو ہر ایک نے طعنوں کے تیروں کی زد میں رکھا ہوا ہے۔

یہ سب کچھ اچانک نہیں ہوا، اس کی بعض جائز وجوہات ہیں، فوج اس ملک میں حکمران رہی، جو کہ نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن بھٹو کی حکومت ٹوٹنے اور فوج کی حکومت بننے پر پی این اے نے حلوے بانٹے، پی این اے میں کون نہیں تھا، اے این پی، مسلم لیگ، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، فنکشنل لیگ، پی ڈی پی اور ہر کوئی۔ نواز شریف کا تختہ الٹا تو لاہور کی بیڈن روڈ پر لڈو بانٹے گئے۔ بھٹو اور نواز کی حکومت میں کوئی تو خرابی ایسی تھی جس سے نجات ملنے پر گھی کے چراغ جلائے گئے۔ اور محترمہ بے نظیر اور نواز کی محاذ آرائی نے کیا گل نہیں کھلائے، الزامات، تہمتیں، طعنے، مقدمے، نیب ریفرنس۔

مگر سارا غضب فوج پر۔ بارہ برس سے دہشت گردوں نے اسے الجھا رکھا ہے، امریکی اور نیٹو فوجوں نے اسے تگنی کا ناچ نچایا۔ بھارت نے علیحدگی پسندوں کی پیٹھ ٹھونکی۔ زرداری دور میں اس جنگ کو ہماری جنگ کہا گیا، فوج کو قدرے اطمینان رہا مگر اب ایک دم امن کو موقع دینے کے نام پر سارے اکٹھے ہو گئے ہیں، پیپلز پارٹی، مسلم لیگ، تحریک انصاف، جے یو آئی، جماعت اسلامی، ایم کیو ایم اور کس کس کا نام لوں، سبھی نے آل پارٹیز کانفرنس میں کہا کہ امن کو موقع دیا جائے، فوج دیکھتی رہ گئی، اس کے لوگ بارہ سال سے مر رہے تھے، اب بھی مرتے رہے۔ پھر مشرف کا مقدمہ چلا اور حکومتی لشکر مشرف کی آڑ میں فوج پر پل پڑا۔ فوج کا کوئی قصور تھا تو وزیر اعظم، آرمی چیف کو بلا کر وارننگ دے سکتے تھے مگر میڈیا کی توپوں کے دہانے کھول دیئے گئے، اب کراچی کی واردات نے تو ڈرٹی بموں کی بارش کر دی ہے، فوج جان بچانا بھی چاہے تو اسے کوئی جائے اماں نہیں ملتی، وہ تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف دیکھتی ہے، تو سب اپنے نظر آتے ہیں۔

ستر اور اکہتر میں مشرقی پاکستانیوں پر بھارتی پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا، اب بھارتی پیسہ بھی ہے، ڈالروں کا ڈھیر بھی ہے، اور خودکش جیکٹوں کا ڈراوا بھی ہے۔ سیاستدان، میڈیا اور دہشت گرد میمنہ، قلب اور میسرہ پر مورچہ انداز ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے فوج کا کامیاب گھیراؤ کر لیا ہے مگر وہ کیا جانیں کہ ساڑھے چھ عشروں کی ماری نحیف و نزار ریاست کا گلا ان کے شکنجے میں ہے۔

بقا اور فنا کے درمیان کوئی فرق باقی رہ گیا ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا۔

(25 اپریل 2014ء)

آرمی چیف کے نام خط اور آئی ایس آئی کی کرامت

میں نے یہ خط برسوں پہلے پڑھا تھا۔ یہ خط راحیل شریف کے نام ہے جو اس کے بڑے بھائی میجر شبیر شریف نشان حیدر نے تحریر کیا تھا۔ راحیل اس وقت ایک طالب علم تھا، آج پاک فوج کا سربراہ ہے۔

اور اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ پاک فوج نے جس طرح اپنے خلاف بیان بازی کی بازی کو آن کی آن میں الٹ دیا ہے، اس میں بھی اسی خط کا دخل ہے۔ میں نے پاک فوج کو ہر محاذ پر لڑتے دیکھا ہے لیکن ٹیکنالوجی کے دور میں پروپیگنڈے کی جنگ چند گھنٹوں کے اندر جیت جانا کسی کرامت سے کم نہیں۔

پہلے یہ خط آپ بھی پڑھ لیں۔

بوبی، اگر تم سچائی پر ہو تو کبھی پیچھے نہ ہٹنا، آخری وقت تک ڈٹے رہنا۔ سچ کہو، سچ سنو۔ اگر سچ کی قیمت نفرت یا پتھروں کی صورت میں بھی ملے تو قبول کرو لیکن جھوٹ سے دور رہو۔ اپنی لڑائی آپ لڑنا سیکھو۔ کبھی منہ بسورتے ہوئے گھر نہ آنا، یہ بتانے کے لیئے کہ تم مار کھا کے آئے ہو، خود ہی بدلہ چکاؤ، اگر مارنے والا طاقتور ہے تب بھی کمزوری نہ دکھاؤ۔ اصل بات یہ ہے کہ تم مرد بن کر لڑو۔ اس بات کی کوئی حیثیت نہیں کہ کسے مار زیادہ پڑی۔ مگر بزدلی کبھی نہ دکھانا۔ کوئی تم سے زیادتی کرے تو حساب ضرور بے باق کرنا۔ اگر پتھر سے سر پھاڑنا پڑے تو کر گزرنا۔

آخری فقرہ پھر پڑھ لیجئے اور پھر فوج کے ساتھ لڑائی کے اگلے مرحلے کی تیاری کر لیجئے۔

لڑائی کا پہلا مرحلہ فوج نے جیت لیا۔ ابتدائی لمحات میں تو یوں لگتا تھا کہ بس چند گھنٹوں میں جنرل ظہیر

کے ہاتھوں میں ہتھ کڑی ہوگی۔ طاقور میڈیا پھنکار رہا تھا۔فوج کے پاس ایک جنرل عاصم باجوہ تھا اور بس، اس کے پاس نہ اپنا کوئی اخبار تھا، نہ کوئی ٹی وی چینل۔ جب دنیا میں جدید ٹیکنالوجی نہیں آئی تھی تب گوئبلز نے یہ فلسفہ گھڑا تھا کہ اتنا جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے، اب تو ٹیکنالوجی کا دور ہے، ایک بٹن دبانے سے ایک الزام اور ایک تصویر بار بار ٹی وی اسکرین پر آن دھمکتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ خود میں بھی ہمت ہار بیٹھا تھا۔ مگر رات پھیلتی چلی گئی، ٹوئٹر، گوگل، ہینگ آؤٹ، فیس بک اور یوٹیوب نے دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

میری تھکی ہوئی آنکھوں نے نئی صبح کے اجالے میں دیکھا کہ ایک یقینی طور پر ہاری ہوئی جنگ جیتی جا چکی تھی۔ میں سلام پیش کرتا ہوں اس مہارت کو جو سوشل میڈیا نے دکھائی۔ دنیا کے کئی ملکوں میں سوشل میڈیا نے انقلاب برپا کیئے ہیں۔ پاکستان میں سوشل میڈیا نے اپنے پٹھے دکھائے۔ ہماری نئی نسل حب الوطنی کے جذبات سے سرشار ہے، اس نے اپنی راتوں کی نیند حرام کی اور چھوٹے چھوٹے جملوں، شوخ و شنگ خاکوں، اور ہلکے پھلکے طنزیہ تبصروں سے، افواج پاکستان کے مخالفین کو چاروں شانے چت کر دیا۔ وہ جو جنرل ظہیر کے استعفٰے کا مطالبے کر رہے تھے، جو آب پارہ کے دفتر کو سیل کرنے کے چکر میں مبتلا تھے اور جن کے بے بنیاد پروپیگنڈے پر بھارتی میڈیا نے پاکستان کے خلاف آسمان سر پہ اٹھا لیا تھا، وہ سب سوشل میڈیا کی نوجوان نسل کے سامنے گھگھیا رہے تھے کیونکہ جن چھوکروں کے الزامات کو وہ اچھال رہا تھا، وہ خود ٹی وی کیمروں کے سامنے بار بار یہ گردان کر رہے تھے کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور جھوٹا آدمی ہمیشہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگتا ہے۔

سوشل میڈیا نے پاک فوج کا ساتھ کیوں دیا، اس کا راز سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے۔

صرف چھ سال پہلے نوجوان نسل نے ممبئی سانحے کی لائیو کوریج دیکھی۔ بھارت نے جھٹ اس کا الزام آئی ایس آئی پر داغ دیا۔ اور ہم نے ان کے لیئے ثبوت اکٹھے کرنے کی ذمے داری سنبھال لی۔ جو کام بھارت کرنا نہیں چاہتا تھا، وہ ہم نے رضا کارانہ انجام دیا اور ہم پاکپتن کے نواح میں اجمل قصاب کے مبینہ گاؤں میں کیمرے لے کر جا پہنچے۔ بھارت میں اجمل قصاب پر مقدمہ چلا مگر آٹھ سال میں بھارت ایک بھی ایسی شہادت پیش نہ کر سکا جس سے پاکستان کا دور و نزدیک کا تعلق بھی اس سانحے سے بنتا ہو۔

جھوٹ کے کاروبار کی قلعی کھل گئی تھی۔ بھارت میں سمجھوتہ ایکسپریس کو آگ لگی۔ مسافر اس میں کوئلہ بن

گئے۔ بھارت نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، آئی ایس آئی پر اس دہشت گردی کا الزام لگا دیا۔سوشل میڈیا پر بیٹھنے والوں کو بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔اس دہشت گردی میں بھارتی فوج کا حاضر سروس کرنل پکڑا گیا۔یہی حال مالی گاؤں میں قتل عام کا ہوا۔اس میں بھی آئی ایس آئی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا مگر سوشل میڈیا نے سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔مالی گاؤں کی دہشت گردی میں ایک انتہا پسند ہندو دیوی ملوث تھی۔جس کے جرائم سے پردہ اٹھانے میں ممبئ پولیس کا وہ افسر مہینت کرکرے سرگرم تھا جسے ممبئ سانحے کے ابتدائی لمحوں میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔سوشل میڈیا اندھا، کانا اور گونگا نہیں ہے۔وہ بے گناہ کشمیریوں پر بھارتی فوج کے مظالم کی لرزہ خیز کہانیاں روز پڑھتا ہے۔عفت مآب کشمیری خواتین کو جس طرح گینگ ریپ کیا جاتا ہے، اس کی گھناؤنی تصویر بھی سوشل میڈیا پر موجود ہے۔کشمیر میں جس سائنٹیفک طریقے سے نوجوانوں کو شہید کر کے نسل کشی کی جاتی ہے، اس بہیمیت کی تفصیلات بھی سوشل میڈیا پر موجود ہیں۔ہماری نوجوان نسل کو بھارتی فوج کی پاکستان دشمنی کی ایک ایک کہانی ازبر ہو چکی ہے۔اس نوجوان نسل کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

جس آئی ایس آئی سے بھارت لرزہ براندام ہے، اسرائیل کے اعصاب پر جس کا خوف طاری ہے، امریکہ جس کے ہاتھوں زچ ہو چکا، اس پر الزام تراشی کو ہماری نوجوان نسل کیسے سچ مان سکتی ہے۔

سوشل میڈیا کی نوجوان نسل انتہائی تعلیم یافتہ ہے۔اس کا پہلا سوال ہی یہ ہے کہ بھارت کا میڈیا اپنی خفیہ ایجنسی را کا کچا چٹھا کھولنے کی حماقت نہیں کرتا، اسرائیلی میڈیا بھی اپنے انٹیلی جنس ادارے موساد کا تعاقب نہیں کرتا اور امریکی میڈیا نے کبھی اپنی افواج یا سی آئی اے کا پول کھولنے میں دلچسپی نہیں لی تو پاکستان میں میڈیا کے کچھ لوگ اپنی ہی فوج پر کیچڑ کیوں اچھالتے ہیں، ایک بہت بڑا سوال حکومت پاکستان سے بھی پوچھا جا رہا ہے۔جب ٹی وی اسکرین پر ایک الزام اور ایک تصویر بار بار دکھائی جا رہی تھی تو کیا حکومت کا فرض نہیں تھا کہ وہ اپنے بے زبان دفاعی ادارے کے تحفظ کے لیئے کوئی اقدام کرتی اور نوجوانوں نے یہ سوال سوشل میڈیا پر پوچھا اور تواتر سے پوچھا کہ حکومت کی خاموشی اور بے عملی کا مطلب کیا لیا جائے۔وزیر اعظم نے ایک وقوعہ پر عدالتی کمیشن بنا دیا، اس وقوعہ کی ایف آئی آر تک درج نہیں ہے اور وزیر اعظم نے زبانی لگائے گئے الزام کو بنیاد کیسے بنا لیا۔ایک خاص میڈیا حکومت کا چہیتا کیسے ہو گیا، یہ میرا بھی سوال ہے۔ایجنڈا کیا ہے۔کیا باقی میڈیا بوریا بستر لپیٹ لے۔(23 اپریل 2014ء)

کاکول کی دھول

نئے آرمی چیف کی تقرری کے بعد کسی فارمولے اور کسی تجزیئے کی رو سے حکومت اور فوج میں محاذ آرائی کا امکان نہیں تھا۔ جنرل راحیل شریف کو کیوں منتخب کیا گیا، اس فیصلے کے میرٹ کا اندازہ وزیر اعظم یا ان کے صلاح کاروں کو ہوگا۔ عام آدمی یہی خیال کر رہا تھا کہ ایک تو وزیر اعظم نے ان جرنیلوں کو منتخب نہیں کرنا تھا جن کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو چکا ہے، دوسرے راحیل شریف کی شہرت ان کے نشان حیدر پانے والے بھائی میجر شبیر شریف سے تھی۔ اسی خاندان میں ایک نشان حیدر اور بھی تھا اور پینسٹھ کی جنگ کے حوالے سے قوم کا بچہ بچہ ان کی عزت کرتا ہے، وہ ہیں میجر عزیز بھٹی شہید نشان حیدر۔ وزیر اعظم کا یہ بھی خیال ہوگا کہ آخری نمبر سے ترقی پانے کی بنا پر جنرل راحیل شریف ان کے ممنون بھی ہوں گے۔ یہ وہی نکتہ ہے جو بھٹو نے ضیاالحق اور نواز شریف نے جنرل مشرف کو منتخب کرتے ہوئے مدنظر رکھا تھا۔

مگر سب اندازے غلط ثابت ہوئے۔ اس لیئے کہ نواز شریف تو وہی تھے۔

طالبان کے ساتھ مذاکرات کے مسئلے پر فوج نے تحمل کا مظاہرہ کیا اور امن کو موقع دینے کے نظریئے کی حمایت کی۔ اس دوران فوج کو بہت مار پڑی اور ایک جرنیل کی شہادت بھی ہوئی۔ منور حسن اور فضل الرحمٰن نے فوج کے شہیدوں کی تحقیر بھی کی۔ فوج نے منور حسن سے معافی کا مطالبہ کیا مگر جماعت اسلامی کی شوری اپنے امیر کے پیچھے ڈٹ گئی اور الٹا وزیر اعظم سے کہا کہ فوج کے خلاف کارروائی کی جائے۔

یہ فوج کی پہلی کھلی تضحیک اور تذلیل تھی۔

جنرل مشرف پر غداری کا کیس چلا۔فوج نے اپنے سابق آرمی چیف کو عدالت میں حاضری سے بچانے کے لیئے اپنے ہسپتال میں داخل کرلیا۔دنیا بھر میں پیشی سے بچنے کے لیئے ہر ملزم مختلف ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے، یہ کوئی انہونی نہیں تھی مگر فوجی ہسپتال، فوجی ڈاکٹروں اور خود جی ایچ کیو کے خلاف طعنوں کا طوفان چل پڑا۔اسی دوران وزیر دفاع نے فوج کے ایک اہل کار کے خلاف پرچہ درج کروایا، ایک ٹی وی انٹرویو میں فوج کے خلاف ریمارکس دیئے، ٹی وی چینلز میں ہر طرح کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے وزیر دفاع کی ایک پرانی وڈیو چلادی جس میں وہ فوج کو بے نقط سنا رہے تھے۔وزیر ریلوے بھی میدان میں آن دھمکے۔نوائے وقت کے اداریئے میں ان دونوں صاحبان کے پرمغز نکات بیان کردیئے گئے ہیں، میرا حوصلہ نہیں پڑتا کہ انہیں یہاں دہراؤں کہ فضا پہلے ہی مکدر ہے۔

حکومت اوراس کے وزرا جو کچھ کہہ رہے تھے اور کرر ہے تھے، ہوسکتا ہے وہ اس میں حق بجانب ہوں۔مگر غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے نئے آرمی چیف کے مزاج کو سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔میں نے ان کالموں میں کھلے اشارے کیئے۔مگر کالم اورالم غلم کوئی پڑھنے کا تردد ہی نہیں کرتا۔بہر حال ایک بات یہاں پھر دہراتا ہوں کہ آرمی چیف نے سلیمانکی سیکٹر کا دورہ کیا۔یہ محاذ ان کے لیئے جذباتی حیثیت رکھتا ہے، وہاں ان کے بڑے بھائی داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور انہوں نے بھارتی علاقے میں پیش قدمی کرتے ہوئے معرکہ سبونہ کے ہیرو کا درجہ پایا۔جنرل راحیل شریف نے سلیمانکی میں ایک کھلے دربار سے خطاب کیا۔نئے اور پرانے، سبھی فوجی جمع تھے۔جنرل نے ایک ہی نکتے پر زور دیا کہ وہ پاک فوج کے وقار پر حرف نہیں آنے دیں گے۔اسی بات کوانہوں نے تربیلا میں کمانڈوز بیس پر اپنے خطاب میں دہرایا۔میرا احساس یہ ہے کہ وہ میڈیا پر شوروغوغا سے نکونک آچکے تھے۔انتہائی اختصار مگر بلاغت کے ساتھ انہوں نے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔کور کمانڈرز کے اجلاس میں بھی یہی جذبات دیکھنے کو ملے گو اس سلسلے میں کوئی باضابطہ بیان سامنے نہیں آیا اور مصلحت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ فوج اپنا نکتہ نظر بیان کرچکی، اب اسے خاموش رہ کر حالات میں بہتری کا انتظار کرنا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ حکومتی صفوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔غلطی یہ تھی کہ مشرف کے مقدمے کی آڑ میں فوج کو بحیثیت ادارہ ہدف تنقید بنایا جارہا تھا۔یہ ایک بیرونی ایجنڈا تھا۔حکومت اس ٹریپ سے باہر نکل آئی۔خیر سگالی کے اشارے ملے اور ایک خوشگوار ماحول میں وزیر اعظم اور آرمی چیف نے کاکول کا رخ کیا۔

بہار کی خوشبوؤں سے لبریز ماحول میں وزیر اعظم نے دل کھول کر فوج کے کردار کی تحسین کی۔ مور اوور، انہوں نے جنرل راحیل کی شان میں ڈونگرے بھی برسائے اور یوں پاکستانیوں نے سکون کا سانس لیا کہ ایک سنگین سازش دم توڑ چکی تھی۔

اتفاقات ہیں زمانے کے۔اور خاص طور پر ٹامس ہارڈی کے قارئین جانتے ہیں کہ تقدیر کس طرح ایک سواسی ڈگری کا موڑ کاٹتی ہے۔

کاکول کے الفاظ ابھی فضا میں تحلیل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ قوم کے اعصاب پر ایک نئی بجلی آن گری۔ یکایک پہلے سے زیادہ پر خطر اور شوریدہ سر طوفان نے سر اٹھایا۔فوج ایک نئے بحران کی زد میں تھی۔ اب فوج کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا کہ اس کا اصل حریف کون ہے، کیا بھارت اس کے مدمقابل ہے، کیا اسے دہشت گردوں کا سامنا ہے۔ کیا اسے امریکی چالوں سے نبٹنا ہے، یا اسے آگے چل کر افغانستان کے تلاطم کو ٹھنڈا کرنا ہے۔

کاکول نے مطلع بالکل صاف کر دیا تھا مگر اب ہر طرف دھول ہی دھول ہے۔دوست اور دشمن کی تمیز باقی نہیں رہی۔ حالیہ اپریل کے موسم کی طرح پاکستان کا مطلع کالی سیاہ گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے۔ یا کوئی لاوا ہے جو پھٹ پڑا ہے۔اس ملک میں قتل و غارت کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے وزیر اعظم شہید ہوئے، پہلے منتخب وزیر اعظم پھانسی چڑھے، ایک فوجی ڈکٹیٹر کا جہاز ہوا میں پھٹ گیا، محترمہ بے نظیر کو ایک ہجوم کے سامنے شہید کر دیا گیا، پچھلے دس بارہ برس میں ساٹھ ہزار پاکستانی جو بالکل بے گناہ تھے، زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ان کے ہونٹوں پر ایک ہی سوال تڑپ رہا ہے کہ ہمیں کس جرم کی پاداش میں شہید کیا گیا۔ بے بس لوگ دو دو سو لاشیں لے کر یخ آسمان کے نیچے رکھ کر احتجاج کرتے رہے مگر کبھی یوں آسمان گرا تھا، نہ زمین شق ہوئی تھی۔ مگر کاکول سے نکلنے کے بعد جو شام آئی، وہ طویل ہوتی چلی جا رہی ہے، اندھیرے پھیلتے جا رہے ہیں۔

تاریخ میں ہمارے جیسی بدنصیب کوئی قوم نہیں آئی جس نے اجتماعی خودکشی کا تہیہ کر رکھا ہو۔ ہم نے ایکدوسرے کا گریبان پکڑ لیا ہے۔ ہر شخص نے جسم پر خودکش جیکٹ پہن رکھی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ بٹن دبائیں گے تو فریق مخالف ہی کے چیتھڑے اڑیں گے۔اور تاریخ میں ایسا بھی کم ہوا ہے کہ کسی قوم کو اپنی تباہی کے لیئے بیرونی دشمن کی ضرورت نہ ہو، ہم اس معاملے میں بھی خودکفیل ہیں۔

دعا کریں کہ کوئی مسیحا آسمانوں سے اترے۔(22 اپریل 2014ء)

قومی سلامتی کی پہیلی

قومی سلامتی کے نام پر ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ ہوئی، اس کا نتیجہ کیا نکلا، حکومت پاکستان کی سرکاری ویب سائٹ سے میں نے رجوع کیا، اس پر وفاقی محتسب تک شکایت پہنچانے کا طریقہ درج ہے۔محکمہ اطلاعات کی ویب سائیٹ پر چین میں متعین سفیر کے ایک بیان کا خلاصہ ہے۔آئی ایس پی آر کی ویب سائٹ پر جی ایچ کیو کی ایک میٹنگ کا تذکرہ ہے جس میں پولیو مہم کی سکیوریٹی پر غور کیا گیا۔پی آئی ڈی کی ویب سائیٹ پر صدر مملکت کی بارہ اپریل کی ایک تقریر کا لنک دیا گیا ہے۔اور بس سرکاری ذرائع خاموش۔

میرے نزدیک اس اجلاس میں اگر کوئی نئی بات ہوئی ہے تو وہ یہی کہ اداروں کا وقار مقدم رکھا جائے گا۔یہ بات کرنے کے لیئے اتنا بڑا جرگہ بلانے کی کیا ضرورت تھی۔اگر تو ملک میں جمہوری منتخب حکومت ہے اور نواز ،زرداری جمہوریت کی بالا دستی کے لیئے متحد ہیں اور پارلیمنٹ سپریم ہے تو آرمی چیف کے اعلان تربیلا پر قانون کی رو سے وزیر دفاع ان سے تحریری وضاحت طلب کر سکتے تھے۔اگر جواب تسلی بخش ہوتا تو یہ قصہ نبٹ جاتا ورنہ حکومت اپنے اگلے اقدام کے لیئے آزاد تھی۔جنرل جہانگیر کرامت نے ایک بیان دیا تھا، وزیراعظم کو یہ بیان پسند نہیں آیا تھا،انہوں نے آرمی چیف سے استعفا لے لیا۔

میں جمہوریت کا دلدادہ ہوں۔صرف اس لیئے کہ زمانے کا دستور یہی ہے۔مجھے بی بی سی کے اس تبصرے سے سخت صدمہ پہنچا ہے کہ میٹنگ کے شرکاء کے چہرے تنے ہوئے تھے۔اور وزیر دفاع اور فوجی افسروں کے

مابین پہلے والی گرم جوشی نظر نہیں آئی۔ ٹی وی فوٹیج کو میں نے بھی غور سے دیکھا ہے اور ہر ایک نے دیکھا ہے کہ سبھی ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے ہیں بلکہ نظریں جھکائے بیٹھے ہیں۔ تو کیا دنیا کو یہی تماشہ دکھانا تھا۔

یہ تماشہ کیوں لگا۔ صرف اس لیئے کہ پیپلز پارٹی اور ن لیگ کی قیادت نے لندن میں ایک میثاق جمہوریت پر دستخط کیئے۔ جب اس معاہدے پر عمل درآمد کا وقت آیا تو زرداری نے کہا کہ وعدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے۔ اب ایک بار پھر سینیٹر فرحت اللہ بابر نے کہا ہے کہ جمہوریت کو خطرہ درپیش ہوا تو ہم ن لیگ کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ ماضی کے تلخ تجربے کے پیش نظر اس اعلان پر کون اعتبار کرے گا۔

خواجہ آصف نے اگر یہ کہا تھا تو درست کہا تھا کہ پارلیمنٹ سپریم ادارہ ہے مگر پہلے تو اس ادارے کو جمہوری خطوط پر استوار کیا جائے۔ پارلیمنٹ سپریم ادارہ ہے تو وزیر اعظم سارے فیصلے اس ایوان میں کیوں نہیں کرتے، وہ بمشکل قومی اسمبلی میں آئے مگر سینیٹ کا رخ ابھی انہوں نے نہیں کیا۔ وہاں قواعد میں ترمیم کر کے وزیر اعظم سے کہا گیا ہے کہ وہ سوالوں کے جواب دینے کے لیئے آیا کریں مگر اس کی تشریح یہ سامنے آئی ہے کہ وزیر اعظم اپنے نمائندے کو سینیٹ میں بھیج سکتے ہیں۔ دہشت گردی پر مذاکرات کا فیصلہ پارلیمنٹ سے باہر بیٹھ کر ایک اجلاس میں کیا گیا۔ اور پھر جو کمیٹیاں بنیں، ان کا حشر بھی سب نے دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن فیصلوں کے پیچھے پارلیمنٹ کی قوت نہ ہو، وہ کمزور ہوتے ہیں، تار عنکبوت کی طرح۔

نواز زرداری ملاقات کی گلوکوز سے طاقت پکڑ کر حکومت نے دو اعلیٰ سرکاری ملازمین کو گھر بھیج دیا ہے، ایک تو چیئرمین واپڈا سید راغب عباس ہیں، دوسرے چیئرمین پیمرا چودھری رشید احمد۔ راغب صاحب کو میں زیادہ نہیں جانتا، واپڈا کے ایک ہی اہل کار کو جانتا ہوں، وہ جو ہر مہینے پہلے سے زیادہ بل پھینک جاتا ہے۔ چودھری رشید احمد کو جانتے ایک زمانہ بیت گیا، وہ انفارمیشن سروس کے تجربہ کار اور منجھے ہوئے افسر ہیں۔ دو سرکاری اہل کاروں کو نکالنے کے لیئے سابق صدر زرداری اور پھر سروسز چیفس کے ساتھ تصویریں کھینچوانے کا تردد کاہے کو کیا، نادرا کے چیئرمین طارق ملک کی طرح ان کی بیوی یا بیٹی کو دھمکا کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا۔ آگے شاید نظر کسی بڑے شکار پر ہے۔

نواز شریف تیسری مرتبہ حکومت میں ہیں۔ وہ تجربے سے مالا مال ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لوگ نعرہ لگایا کرتے تھے: نواز شریف قدم بڑھاؤ، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مگر وقت آیا اور نواز شریف نے پیچھے مڑ کر دیکھا

تو کوئی بھی ساتھ نظر نہ آیا۔ بھٹو پھانسی لگا تو اس پر ہمالیہ نہ رویا۔ نواز شریف اس تجربے سے سیکھیں اور اپنے بل بوتے پر جو کر سکتے ہیں، کر گزریں، کسی بیساکھی کا سہارا تلاش نہ کریں۔ میری یادداشت میں ایک برا وقت وہ تھا جب کلمہ چوک کے پاس بیگم کلثوم نواز کی کار کو لفٹر سے اٹھا لیا گیا تھا۔ میں نے بیگم صاحبہ کی آپ بیتی پڑھی ہے، وہ بڑے دکھ سے لکھتی ہیں کہ مصیبت کے وقت، کوئی ان کا فون سننے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اقتدار کے دنگل میں اپنے ہی پٹھے کام آتے ہیں۔

زرداری نے اس چار اپریل کو بھی کہہ دیا کہ نواز شریف ہم تمہارے ساتھ ہیں، کوئی خوش فہم اس کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ غیر جمہوری قوتوں کے سامنے زرداری، نواز کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ کوئی قنوطیت کا مارا، اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ چڑھ جا بیٹا سولی پہ، رام بھلی کرے گا۔ شیر بن شیر!

نواز اور جمہوریت کو کہیں سے خطرہ نہیں، اور ہوگا بھی کیوں۔ مگر نواز شریف قوم کو یہ تو سمجھائیں کہ امن کے لیئے ایک اور موقع، ایک اور موقع، ایک اور موقع۔۔کی گردان سے قوم کی گردن مارنے والے کیسے رام ہوسکیں گے۔ انہیں تو صف بندی کے لیئے وقت چاہیئے، پہاڑوں سے جاڑا اترے تو وہ ان کی غاروں میں مورچہ لگالیں گے۔

اپنی سلامتی کے بارے میں ہماری بے حسی کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔ ہمارا انگ انگ زخمی ہے اور امت مسلمہ کی سلامتی سے بے حسی کا نتیجہ یہ ہے کہ قبلہ اول بیت المقدس کے لیئے مٹھی بھر فلسطینی لڑنے مرنے کے لیئے رہ گئے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ ہماری بے عملی کی وجہ سے ہمارا موجودہ قبلہ بھی خطرے میں ہے (خاکم بدہن)

یقین جانیئے قومی سلامتی کی پہیلی میں تو بوجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ تو امت مسلمہ کی اجتماعی سلامتی کے لیئے بھی مضر لگتی ہے۔ بولی اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو۔۔ تو کیا تحریک خلافت کا ذکر اپنی تاریخ سے کھرچ دیں۔

(19 اپریل 2014ء)

عذر گناہ بدتر از گناہ

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ حکومت اور فوج کے مابین خوشگوار تعلقات کار نہیں ہیں۔ یہ اسی طرح کی کھلی حقیقت ہے کہ پچھلے دور میں حکومت اور عدلیہ کے درمیان شدید محاذ آرائی تھی۔ اور عدلیہ نے پارلیمنٹ کے متفقہ ووٹ سے منتخب ہونے والے وزیر اعظم کو گھر بھیج دیا تھا۔ یہ ویسی ہی ایک حقیقت ہے جیسے مشرف کے آخری دنوں میں حکومت اور عدلیہ کے مابین جنگ کی نوبت آ گئی تھی۔ مشرف ایک ڈکٹیٹر تھا، اس کے مقابلے میں عدلیہ کی حمایت کرنے والوں کی منطق تو سمجھ میں آتی ہے مگر پیپلز پارٹی تو خالص جمہوری طریقے سے اقتدار میں آئی تھی، اس کے مقابلے میں عدلیہ کی بالادستی کی حمایت کس اصول کی بنا پر کی گئی اور پارلیمنٹ اور جمہوری حکومت کو نیچا دکھانے میں کچھ لوگ پیش پیش کیوں تھے۔ اسی پیپلز پارٹی کے دور میں دو مرتبہ حکومت اور فوج کے درمیان کھلی جنگ ہوئی، ایک کیری لوگر بل کی بنا پر اور دوسرے میموگیٹ کے مسئلے پر مگر دونوں مرتبہ منتخب حکومت نے، جمہوریت اور پارلیمنٹ کی بالادستی کا ساتھ دینے کے بجائے فوجی اسٹیبلشمنٹ کا ساتھ دیا گیا۔ کیری لوگر بل پر تو کوئی کسی کا کیا بگاڑ سکتا تھا لیکن میموگیٹ پر اس وقت تک لوگوں کو چین نہ آیا جب تک حسین حقانی کا استعفانہ لے لیا گیا۔ ایک تنازع ریمنڈ ڈیوس کی ذات پر کھڑا ہوا، مگر ان حضرت کو پھانسی پر لٹکا دیکھنے والوں کا اس وقت منہ لٹکے کا لٹکا رہ گیا جب تخت لاہور کی ایک جیل سے یہ موذی اڑنچھو ہو گیا، کسی نے شہباز شریف سے آج تک نہیں پوچھا کہ ریمنڈ ڈیوس کے مسئلے پر انہوں نے گھٹنے کیوں ٹیکے، کیا انہوں نے اپنی کابینہ، یا منتخب صوبائی اسمبلی میں اس مسئلے پر کوئی مشاورت کی تھی۔ مشرف پر تنقید کی جاتی ہے

کہ اس نے آدھی رات کی ٹیلی فون کال پر کسی سے مشورہ کیئے بغیر پاکستان کو امریکی جنگ میں جھونک دیا، کیا پاکستان آج بھی امریکی جنگ کا حلیف نہیں ہے، اب تو ن لیگ کی حکومت کو نو دس ماہ ہو چلے ہیں، انہیں مشاورت کے لیئے بہت وقت مل گیا ہے، ایک سے ایک بڑھ کر عقاب صفت اس حکومت میں موجود ہے، لیکن جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، اسی حکومت کے وزیر خزانہ امریکہ میں کشکول لے کر گھوم رہے ہیں اور کولیشن سپورٹ فنڈ کے بقایا جات کا تقاضا کر رہے ہیں، یہ کولیشن سپورٹ فنڈ امریکی جنگ میں کودنے کا انعام ہی تو ہے۔ سعودی عرب نے بھی ڈیڑھ ارب ڈالر اس فنڈ میں دیئے جو صدر زرداری کے پہلے دورہ امریکہ میں صدر اوبامہ کی زیر صدارت فرینڈز آف ڈیمو کریٹک پاکستان کے تاسیسی اجلاس میں قائم کیا گیا تھا۔ حلوہ کھانے کے لیئے سب تیار ہیں لیکن گالیاں کھانے کے لیئے فوج اور اس کا سابق سربراہ جنرل پرویز مشرف۔ اور اب جنرل راحیل شریف کو بھی نشانے پر رکھ لیا گیا ہے۔

ایک فیشنی بات یہ کی جاتی ہے کہ فوج ملک کا دفاع کرے تو اس کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے مگر دفاع کی تعریف بھی ہر ایک کی اپنی ہے۔ یہی فوج مشرقی پاکستان کا دفاع کر رہی تھی تو یہ فیشنی باتیں کرنے والے، مکتی باہنی کے ساتھ تھے اور آج وہ بنگلہ دیش سے اس کارنامے پر تمغے وصول کرتے ہیں۔ اب یہی فوج بارہ برس سے دہشت گردوں سے برسر پیکار ہے تو بھی یہ گردن زدنی ہے، اس کے مقابلے میں کتوں کو شہید کہا جاتا ہے۔ صد افسوس! صد افسوس!

حکومت اور فوج کی اس لڑائی کی وجہ جنرل مشرف کا ٹرائل ہے یا دہشت گردوں سے مذاکرات یا بغیر کوئی فائدہ اٹھائے دہشت گرد قیدیوں کی رہائی یا بلاوجہ بھارت سے حکومتی عشق۔ مگر فوج کی ایسی درگت بنی کہ آرمی چیف کو بولنا پڑا اور بجائے اس کے کہ فوج کے افسروں اور جوانوں کی تالیف قلب کا اہتمام کیا جاتا، الٹا خواجہ سعد رفیق نے اصرار کیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا، وہ درست کہا اور وہ آئندہ بھی ایسا کہتے رہیں گے۔ خواجہ سعد رفیق کے والد کی شہادت عمل میں آئی تھی، یہ سانحہ کسی فوجی حکومت کے دور میں نہیں، ایک خالص جمہوری منتخب حکومت کے دور میں رونما ہوا۔ اور یہ افسوسناک سانحہ تھا مگر خواجہ صاحب کے حواس پر فوج کا بھوت کیوں سوار ہو گیا، کسی دن ملاقات ہو تو سمجھنے کی کوشش کروں گا اور قارئین کو بھی سمجھاؤں گا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار مسلم لیگ ہاؤس میں ایم اے او کالج کے ایک جتھے کے نرغے سے میاں نواز شریف کو بسلامت نکالنے والے، بھولے کے بھائی انوار شیخ تھے جنہوں نے ایک باز کی طرح نواز شریف کو

اس محاصرے سے اچک لیا اور کندھوں پر اٹھا کر باہر گاڑی میں جا بٹھایا۔ ان نوجوانوں میں سے کوئی تو مجھے بتائے کہ انہیں نواز شریف سے اختلاف کیا تھا۔ اور آج وہ ان کی محبت سے سرشار کیوں ہیں اور کیا یہ محبت جاودانی ہے۔ میں نے خواجہ سعد کا ایک آرٹیکل اخبارات میں پڑھا ہے، اس نے آگ کو ٹھنڈا کرنے کے بجائے اس کی آنچ کو مزید تیز کر دیا ہے۔ اور اگر خواجہ سعد کا مقصد یہی تھا، تو میدان جنگ سے باہر بیٹھے ایک تجزیہ نگار کی رو سے میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس مقصد میں کامیاب رہے۔ اب میرا مشورہ فوج کیلیئے یہ ہے کہ وہ صبر اور حوصلے سے کام لے، کسی انفرادی فعل کی بنا پر اسے پاکستان کے دفاع کے ارفع ترین مقصد سے توجہ نہیں ہٹانی چاہیئے۔ خواجہ سعد کے لیئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ اپنے محکمے پر توجہ دیں، ریلوے کی حالت زار کو سنبھالیں، خواجہ سعد نہ تو وزیر قانون ہیں، نہ وزیر انصاف ہیں، نہ وزیر دفاع، نہ وزیر اطلاعات، جس کا کام اسی کو ساجھے، وہ جمہوریت پر کرم فرمائیں اور دوسرے وزرا کے محکموں میں مداخلت نہ فرمائیں، یہی جمہوریت کی روح ہے۔

خواجہ سعد کا اصرار یہ ہے کہ وہ آمریت کے خلاف بولتے رہے ہیں، آج بھی آمریت کے بارے میں ان کے نظریات وہی ہیں، یہ اچھی بات ہے، انسان کو اپنے نظریات پر کاربند رہنا چاہیئے اور آمریت کی مخالفت تو بہر حال کرنی چاہیئے مگر خواجہ سعد کی اطلاع کے لیئے عرض ہے کہ ملک میں اس وقت ممنون حسین منتخب صدر ہیں اور نواز شریف منتخب وزیر اعظم، چاروں صوبوں میں منتخب وزرائے اعلیٰ موجود ہیں، منتخب پارلیمنٹ کام کر رہی ہے جس میں خواجہ سعد کی پارٹی ن لیگ کو اکثریت حاصل ہے، آج آمریت کی بحث کہاں سے کھڑی ہو گئی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر پر بات کی جاتی تھی، آج ہٹلر کو لتاڑنے سے پاکستان ریلوے فراٹے نہیں بھر سکتی۔ اور اگر ملک کے ایک آمر کو سزا دینی ہے تو وہ خصوصی عدالت کا کام ہے یا پراسیکیوٹر اکرم شیخ کا، خواجہ سعد رفیق کا اس سے کیا لینا دینا۔

بے وقت کی اذان صرف مرغا دیتا ہے اور اس کی اذان روا نہیں ہوتی۔ خواجہ سعد مرغا نہ بنیں۔

(16 اپریل 2014ء)

اوراب انتقام کا الجبرا!

آرمی چیف نے کہا ہے کہ اپنے ادارے کے وقار کا تحفظ کروں گا۔

میری مانیں تو باقی ادارے اپنے وقار کا تحفظ کریں اور اس اصول پر عمل کریں کہ عزت دو اور عزت لو۔

ایک زمانہ تھا قادیانوں کے خلاف تحریک چلی، میں ان دنوں صرف سات برس کا تھا۔ اس تحریک نے تشدد کا راستہ اختیار کرلیا، سیالکوٹ میں ایک مشہور سیاسی لیڈر پر کسی کو شک گزرا کہ وہ قادیانی ہے، اس کا منہ کالا کیا گیا، ایک گدھے پر بٹھایا گیا اور پورے شہر میں گھمایا گیا۔ مجھے اس لیڈر کا نام یاد نہیں، تحریک ختم نبوت کے بزرگ میری مدد کریں، ریکارڈ درست رکھنے کے لیئے۔

اسی طرح ایوب دور میں صدارتی انتخاب ہوا، تب میں ہائی اسکول کا طالب علم تھا اور اخبارات تک رسائی ہفتے بعد ہوتی تھی، ڈھیر سارے ٹی وی چینل بھی ناپید تھے، میں نے سنا کہ گوجرانوالہ میں ایک سیاسی لیڈر نے ایک گتے پر کسی کا نام لکھا، اسے ایک بھدی، خارش کی ماری کالی کتیا کے گلے میں لٹکایا اور پورے شہر میں گھمایا، پرانے سیاسی کارکن مجھے اس ہستی کے نام گرامی سے مطلع کریں۔ ریکارڈ درست رکھنے کے لیئے۔

یہ زمانہ میرے شعور کے بیدار ہونے کا تھا، کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ ایوب خان کے مادر ملت کے خلاف صدارتی الیکشن ایجنٹ کے طور پر ایک وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے فرائض ادا کیئے۔ اسی وزیر سے یہ بیان بھی منسوب ہوا کہ کنونشن لیگ کو عوام پر مسلط کرنے کے لیئے ہر ضلع کے ڈپٹی کمشنر کو اس کا سیکرٹری بنا دیا جائے۔ اسی وزیر کو اپنے فیلڈ مارشل سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ اسے ڈیڈی کے نام سے پکارتے تھے۔ پھر

میں نے سنا کہ یہ وزیر صاحب فیلڈ مارشل کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے۔اور تاشقند کے رازوں کی تھیلی لے کر قریہ قریہ گھوم گئے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وزیر کو اپوزیشن کی سیاست میں ایوب خاں نے مک مکا کے تحت خود لانچ کیا تھا، یا اس زمانے میں بھی کوئی آئی ایس آئی تھی یا اس پر کوئی بیرونی ایجنسی مہربان تھی کیونکہ اس کے بعد جتنے بھی لوگ سیاست میں متحرک ہوئے، ہم سب نے اپنی آنکھوں سے ان کو پتلیوں کی طرح کسی کے ہاتھوں ناچتے دیکھا۔نواز شریف کس نرسری کے گملے میں کاشت کیئے گئے۔ان کو مضبوط بنانے کے لیئے مہران بنک کے خزانوں کے منہ کس نے کھولے۔ یہ بہت دور کے زمانے کی باتیں نہیں، وزیر اعظم بے نظیر کے خلاف چار کے ٹولے نے بغاوت کی، یہ اسی کی پارٹی کے لوگ تھے، ابھی ہمارے سامنے پندرہ سال پرانی تحریک انصاف میں نئی جان پڑی تو ن لیگ نے انکشاف کیا کہ اس کی پشت پناہی آئی ایس آئی کے جنرل پاشا فرما رہے ہیں۔جس دن جنرل پاشا ریٹائر ہوئے، اس روز ٹی وی کیمروں کے سامنے چودھری نثار نے کہا کہ مجھے ایک سیاسی جماعت کے یتیم ہو جانے کا دکھ ہے۔

اس پس منظر میں جب میں یہ دعوے سنتا ہوں کہ آئین، جمہوریت اور پارلیمنٹ کو بالا دستی حاصل ہے تو میرا قہقہہ نکل جاتا ہے۔

آئین، پارلیمنٹ اور جمہوری عمل کی بالا دستی کو جس طرح پچھلے چیف جسٹس کے دور میں رولا گیا، مجھے اس پر کوئی خوشی نہیں مگر جو ہوا سب کے سامنے ہوا، جمہوری حکومت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی، پارلیمنٹ کو حکم ملتا تھا کہ آئین میں فلاں ترمیم کر لو ورنہ ہمارا فیصلہ خود بخود آئین کا حصہ بن جائے گا۔ایک ٹی وی چینل پر خبر چلتی تھی، اس پر اگلی صبح اور بعض اوقات آدھی رات کو عدالتی فیصلہ آ جاتا تھا۔ میں یاد دلا دوں کہ جمہوریت، آئین اور پارلیمنٹ کے ساتھ یہ سلوک جی ایچ کیو یا آئی ایس آئی کی طرف سے نہیں کیا جا رہا تھا بلکہ آئین کی شارح اور محافظ عدلیہ کر رہی تھی، اس دور میں ہما شما تو کسی قطار شمار میں نہ تھے، کوئی گنتی نہیں کہ کس کس کو عدالتی حکم کے تحت گھر بھیجا گیا مگر پارلیمنٹ کے متفقہ ووٹ سے منتخب ہونے والے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو بھی عدلیہ نے گھر بھیجا۔

ہماری تاریخ میں ایک حکومت ایوب خان نے ختم کی، دوسری ضیاالحق نے اور تیسری مشرف کے جرنیلوں نے۔

لیکن دنیائے اسلام کی پہلی مسلم خاتون وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو ایک سویلین صدر اسحاق خاں نے

گھر بھیجا، اسی سویلین صدر نے نواز شریف کو گھر بھیجنے کا شوق پورا کیا۔محترمہ بھٹو دوسری مرتبہ اپنی ہی پارٹی کے مقرر کردہ صدر فاروق لغاری کے ہاتھوں رخصت ہوئیں۔تو حساب کتاب میں تین وزیراعظم جرنیلوں نے گھر بھیجے اور تین وزیراعظم سویلین صدور نے گھر بھیجے، ایک وزیراعظم کو عدلیہ نے گھر بھیجا۔

ایک وزیراعظم بھٹو کو فوجی حکومت نے پھانسی دی، مگر ایک فوجی سربراہ ضیاالحق، حادثے کا شکار ہوا، اس کا جہاز بہاولپور کی فضاؤں میں پھٹا، یہ صوبہ اس وقت وزیراعلیٰ نواز شریف کی عملداری میں تھا لیکن اس وزیراعلیٰ نے اس حادثے کی تحقیقات میں کیا دلچسپی لی، بعد میں ایک آرمی چیف آصف نواز کو نواز شریف دور میں اس قدر دباؤ کا شکار کیا گیا کہ وہ دل کے دورے سے جاں بحق ہو گئے، ایک آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت سے نواز شریف دور میں استعفا لیا گیا اور ایک آرمی چیف جنرل مشرف کو نواز شریف نے اس وقت ہٹایا جب وہ ملک میں موجود ہی نہ تھے، ایک آرمی چیف جنرل گل حسن کو غلام مصطفیٰ کھر نے کار میں اغوا کر کے استعفا لیا۔

اب حساب کتاب کی رو سے گنتی کر لیجیئے کہ سویلین اور سویلین کے جھگڑے میں کتنی منتخب حکومتیں ختم ہوئیں، فوجی حکومتوں نے کتنے سویلین وزیراعظموں کو پھانسی دی، اور سویلین وزیراعظموں کے دور میں کتنے آرمی چیف یا تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے یا اپنے منصب سے، حساب کے فارمولے سے جواب نہ ملے تو الجبرے کا فارمولہ استعمال کر لیجیئے اور دھیان رہے کہ اسلامی تاریخ میں صرف ایک خلیفہ نے اپنے آرمی چیف کو گھر بھیجا تھا۔۔

بس بھئی بس، بہت ہو چکی، سویلین نے برا کیا یا فوجی جرنیلوں نے، مگر اب بس بھی کریں، بہت تماشہ لگ چکا، اسی تماشے میں ہم قائداعظم کا عطا کردہ ملک آدھا کر چکے، باقی ملک لہولہان ہے، اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے، جہالت کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے، قحط اور بیماریوں کے ہاتھوں جاں بلب ہے۔کسی ایک کو اپنے وقار کا خیال ہے، کوئی دوسرا اپنے وقار کے لیئے تڑپ رہا ہے۔کیوں نہ ہم سب ایک دوسرے کی عزت کریں۔اور ملک کے وقار میں اضافہ کریں۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہماری بربادیوں کے مشورے آسمانوں پر نہیں، ہمارے آس پاس ہو رہے ہیں، ہم خود کر رہے ہیں اور اگر ہم نے مرغوں والی لڑائی بند نہ کی تو ہماری داستاں تک داستانوں میں نہیں ہوگی۔(12 اپریل 2014ء)

تربیلا سے براہ راست

نئے آرمی چیف کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ چند حکومتی وزرا شاید یہی چاہتے تھے۔ وہ کئی مہینوں سے شہ دے رہے تھے۔ مقصد یہ دیکھنا تھا کہ جنرل راحیل شریف کے صبر کا پیمانہ کب لبریز ہوتا ہے۔

تربیلا میں پاک فوج کے کمانڈوز کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ دنیا ان کمانڈوز کے تصور سے تھر تھر کانپتی ہے۔ مشرف نے کسی زمانے میں کہا تھا کہ ڈرتا ورتا کسی سے نہیں، کمانڈو ہوں۔ مگر اب اس کمانڈو کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا ہے۔ ایک ساتھ کئی مقدمے بنا دیئے گئے ہیں۔ سب سے سنگین مقدمہ غداری کا ہے، مگر بگٹی قتل اور لال مسجد کی سنگینی بھی کم نہیں۔ سزا ہر ایک میں موت کی ہے۔ مشرف اول تو عدالتوں میں کم ہی پیش ہوتے ہیں، اور اگر وہ پیش ہونا بھی چاہیں تو ایک دن میں ڈھیر ساری پیشیاں وہ بھگتا بھی نہیں سکتے۔ کچھ عرصہ انہوں نے فوجی ہسپتال میں گزارا۔ حکومتی وزرا انہیں اکساتے رہے کہ بھائی کمانڈو صاحب، چھپے کیوں بیٹھے ہو اور وہ بھی فوجی ہسپتال میں۔ اس ایک فقرے میں کئی طنز چھپے ہیں۔ ایک تو کمانڈو کی پھبتی اور دوسرے فوجی ہسپتال کو مسلسل رگڑا، تیسرے فوج پر ان کی پشت پناہی کا الزام۔ عدالتوں میں پیشی سے بچنے کے لیئے کسی بھی ملزم کو قانونی حق حاصل ہے، ان میں میڈیکل سرٹی فکیٹ پہلا اور آزمودہ نسخہ ہے جو اکثر ملزم کامیابی سے استعمال کرتے ہیں مگر حکومتی وزرا نے کسی عدالت میں زیر سماعت مقدمے کے ملزم پر ایسی پھبتی کبھی نہیں کسی، نہ سول سوسائٹی نے آج تک کسی ملزم کی نیت یا اس کے کردار پر اس بری طرح سے حملے کیئے ہیں۔ بہادر آدمی جاوید ہاشمی دانتوں کے معائنے کے لیئے جیل سے سروسز ہسپتال آیا کرتے تھے، ہم لوگ ان کے گرد منڈلی لگاتے تھے،

زرداری نے ساری دوستیوں کی بنیاد پنڈی کی کچہری کے احاطے میں رکھی۔ منظور وٹو نے کئی الیکشن لاہور میں دل کے ہسپتال کے وی آئی پی کمرے میں لیٹ کر لڑے اور جیتے۔

زیر سماعت مقدمات پر کبھی تبصرے نہیں کیئے جاتے، سب جیوڈس کی ایک اصطلاح اسی لیئے ایجاد کی گئی تھی۔ مگراب مقدمے عدالتوں کے بجائے ٹاک شوز میں لڑنے کا رواج چل نکلا ہے۔ مشرف کا کوئی مقدمہ ابھی ڈھنگ سے شروع نہیں ہوا لیکن دونوں طرف سے دلائل کا ایک انبار ہے جو ٹی وی اینکرز لگا چکے ہیں اور ان پر قریب قریب اپنے فیصلے سنا چکے ہیں یا ان کی خواہش ہے کہ فیصلے اسی طرح کے کیئے جائیں۔

فوج یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ اس کے سامنے کون سا راستہ کھلا تھا۔ ایک تو یہ کہ مشرف کو عدالتوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ کام اسی صورت میں ہوسکتا تھا جب مشرف کے مخالفین بھی خاموش رہتے اور عدالتوں کو اپنا کام کرنے دیتے۔ فوج نے بہرحال خاموشی اختیار کیئے رکھی، کئی ماہ تک دیکھو اور انتظار کرو کی پالسی پر عمل کیا۔ مگر دوسرا فریق مشرف کے ٹرائل کے بجائے فوج کے ٹرائل پر تلا ہوا تھا۔ مجھے اس ایجنڈے میں بھی کوئی خرابی نظر نہیں آتی بشرطیکہ ایوب خان، ان کے فوجی کمانڈرز، کنونشن لیگی ساتھی، نظریہ ضرورت ایجاد کرنے والی عدلیہ اور دانشور بیوروکریسی پر بھی مقدمہ قائم کیا جاتا۔ اسی طرح یحیٰ خان اور ضیاالحق کو بھی کٹہرے میں لایا جاتا اور جنرل اسلم بیگ دور میں آئی ایس آئی کی مداخلت اور سیاسی اتحاد بنانے والے ٹولے پر بھی فرد جرم عائد کی جاتی، اسی طرح مشرف پر بارہ اکتوبر کے اقدام پر مقدمہ دائر کیا جاتا اور اس کی حامی پی سی او زدہ عدلیہ، ق لیگ، ایم ایم اے، تحریک انصاف، ایم کیو ایم اور پیٹریاٹ وغیرہ کا بھی احتساب کیا جاتا۔ بھٹو صاحب بھی سول مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنے، اور اس سے چند روز پہلے پاکستان بھی ٹوٹا۔ ان کے مقدمے تو بے حد ضروری تھے۔ یہ سب کچھ پنڈورا باکس کھولنے کے مترادف ہوتا لیکن قومی تطہیر کے لیئے یہ ضروری تھا۔ کوئی بھی یہ عذر نہیں تراش سکتا کہ ان جرائم کو ایک زمانہ گزر گیا، قانون اور آئین اتنی دیر بعد ایسے مقدمے کھولنے کے حق میں نہیں۔ بگٹی، لال مسجد، اور نومبر ایمرجنسی بھی کوئی آج کل کی بات نہیں، درمیان میں زرداری حکومت نے پانچ سال پورے کیئے، ان کے ساتھ ہی ن لیگی وزرا نے بھی مشرف سے حلف لیا۔ اسوقت انہیں کوئی مقدمہ یاد نہیں آیا تو اب ایک مقدمہ چلا کر سارا حساب کیسے برابر کیا جاسکتا ہے، ماضی کے مجرموں کو کھلا چھوڑنا کونسا انصاف ہے۔

ہمارے لیئے آج رول ماڈل ترکی بنا ہوا ہے، وہاں ایک حکمران کی ہڈیاں قبر سے نکال کر اُسے پھانسی دی

گئی۔تو ہمارے غاصب حکمران قبروں میں سکون سے محو استراحت کیوں ہیں۔ترکی کے نقش قدم پر چلنا ہے تو ہمیں سیدھے سبھاؤ اپنی فوج شام کی جنگ میں جھونک دینی چاہیئے جیسا کہ ترکی کر چکا ہے۔ترکی نے سوشل میڈیا پر بھی قدغنیں عائد کردی ہیں،کیا ہم بھی یہ شوق پورا کریں گے۔

میں نے حالات کا جو نقشہ پیش کیا ہے،وہ سر چکرانے کے لیئے کافی ہے۔آپ کا نہیں چکرایا تو میرا ضرور چکرا گیا ہے،میں نے پچھلے تین ماہ میں اس موضوع پر اسی لیئے قلم نہیں اٹھایا۔میں چاہتا تھا کہ مشرف کے ساتھ جو ہونا ہے،وہ جلدی سے ہو جائے مگر مشرف کو کسی نے ابھی تک کوئی سزا نہیں دی،صرف فوج کو بے نقط سنائی گئی ہیں۔میں پھر کہتا ہوں کہ عدالت قانون کے تحت مشرف کو سو بار پھانسی دے دے،کوئی قیامت نہیں آئے گی،بھٹو کو پھانسی دے دی گئی،بے نظیر کو شہید کر دیا گیا،طالبان نے پچاس ہزار بے گناہ پاکستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا مگر کارخانہ قدرت ایک لمحے کے لیئے رکا نہیں۔مگر مشرف کو پھانسی دینا شاید مقصود ہی نہیں،مقصد فوج کو فتح کرنا ہے،طالبان تو بارہ سال میں نہیں کر سکے،امریکی اور نیٹو افواج بھی پاک فوج کو فتح نہیں کر سکیں،تین چار جنگوں میں بھارتی فوج بھی یہ گوہر مقصود نہیں پا سکی۔تو بہتر یہ ہوگا کہ ہماری حکومت یہ خواہش ترک کر دے۔

آرمی چیف کے حوالے سے جو پریس ریلیز سامنے آئی ہے،میں نے اس کا مائیکروسکوپ کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔اس پریس ریلیز کے کل ایک سو ستانوے الفاظ ہیں،تین پیراگراف ہیں اور آخری پیراگراف میں صرف انچاس الفاظ ہیں۔میڈیا نے پہلے دونوں پیراگرافوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں ملک کو درپیش سنگین مسائل کا ذکر ہے،فوج کی لازوال قربانیوں کا ذکر ہے۔آخری انچاس الفاظ کو پکڑ کر دھول اڑائی جا رہی ہے۔یہ الفاظ بھی پہلے ایک سو اڑتالیس الفاظ کو مؤثر بنانے اور افسروں اور جوانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیئے ضروری ہیں مگر انہیں سیاق و سباق سے الگ کر کے فوج اور منتخب حکومت کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا گیا ہے۔

میرا دل کہتا ہے کہ جو عناصر اس نظام کو تلپٹ کرنا چاہتے ہیں،ان کے مذموم عزائم پورے نہیں ہوں گے۔ہماری فوج چھ برس سے سیاست کی آلائشوں سے دور ہے،اس کے نئے چیف نے صرف وقار کا سوال اٹھایا ہے۔ملکی آئین ہر شہری کی عزت نفس کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔فوج کو بھی عزت نفس چاہیئے۔اور یہ کوئی بڑا سوال نہیں،آرمی چیف نے کھیلن کو چاند نہیں مانگا۔

منہ بند رکھنے کا سوال ہے بابا۔(9 اپریل 2014)

آؤ بچو سیر کراؤں تم کو میں ایواکس کی

صوفی تبسم اور قیوم نظر اگر بچوں کے لیئے نظمیں لکھ سکتے تھے تو میں بچوں کی دلچسپی کا ایک کالم کیوں نہ لکھوں۔ بچوں نے لاہور کی چوبرجی گراؤنڈ میں ایک طیارے کو باہر اور اندر سے کئی بار دیکھا ہوگا، ایک طیارہ لاہور کے چائنا چوک میں گڑا ہوا ہے، عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایم ایم عالم کا طیارہ تھا۔ اس کے پہلو میں ایک تختی نصب ہے جس پر شاہراہ ڈاکٹر مجید نظامی کندہ ہے۔ اور یہ ایم ایم عالم اور ڈاکٹر مجید نظامی میرے دل ودماغ اور میرے احساسات میں بری طرح حلول کر گئے ہیں۔ پچھلے دور کے بچے الف لیلیٰ کی کہانیاں پڑھتے تھے، ان میں اڑن کھٹولوں کا ذکر ہوتا تھا۔ ان پر بیٹھ کر بادشاہ فضاؤں میں تیرا کرتے تھے، ان کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہوتا تھا جن سے وہ پوری دنیا کی خبروں سے آگاہی حاصل کرتے تھے، یہ اس زمانے کا گوگل تھا۔ کچھ عرصہ پہلے کنٹرول لائن پر جھڑپیں شروع ہوئیں۔ بھارت میں ایک چیئر مین جائنٹ اسٹاف کا منصب ہے، اس پر ان کے ایئر چیف براجمان ہیں۔ انہوں نے دھمکی دی کہ پاکستان کو نشان عبرت بنا دیا جائے گا۔ ہمارے ہاں ان دنوں فضائیہ کی مشقیں جاری تھیں، ہمارے ایئر چیف طاہر رفیق بٹ ایک طیارے میں بیٹھے، اسے فضاؤں میں بلند کر دیا، اس وقت ہماری فضاؤں میں ایک ایواکس طیارہ بھی محو پرواز تھا، اس میں ہمارے آرمی چیف جنرل کیانی بھی موجود تھے۔ ہماری دوافواج کے سربراہوں نے بھارتی ایئر چیف کو علامتی طور پر بتایا کہ مہاراج! ہم آپ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیئے تیار ہیں۔

ایواکس کے بارے میں آپ سب نے یہ خبر بھی پڑھی ہوگی کہ کامرہ کے نواح میں منہاس ایئر بیس پر آٹھ دہشت گردوں نے حملہ کیا۔ اگرچہ یہ تمام حملہ آور مارے گئے لیکن مرنے سے پہلے دہشت گردوں نے اپنا نصب العین پورا کر لیا تھا، بیس پر موجود ایک ایواکس طیارے کو تباہ کر دیا گیا۔ رانا ثنا اللہ تو جنوبی پنجاب کے طالبان کے وجود سے انکار کرتے ہیں لیکن کامرہ پر حملے میں ایک دہشت گرد، لاہور سے صرف تیس منٹ کی ڈرائیو پر قصور کے سرحدی گاؤں برج کلاں کا رہائشی تھا۔ اس کے باپ کو گرفتار کر لیا گیا۔

کراچی میں بحریہ کی مہران بیس پر دہشت گردوں نے حملہ کیا اور ایک اورین طیارے کو تباہ کر دیا۔ اورین طیارہ سمندر میں دشمن کی آبدوزوں اور بحری جہازوں کی جاسوسی اور نگرانی کے کام آتا ہے۔

دہشت گردی کے ان دو واقعات کو کئی برس گزر گئے، میں آج تک نہیں جان سکا کہ دہشت گردوں کو ایواکس اور اورین طیاروں کی تباہی سے کیا دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی یہ سوچ کر دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ دہشت گردوں کے پاس ریموٹ کنٹرول بم، خودکش بچوں اور خواتین کا ایک لشکر تو موجود ہے۔ پچھلے ماہ لال مسجد والے ایک مولانا نے کہا تھا کہ کیا ہوا جو پاکستان کے پاس ایف سولہ کا بیڑا ہے لیکن طالبان کے پاس خودکش بمباروں کا جتھہ ہے، اور پانچ سو خودکش خواتین حملے کے لیئے تیار بیٹھی ہیں۔ مولانا کے دعوے کے مطابق ان خودکش حملوں نے عراق اور افغانستان میں امریکی اور اس کی اتحادی افواج کو شکست سے دوچار کیا، پاکستان کس کھیت کی مولی ہے۔ وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ مگر شاید پورا سچ انہوں نے نہیں بولا، میرا خیال ہے کہ دہشت گردوں کے پاس آبدوزیں، فری گیٹس، تباہ کن بحری بیڑا، بمبار اور لڑاکا طیاروں کا لشکر بھی موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پاک فضائیہ کا ایواکس اور پاک بحریہ کے اورین کو تباہ کرنا ضروری سمجھا۔

میں نے کوئی بڑ نہیں ہانکی۔ ایواکس اور اورین طیارے آج تک دہشت گردی کی جنگ میں استعمال نہیں ہوئے، اس لیئے کہ اس جنگ میں ان کا کوئی استعمال ہے ہی نہیں۔ ایک بار جنرل مشرف نے یونہی بے پر کی اڑائی تھی کہ وہ زمانہ لد گیا جب بلوچ شرپسند پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چھپتے تھے، اب پاکستان کے پاس ایسے آلات موجود ہیں کہ وہ ان بلوچ شرپسندوں کو ان کی خفیہ پناہ گاہوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کی یہ سرے سے بے بنیاد دعویٰ تھا، امریکہ کے پاس ڈرون ٹیکنالوجی موجود ہے جس سے وہ ٹھیک نشانے پر میزائل گرا سکتا ہے لیکن اس نشانے کی نشاندہی کسی پیدل کو ہی کرنا پڑتی ہے اور وہی اس

نشانے پر ایک چپ نصب کرتا ہے، ڈرون کا میزائل تو صرف اس چپ کا پیچھا کرتا ہے۔ ڈرون خود تو ننگی یا خفیہ آنکھ سے کسی ٹارگٹ کو تلاش کرنے سے قاصر ہے۔

تو کیا پاکستان میں دہشت گردی پھیلانے والوں کے پاس واقعی آبدوزیں، فری گیٹس، لڑاکا اور بمبار طیارے موجود ہیں، مجھے تو یقین ہے کہ ان کے پاس موجود ہیں۔ ورنہ انہیں ہمارا اواکس اور اورین طیارہ تباہ کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی۔ اواکس طیارہ بیس ہزار فٹ کی بلندی پر اپنے اردگرد ساڑھے چار سو کلو میٹر میل دور، اوپر، سامنے یا نیچے فضا میں ایک سو ساٹھ ڈگری پر دشمن کے جہازوں کا سراغ لگا سکتا ہے، اس کا رابطہ زمین پر ایئر فورس کے کنٹرول روم سے بھی ہوتا ہے اور فضا میں محو پرواز ایف سولہ کے ریڈار سے بھی وہ اپنی معلومات شیئر کرتا ہے۔ پاکستان کے پاس سویڈن اور چین کے بنے ہوئے اواکس کا بیڑا ہے، اس بیڑے کی وجہ سے پی اے ایف کا شمار دنیا کی بہترین ایئر فورسز میں ہوتا ہے، اسے جدید خطوط پر استوار کرنے میں راؤ قمر کی کاوشوں کا حصہ ہے لیکن قوم کا یہ ہیرو ریٹائرمنٹ کے بعد مہینوں تک لاہور کے ایک ہسپتال میں بے ہوش پڑا رہا، شاید ہی کوئی اس کی مزاج پرسی کے لیئے گیا ہو۔ مگر اس کے حاصل کردہ اواکس طیارے کو تباہ کرنے والوں کے ساتھ ایک نہیں کئی کمیٹیاں کام کر رہی ہیں، میجر عامر کی کمیٹی توڑ دی گئی ہے مگر وہ اب بھی مذاکرات میں بیٹھنے کا شوق پورا کر رہا ہے۔

مذاکرات ضرور ہونے چاہئیں۔ معلوم نہیں کہ ان مذاکرات میں ہمارے رابطہ کاروں نے طالبان سے سوال کیا ہے یا نہیں کہ حضور، اواکس اور اورین جاسوس طیارے کیوں تباہ کیئے جو سراسر بھارت کی فضائی اور بحری جارحیت کو روکنے میں کام آنے تھے، آپ نے ہمیں بھارت کے مقابلے میں کمزور کیوں کیا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ کامرہ اور مہران بیس پر حملہ کرنے والوں نے بھارتی عزائم کی تکمیل کی ہو۔

تو کیا اس کا تقاضہ یہ نہیں کہ ہم شملہ معاہدے کے تحت اس معاملے پر براہ راست بھارت سے مذاکرات کریں، پراکسی طاقت کے ساتھ سر کھپانے کی کیا ضرورت۔ میرا یہ سوال میجر عامر اور پروفیسر ابراہیم دونوں سے ہے، وہ فواد حسن فواد کے ذریعے اپنے جواب سے قوم کو بہرہ مند فرمائیں۔ منور حسن ابھی تک جماعت کے امیر ہیں۔ عہدہ چھوڑنے سے پہلے وہی اس مسئلے پر لب کشائی فرمائیں۔ (8 اپریل 2014ء)

ایٹم بم اور توپ کا زمانہ لد گیا، سراج الحق کا آ گیا

میں نے اس کالم کی ہنڈیا چولھے پر چڑھا رکھی تھی، خیال یہ تھا کہ سراج الحق کے حلف کی تاریخ تک پک جائے گی مگر نوائے وقت کے آخری صفحہ پر شائع ہونے والے اس بیان نے آنچ تیز کر دی کہ ایٹم بم اور توپ کا زمانہ لد گیا، اپنی طرف سے صحیح کہا ہو گا سراج الحق صاحب نے، کیونکہ امریکہ بھی یہی کہتا ہے کہ ایٹم بم اور توپ کا زمانہ لد گیا، جو کرنا ہے مذاکرات سے کرو، طالبان سے مذاکرات، کرزئی سے مذاکرات، بھارت سے مذاکرات اور شاید کچھ دنوں میں ایران کے ساتھ مذاکرات۔ مگر امریکہ خود مذاکرات کے بجائے ڈرون طیارے، بی باون اور کروز میزائل کا استعمال کرتا ہے۔ عراق میں کرتا ہے، یمن میں کرتا ہے، افغانستان میں کرتا ہے، پاکستان میں کرتا ہے اور ہمیں مذاکرات کے ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا دیا ہے، ہمارے وزیر داخلہ رونا روتے ہیں کہ جب مذاکرات کامیاب ہونے لگتے ہیں تو امریکہ ڈرون مار دیتا ہے۔

سراج الحق جماعت اسلامی کے نئے امیر بن گئے، کہا گیا کہ یہ نرم انقلاب ہے۔ ان سے پہلے کے امیر ،منور حسن اپنے اس فتوے کی وجہ سے مشہور ہوئے کہ پاکستان کا کوئی فوجی اگر امریکہ کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا تو اسے شہید نہیں کہا جا سکتا۔ فوج نے جماعت اسلامی سے مطالبہ کیا کہ منور حسن کا بیان واپس لیا جائے لیکن جماعت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، الٹا وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ فوج کے خلاف کارروائی کریں، وزیر اعظم رحمدل نکلے، خاموش ہو رہے۔

منور حسن کا یہ بیان مشرف دور میں آتا تو اس پر اسی طرح پابندی عائد کر دی جاتی جیسے سعودی عرب اور مصر

نے اخوان المسلمین پر عائد کر دی ہے، ان دونوں ملکوں نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس تنظیم کو دہشت گرد بھی قرار دے دیا، مصر نے تو اخوان راہنماؤں اور کارکنوں پر اجتماعی مقدمے چلائے ہیں اور تھوک کے حساب سے پھانسی کی سزائیں سنا ڈالی ہیں، ان سب کا رول ماڈل بنگلہ دیش کی حسینہ واجد ہیں۔

جماعت کی سوچ میں وقت کے ساتھ تبدیلی آتی رہی ہے، اتفاق کی بات ہے کہ یہی تبدیلی امریکی سوچ میں بھی رونما ہوتی رہی۔ایک زمانہ تھا جب مولانا مودودی کی قیادت میں جماعت اسلامی سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف قلمی جہاد کر رہی تھی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب امریکہ بھی سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف پروپیگنڈے کی جنگ بھڑکا چکا تھا۔اگلا مرحلہ جہاد بالسیف کا تھا، اس کا موقع خود روس نے فراہم کیا، اس کی فوجیں گرم پانیوں کی تلاش میں ملک سے نکلیں، ان کا پہلا پڑاؤ افغانستان تھا۔امریکہ نے اس کے خلاف جہاد کا بگل بجا دیا۔ جماعت اسلامی کی امارت کے منصب پر قاضی حسین احمد سرفراز ہو چکے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی مجاہدین نے افغانستان کو روسی افواج کے مرگھٹ میں تبدیل کر دیا۔

افواج پاکستان اور جماعت اسلامی کی قربت جنرل یحیی خاں کے دور میں شروع ہوئی، اس نے ایک آئین بنایا جسے اس وقت کے امیر میاں طفیل محمد نے عین اسلامی قرار دیا، یہ وہ زمانہ ہے جب مشرقی پاکستان میں پاک فوج مکتی باہنی سے نبرد آزما تھی، شیخ مجیب الرحمٰن کی انتخابی کامیابی کالعدم ہو چکی تھی اور نئے مگر یک طرفہ انتخابات میں جماعت اسلامی کے امیدوار سو فیصد کامیابی حاصل کر کے ڈھاکہ کی کابینہ میں شامل ہو چکے تھے۔حالات زیادہ بگڑے تو جماعت اسلامی نے البدر اور الشمس تشکیل دے کر فوج کے شانہ بشانہ جنگ لڑی۔مگر سوئے اتفاق سے اس میں پاک فوج اور جماعت اسلامی کو شکست ہوگئی۔آج کا بنگلہ دیش جماعت کی اس حرکت کو غداری سے تعبیر کرتا ہے۔

جنرل ضیاالحق کے زمانے میں جماعت اور فوج کی قربت دیدنی تھی، جماعت کے چار لیڈروں کو وفاقی کابینہ میں شامل کیا گیا، جنرل ضیا نے شہادت سے پہلے اپنی عمر اور سیاسی میراث نواز شریف کو عطیہ کر دی، جماعت بھی جہیز میں ساتھ گئی۔اور یہ ساتھ اسلامی جمہوری اتحاد کی شکل میں سامنے آیا۔جنرل مشرف کے ساتھ جماعت کی براہ راست قربت تو نظر نہ آئی لیکن جماعت نے ایم ایم اے میں شامل ہو کر مشرف کے سائے میں حکومت کے مزے لیئے۔اس وقت امریکہ افغانستان پر چڑھ دوڑا تھا، پاکستان نے امریکہ کا ساتھ نبھانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر دس برس بعد منور حسن، پاک فوج کے خلاف ڈٹ گئے، اس کی کئی وجوہ ہو سکتی

ہیں مگر بظاہر تحریک طالبان کے لیڈر حکیم اللہ محسود ڈرون کا نشانہ بنے تو قیامت کھڑی کر دی گئی، کسی کو سمجھ نہیں آتا تھی کہ حکیم اللہ اور جماعت کے درمیان قدر مشترک کیا ہے مگر پشاور میں میجر مست گل نے دھماکوں کی ذمے داری قبول کی تو جماعت کے غیظ وغضب کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی۔ علاقے میں کئی ایک تبدیلیوں نے جماعت کے لیئے مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔ پاکستان میں سعودی عرب بھی سرگرم عمل ہے اور ایران بھی متحرک دکھائی دیتا ہے جبکہ امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادی رخت سفر باندھ رہے ہیں۔ یہ ایک بھونچال کی کیفیت ہے جس نے کئیوں کے سر چکرا کے رکھ دیئے ہیں۔ جماعت اسلامی کسی کے کیا قابو آئے گی جبکہ ن لیگ کی انا دیدنی ہے، اس کے ہتھے مشرف چڑھ گیا ہے، مگر جماعت اپنا غصہ کس پر نکالے۔ اس نے زیادہ دلیری دکھانے کے لیئے پوری فوج کو نشانے پر رکھ لیا ہے۔ اس دمادم مست قلندر میں سراج الحق نے جماعت کی کمان سنبھالی تو کچھ لوگوں کو توقع پیدا ہوئی کہ جماعت کے رویہ میں نرمی آجائے گی مگر موصوف، ایٹمی اسلحے اور توپ وتفنگ پر برس پڑے ہیں۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام نہ امریکہ کو پسند ہے، نہ بھارت کو، نہ اسرائیل کو۔ امریکہ کا جس دن زور چلے گا، وہ خدانخواستہ اسے اچک لے جائے گا مگر سراج الحق کو اس ایٹمی اسلحے سے کیا چڑ ہوگئی، وہ فرماتے ہیں کہ اس کی جگہ تعلیم کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، گویا ایٹم بم کسی جولاہے نے کھڈی چلاتے چلاتے بُن لیا اور توپیں اور میزائل کسی بھٹیارن نے اپنی بھٹی میں ڈھالے۔

سراج الحق ایک مذہبی سیاسی جماعت کے امیر ہیں، آئین پاکستان انہیں اظہار رائے کی آزادی دیتا ہے۔ لیکن انہیں دیکھنا یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی قیمت ان کی جماعت اور ان کے ملک کے لیئے کس قدر مہنگی ثابت ہوسکتی ہے۔ منور حسن نے شہدائے پاکستان پر کرم فرمائی کی، اس کے بعد جماعت کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں رہ گئی، بنگلہ دیش جماعت کے خلاف ہے، سعودی عرب اور مصر اس جماعت کے لیئے آئیڈیل اخوان المسلمین پر غضب ڈھا رہے ہیں، ترکی کی اسلامی جمہوری حکومت بھی جماعت اسلامی کے قریب سمجھے جانیوالے فتح اللہ گولن کے سامنے ڈٹ گئی ہے، سراج الحق کو جن چند ہزار کارکنوں کے ووٹوں سے کامیابی ملی ہے، ان کی تعداد اخبارات میں چھپ چکی ہے، اس تعداد کے پیش نظر جماعت کو قومی دھارے کے اندر رہ کر اپنے وجود کو بچانے کا فکر کرنا چاہیئے۔ سراج الحق گورباچوف نہ بنیں۔

قرآن کہتا ہے کہ اپنے گھوڑے تیار رکھو، ہمارا گھوڑا ایٹم بم ہے، ہمارے رسول ﷺ کے ورثے میں کتنی تلواریں اور کتنی زرہ بکتریں تھیں، سراج الحق سیرت کی کسی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (4 اپریل 2014ء)

کیا ایک اور کارگل ہونے جا رہا ہے

آج تک پتا نہیں چل سکا کہ کارگل میں جنگ بندی اور مجاہدین کی پہاڑی چوٹیوں سے واپسی کی درخواست بھارت نے کی تھی اور نواز شریف کو امریکہ کی قومی تعطیل کے روز وائٹ ہاؤس طلب کر کے اس پر عمل درآمد کے لیئے مجبور کیا گیا تھا یا جنرل مشرف کے ایس او ایس پیغام پر وزیر اعظم نے پاک فوج کو ایک مشکل سے نجات دلائی تھی۔

اب طالبان نے سیز فائر کا اعلان کیا ہے، یہ اعلان انہوں نے کمیٹیوں کی دخل در معقولات کے باوجود نہیں کیا تھا۔ بلکہ الٹا دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ کر کے کراچی میں پولیس کمانڈوز کو شہید کیا، پشاور میں ایک سینما کو بار بار خون سے غسل دیا اور انتہا یہ ہوئی کہ درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دو درجن کے قریب سکیوریٹی افراد کے گلے کاٹے، ان کی لاشوں کو بے رحمی سے ٹرکوں سے دھکیلا اور بعض کی گردنوں سے فٹ بال کا میچ کھیلا۔ اور پھر یہ انتظام کیا کہ ان کی شقاوت کے مظاہرے کا پوری دنیا نظارہ کرے، اس مقصد کے لیئے یہ سب کچھ یوٹیوب، فیس بک اور سوشل میڈیا کے دیگر صفحات پر اپ لوڈ کر دیا گیا۔ اس پر سرکاری کمیٹی کو تو سانپ سونگھنا ہی تھا، طالبان کی نامزد کمیٹیوں کو بھی منہ دکھانا ممکن نہ رہا، سمیع الحق تو عمرے پر روانہ ہو گئے، منور حسن اور ان کے چھوٹے مولانا ابراہیم ہی میدان میں شور و غوغا کے لیئے باقی بچے اور وہ دہائی دیتے رہ گئے کہ

سرجیکل اسٹرائیکس کا سلسہ بند کیا جائے مگر اب نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا تھا، فضا میں ایف سولہ دھاڑ رہے تھے اور گھاٹیوں میں رانی توپیں چنگھاڑ رہی تھیں، خدا ان کے بموں اور گولوں سے بچائے، دو ہزار پونڈ وزنی بم پہاڑوں کی بنیادوں پر لرزہ طاری کرنے کے لیئے کافی ہوتا ہے اور شقی سے شقی قلب بھی رانی توپ کے گولوں کے سامنے موم ہو جاتا ہے۔

سرجیکل اسٹرائیکس کا نتیجہ حسب توقع نکلا۔ طالبان نے ایک ماہ کے لیئے سیز فائر کا اعلان کر دیا۔ مگر اپنی سنجیدگی اور اخلاص کے ثبوت کے لیئے جمرود میں پندرہ لاشے بکھیر دیئے۔ طالبان کے لیئے آسان راستہ یہ ہے کہ وہ کسی سانحے کی ذمے داری قبول نہیں کریں گے اور حکومت ان کے دفاع میں خود کہے گی کہ یہ شرارت تیسری قوت کی ہے، ہمارے دہشت نگار میڈیا نے تیسری طاقت کے طور پر ہمیشہ فوج ہی کو بدنام کیا ہے۔

صرف ایک ماہ کے لیئے سیز فائر کیوں، مستقل کیوں نہیں، کیا نیت میں ابھی سے کھوٹ ہے اور پھر طالبان کا حکم صرف تیس گروپوں پر چلتا ہے باقی چالیس کے قریب دہشت گرد گروپوں کو کھلی چھٹی ملی رہے گی، ان کی طرف سے تو کوئی سیز فائر نہیں کیا گیا۔ تحریک طالبان کا نمائندہ انہتر انتہا پسند گروپوں کی نمائندگی تو نہیں کر سکتا، یہ تو ابھی لوگوں نے دیکھ لیا جب کشمیری مجاہد اور چرار شریف سے زندہ بچ آنے والے میجر مست گل نے کشتوں کے پشتے لگانے شروع کر دیئے، مست گل جب تک منظر پر نہیں ابھرا تھا، مجھے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ منور حسن اور ان کی جماعت اسلامی کو دہشت گردوں سے کیوں ہمدردی ہو گئی ہے۔ اب میجر مست گل کی سرگرمیوں سے عیاں ہو گیا ہے کہ جماعت اسلامی، انقلاب کے لیئے تیسرے اور فائنل مرحلے میں داخل ہو گئی ہے، پہلا مرحلہ ماچھی گوٹھ سے شروع ہوا اور سیاست میں داخل ہونے تک جاری رہا۔ تب امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد نے جماعت اور اس کے فلسفے سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ افغان جہاد اور کشمیر جہاد میں جماعت کے ہاتھ میں بندوق آ گئی، اب انقلاب اسے سامنے نظر آ رہا ہے، ووٹ تو جماعت کو کبھی نہیں مل سکے، نہ ملیں گے، اب اقتدار میں آنے کا ایک ہی راستہ باقی ہے اور وہ ہے بزور بندوق۔ جماعت اس طریقے کو آزما رہی ہے اور یہ آخری حربہ ہے، اس میں ناکامی، سرینڈر کی ذلت سے ہمکنار کرتی ہے۔

ایک ماہ کی عارضی جنگ بندی کا انجام کیا ہوگا۔ کیا کسی جنگی حکمت عملی میں اس مرحلے پر سیز فائر کو قبول کیا جا سکتا ہے، میرا جواب نفی میں ہے۔ اب جنگ بندی سے فوج اپنی موت کو دعوت دے گی۔ دوسری جنگ عظیم کو پرل ہاربر کی قیامت خیز صبح کے ہنگام بھی بند کیا جا سکتا تھا لیکن یہ تب بند ہوئی جب امریکی افواج نے ہیرو

شیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بموں کی بارش کی اور آن واحد میں لاکھوں جاپانیوں کے جسموں کو چربی کی طرح پگھلا دیا۔ 1948 میں پاک فوج نے اس وقت جنگ بندی قبول کر لی جب اس کے ایڈوانس دستے سری نگر ایئر پورٹ کو محاصرے میں لے چکے تھے۔ جنگ بندی کی یہ اپیل پنڈت نہرو نے بھاگم بھاگ سلامتی کونسل سے کی تھی اور ہم اتنے سادہ تھے کو فوری طور پر مان گئے۔ صرف آزاد کشمیر کی ایک مختصر سی پٹی ہمارے ہاتھ آئی، تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا۔ 1965 میں بھارت کے بکتر بند ڈویژن کو ہم نے چونڈہ اور ظفروال کے میدانوں میں کوئلہ بنا دیا اور ہمارے ٹینک کھیم کرن سے آگے بڑھنے کی پوزیشن میں تھے تو ایک بار پھر بھارت نے سلامتی کونسل میں جنگ بندی کی اپیل کر دی۔ ہمارے ہاتھ کیا آیا۔ صرف جنگی ترانے اور نشان حیدر پانے والوں کے شاہنامے، ہم نے ان کا خون تاشقند میں بیچ دیا۔ بھٹو کہتا رہا کہ تاشقند کے راز کھولوں گا مگر اسے یہ توفیق نہ ہو سکی۔

سیز فائر مقابل کی قوت سے کیا جاتا ہے، دنیا کے کسی ملک نے دہشت گردوں سے سیز فائر نہیں کیا۔ ہمارے خطے میں سری لنکا نے آخری دہشت گرد کی موت تک فوجی آپریشن جاری رکھا۔ ممبئی میں بھارت نے دہشت گردوں سے مقابلہ جاری رکھا اور یہ منظر دنیا بھر کے ٹی وی چینلوں پر لائیو دکھایا گیا، امریکہ نے جب تک افغانستان میں تورا بورا کی غاروں کو سرمہ بنا کے نہیں رکھ دیا تب تک اس نے بی باون سے بمباری کو نہیں روکا اور نہ کروز میزائلوں کے بٹن دبانے میں دم لیا۔

ہم کہتے ہیں کہ عراق میں اور افغانستان میں امریکہ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ دل کیخوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے، امریکہ کو یوکرائن کا نیا محاذ مل گیا ہے، وہ آہستہ آہستہ چین کی طرف بڑھ رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ اب امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے تربیت یافتہ گوریلوں کو اگلے محاذ کی طرف روانہ کرنا ہو، اس لیئے انہیں وقتی سیز فائر کی ضرورت ہے۔ ویسے خدانخواستہ ابھی پاکستان کے ایٹمی اسلحے کو ہتھیانے کا منصوبہ بھی ادھورا پڑا ہے، اس لیئے گوریلوں کی نئی صف بندی کے لیئے بھی عارضی سیز فائر فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔

ہماری قوم، ہماری حکومت اور ہماری فوجی قیادت کو ابھی اس عارضی سیز فائر کی اپیل پر غور کرنا ہے، اندیشہ یہ ہے کہ فیصلہ دہشت گردوں کے فائدے میں کیا جائے گا اور میں نے بہت پہلے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ ہمیں ایک نئے کارگل کا سامنا ہے۔ (3 مارچ 2014ء)

برقع پوش سکیوریٹی پالیسی

وزیراعظم کو تربیلا جانے کی جلدی تھی، ان کے لیئے سکیوریٹی پالیسی کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ تربیلا کا فیتہ چند گھنٹے بعد بھی کاٹ سکتے تھے۔وزیرداخلہ نے سکیوریٹی پالیسی پر پالیسی تقریر کی، انہوں نے بتایا کہ اس کے تین حصے ہیں جن میں سے ایک حصہ خفیہ ہے، باقی دوحصوں میں کیا ہے، یہ بھی فی الحال خفیہ ہیں۔اسپیکر نے کہا ہے کہ پالیسی پرنٹ ہورہی ہے۔اپوزیشن لیڈر نے کہا کہ یہ پالیسی ابہام کا شکار ہے، حکومت کا فرض ہے کہ اس پر پارلیمنٹ کو اعتماد میں لے۔وزیراعظم نے کہا کہ حکومت کسی ابہام کا شکار نہیں، البتہ وزیرداخلہ کی تقریر سے کوئی ابہام پیدا ہوا ہے تو اسے مشاورت سے دور کیا جائے گا۔وزیرداخلہ نے میڈیا کے سامنے کہا کہ اپوزیشن لیڈر نے پالیسی پر نظر ڈالے بغیر تنقید کردی، وہ خود ابہام کا شکار ہیں اور انہی کے دور میں دہشت گردی کو فروغ حاصل ہوا۔

یہ پالیسی کسی کو دی نہیں گئی تو اس پر نظر کیسے ڈالی جاسکتی تھی، وزیرداخلہ نے یہ ابہام دور نہیں کیا۔حکومت نے ایک پالیسی بنائی، اسے کابینہ سے منظور کرواکر قومی اسمبلی میں اس کا اعلان کردیا۔

پچھلے سال صدر اوبامہ نے ڈرون پالیسی کا اعلان کیا، ان کی تقریر سے پہلے اس کا مسودہ حکومتی ویب سائٹ پر موجود تھا، مجھے یاد ہے جب اوبامہ نے پہلا حلف لیا تو میں ایکسپریس ٹی وی میں کام کررہا تھا، ابھی اوبامہ نے حلف لیا نہیں تھا مگر میں نے اس تقریر کو نیٹ سے اتار کر اردو میں ترجمہ کیا اور ٹی وی ناظرین کے

سامنے پیش کر دیا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، جمہوریت اور ٹیکنالوجی کا کمال تھا۔

ہماری جمہوریت ہمیں اندھیرے میں رکھتی ہے۔

کیا کسی کو علم ہے کہ حکومت کی سکیوریٹی پالیسی کیا ہے، اور اس فقرے کا مطلب کیا ہے کہ مذاکرات اور آپریشن ساتھ ساتھ چلیں گے۔ مذاکرات کرنے والی کمیٹیاں تو کئی ہفتوں سے خاموش ہیں تو کیا اب دو ہزار وزنی بم اور ہاوٹزر المعروف رانی توپوں کے گولوں کی زبان میں مذاکرات کیئے جا رہے ہیں۔

محبت گولیوں سے بو رہے ہو۔

عمران خان تو اب بھی کہتا ہے کہ ہم امریکی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس کے سر پر امریکی جنگ کا ہوا بری طرح سوار ہے، جب سے مغرب کے ساتھ اس کی طلاق واقع ہوئی ہے، اسے شاید مغرب سے بیر ہو گیا ہے۔

وزیر داخلہ کی زبانی پتا چلا کہ ہمارے ملک میں چھبیس انٹیلی جنس ادارے ہیں۔ وزیر داخلہ نے یہ نہیں بتایا کہ ملک میں ہسپتال کتنے ہیں، اسکول، کالج کتنے ہیں، بجلی بنانے اور تقسیم کرنے والے ادارے کتنے ہیں اور حکومت کرنے والے افراد کی تعداد کیا ہے اور ان سب کی کارگزاری کیا ہے، کیا حکومت کا کوئی ارادہ ہے کہ وہ تمام ہسپتالوں، اسکولوں، کالجوں وغیرہ کو ایک اتھارٹی کے نیچے لائے۔ اگر نہیں تو حکومت یہ خیال دل سے نکال دے کہ وہ زرداری کی طرح آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت لا کر لگام دے سکتی ہے یا ملٹری انٹیلی جنس کی رپورٹیں وزیروں کی میز پر گھمائی جا سکتی ہیں۔

اور ذکر پھر سکیوریٹی پالیسی کا۔ ن لیگ کی حکومت ہے، فیصلے اس نے کرنے ہیں، زیادہ سے زیادہ پارلیمنٹ اور کابینہ کی مشاورت سے، مگر اس نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیئے فیصلہ آل پارٹیز کانفرنس میں بیٹھ کر کیا۔ یہ آئین سے بالاتر اقدام تھا۔ اور جب امن مذاکرات کے لیئے کمیٹی بنائی گئی تو یہ بھی سراسر پارلیمنٹ سے باہر کے افراد پر مشتمل۔ اسے گورننس، ڈپلومیسی اور جنگ یا امن میں سے کسی شعبے کا تجربہ نہ تھا، دہشت گردوں نے کمیٹی کو مذاکرات میں مصروف رکھا اور خود جی بھر کے خونریزی کی۔ عوام کے صبر کا پیمانہ اس وقت اچھلا جب کراچی میں کمانڈوز کو بھک سے اڑا دیا گیا اور افغانستان میں ایف سی کے دو درجن اہلکاروں کے گلوں پر چھری پھیر دی گئی، ان کی لاشیں ٹرکوں سے اس طرح پھینکی گئیں جیسے کارپوریشن کے ٹرکوں سے کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ یوٹیوب کے کھلنے کی مخالفت کی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ حکومت چند گھنٹوں کے لیئے یوٹیوب سے پابندی ہٹا لے تاکہ لوگ دہشت گردوں کی سفاکی، بربریت، ہلاکو خانی اور

چنگیزیت کا نظارہ کرسکیں۔ میں نے کرنل امام کی شہادت کی وڈیو فلم دیکھی اور میری راتوں کی نیند اڑ گئی، میں نے ایک درجن سکیوریٹی قیدیوں کو ایک قطار میں کھڑا کرکے، انکے ہاتھ باندھ کر، پشت سے ان کو گولیاں مارنے کا منظر دیکھا ہے اور میرے دل ودماغ پر وحشت طاری ہوگئی ہے۔ شاید ایسے منظر جہنم میں بھی دیکھنے کو نہ ملیں۔ میں نے چند روز پہلے کوہاٹ میں خونریزی کی بھیانک تصویریں دیکھی ہیں، میں خدا کے واسطے اپیل کرتا ہوں کہ ہمارے نوجوان اپنے موبائل فونوں کا استعمال روکیں اور ایسے مناظر انٹرنیٹ پر نہ ڈالیں، معصوم بچے ان کو دیکھ کر چیخیں مارنے لگتے ہیں۔ ایک کتاب بڑی مشہور ہوئی تھی کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، لیکن یہاں تو مرنے سے پہلے جو دیکھنے کو مل رہا ہے، اللہ اس سے بچائے۔ حکومت نے ضرور کوئی پالیسی بنائی ہوگی، اسے کئی پردوں میں بھی لپیٹنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس برقع پوش پالیسی کی منظوری دیتے ہوئے شاید ہی کابینہ کے ارکان نے اسے پڑھا ہو۔ ایک مرتبہ جنرل مشرف نے ایڈیٹروں کو مدعو کیا، وہ دہشت گردی کی نئی پالیسی کے خدوخال وضع کرنا چاہتے تھے، ہم سب کا خیال تھا کہ جنرل صاحب ہم سے مشاورت کے بعد کوئی پالیسی بنائیں گے لیکن اس وقت ہر کوئی حیران رہ گیا جب مشرف نے کہا کہ اس پالیسی کی کابینہ نے منظوری دے دی ہے۔ ڈاکٹر مجید نظامی کلمہ حق کہنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، ایک دم کہہ اٹھے کہ جب پالیسی بنا کر منظور بھی کرلی تو ہم لوگوں کو کیوں بلالیا گیا۔ آج کسی جرنیل کی حکومت نہیں، تیسری مرتبہ منتخب ہونے والے وزیراعظم سریر آرائے سلطنت ہیں۔ مگر کیا انہوں نے بھی وہی ہے جو ایک آمر نے کیا تھا، پالیسی بھی بنالی، کابینہ سے منظوری بھی لے لی اور قوم کو لولی پاپ دے رہے ہیں کہ آپ کے مشوروں سے اس کا ابہام دور کیا جائے گا۔ مگر مشاورت کیسے ہوگی، پالیسی کا کوئی ایک نکتہ تک باہر نہیں آیا۔

جنرل مشرف پھر بھی اچھا تھا، اس نے اپنی نئی پالیسی کا ایک نکتہ بتا دیا تھا کہ کشمیر کی جنگ آزادی اب جاری نہیں رہ سکتی، دنیا اس کو دہشت گردی سمجھتی ہے۔

اب دہشت گردوں کے ساتھ کھلی ہمدردی کا اظہار کرنے میں کسی کو ہچکچاہٹ نہیں۔ کیا یہی ہے نئی سکیوریٹی پالیسی۔

میں نے سکیوریٹی پالیسی کا برقع سرکا کر اندر جھانکا ہے۔ پہلے خفیہ حصے میں کرکٹ ڈپلومیسی کی تفصیل ہے۔ اور بال ٹمپرنگ کے سارے طریقے، مزے مزے کے۔ (28 فروری 2014ء)

فوج کے شانہ بشانہ

فوج اپنے فرض کی ادائیگی کے لیئے قربانی دینے کے لیئے تیار ہے،قوم کواس کا ساتھ دینا چاہیئے تا کہ فوج کا مورال بلند رہے۔ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کیا فوج کا مورال کانچ کا بنا ہوا ہے جو ذرا ذرا سی بات پر ٹوٹ جاتا ہے۔اگران صاحب کے بارے میں لکھا جائے کہ انہوں نے بنگلہ دیش سے ایوارڈ وصول کیا ہے تو یقین کیجئے،ان کا شیشہ دل چور چور ہوجاتا ہے۔

اکہتر میں پاکستان کوشکست کیوں ہوئی اورنوے ہزار سپاہ اوردیگر پاکستانی بھارت کے کیمپوں میں کیوں بند ہوئے،اس کی کئی ایک وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی اکثریت نہ صرف فوج کے ساتھ نہیں تھی بلکہ بھارت سے دہشت گردی کی ٹریننگ لے کراس کے خلاف لڑ رہی تھی۔

آج بھی قوم بحیثیت مجموعی فوج کی پشت پر کھڑی ہونے کے لیئے تیار نہیں۔ن لیگ کی سوچ فوج کے بارے میں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں،دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ایک جنرل مشرف نے ہاتھ کیا،کہ ن لیگ پوری فوج کو اپنے خلاف سمجھتی ہے۔پیپلز پارٹی کا رویہ بھی کوئی مختلف نہیں،اس کا لیڈر تو ضیاالحق کے ہاتھوں پھانسی چڑھا۔محترمہ بےنظیر بھٹو بھی ایک فوجی حکمران کے دور میں شہید ہوئیں۔زرداری نے قاتل لیگ کواس کا ذمے دار ٹھہرایا۔یوسف رضا گیلانی نے بطور وزیر اعظم وارننگ دی کہ ریاست کے اندر ریاست نہیں چلنے دیں گے۔زرداری نے ایک بار نہیں،کئی بار کہا کہ وہ ایوان صدر سے فرار نہیں ہوں گے بلکہ ایمبولینس میں جانے کو ترجیح دیں گے۔کیری لوگر بل پر زرداری اور فوج کے درمیان محاذ آرائی چلی،میمو گیٹ پر تو فضا اس قدر مکدر ہوئی کہ زرداری صاحب کو علاج کے بہانے دوبئ جانا پڑ گیا۔محترمہ کی برسی پر

زرداری نے خبردار کیا کہ اکہتر میں تو چند ہزار قیدی تھے جو انڈیا نے سنبھال لیئے، آئندہ بیس کروڑ پاکستانیوں کو ہجرت کرنا پڑی تو پوری دنیا میں انہیں پناہ دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ن لیگ کے صدر نواز شریف نے بھی اچانک ایک چینل کو گھر بلایا اور یہ فقرہ ریکارڈ کروایا کہ وہ جمہوریت کے خلاف سازش کو ناکام بنانے کے لیئے راستہ روکیں گے۔ڈاکٹر طاہر القادری نے دھرنا دیا تو میاں نواز شریف نے اپوزیشن جماعتوں کا ایک اجلاس بلا لیا جس میں اعلان کیا کہ وہ غیر جمہوری تبدیلی کا راستہ روکیں گے۔ بلوچستان کے ایک رکن قومی اسمبلی اچکزئی نے تو یہاں تک کہا کہ وہ جنزل کیانی سے بات کریں گے کہ بہت ہوگئی، اب بس کریں۔وار آن ٹیرر پرن لیگ نے مشرف پر ہمیشہ تنقید کی کہ اس نے پاکستان کو ایک ٹیلی فون کال پر امریکہ کی جھولی میں ڈال دیا۔انتخابی مہم میں ن لیگ نے اعلان کیا کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیئے مذاکرات کا راستہ اختیار کرے گی۔اس سے پہلے پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کہہ چکے تھے کہ طالبان پنجاب کو معاف رکھیں۔ ان کے وزیر رانا ثنا اللہ نے بار بار تردید کی کہ جنوبی طالبان نامی کوئی گروپ صوبے میں موجود نہیں۔حکومت ملنے کے بعد ن لیگ نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیئے کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا، بلکہ آل پارٹیز کانفرنس سے مینڈیٹ لیا کہ دہشت گردی کا مسئلہ مذاکرات سے ختم کیا جائے، مگر اس سمت میں بھی کوئی کارروائی نہ کی گئی، جب دہشت گردی نے زور پکڑ لیا اور ن لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے تاثر دیا کہ اب فوجی آپریشن ہوگا تو اگلے روز وزیر اعظم نے مذاکرات کا پھر اعلان کر دیا، ایک کمیٹی بھی تشکیل دے ڈالی، یہ کمیٹی ٹی وی چینلز پر پبلسٹی لینے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔اور دہشت گردوں نے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پتا نہیں کس لمحے وزیر اعظم نے فوج کو جوابی کارروائی کی اجازت دے دی مگر اس کا کوئی باقاعدہ اعلان نہیں ہوا۔اور شکی مزاج لوگ سوچ رہے ہیں کہ اگر فوجی اقدامات سے معاملہ بگڑ گیا تو حکومت ایک بار پھر کارگل والا کھیل کھیلے گی۔اور فوجی اقدامات سے لاتعلقی کا اظہار کر دے گی، ایسے شبہات کو ختم کرنے کے لیئے وزیر اعظم کو ٹی وی پر آ کر باقاعدہ فوجی آپریشن کا اعلان کرنا چاہیئے تا کہ وہ اس سے پیچھے نہ ہٹ سکیں۔نوجوانوں کو بکریوں اور بھینسوں کے لیئے قرضے دینے اور لیپ ٹاپ تقسیم کرنے کے لیئے تو وہ قوم سے خطاب کرتے ہیں اور شہر شہر دربار سجاتے ہیں تو دہشت گردی کے عفریت کے خاتمے کے لیئے اپنے فیصلے کا کھل کر اظہار کرنے میں کیا امر مانع ہے۔

فوج سے بدکنے والوں میں ن لیگ اور پی پی پی کے علاوہ بھی کئی قوتیں ہیں۔مولانا سمیع الحق طالبان کو

اپنے بچے کہتے ہیں، انہوں نے یہ بھی کہا کہ کوئی بھی فوجی آپریشن ملک کو راکھ کر دے گا۔ مولانا فضل الرحمٰن، حکیم اللہ محسود کے حق میں یہاں تک چلے گئے کہ یہ کہہ اٹھے کہ امریکی ڈرون سے مرنے والا کتا بھی شہید ہے۔ جماعت اسلامی کے منور حسن کہاں پیچھے رہنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے فوجی، امریکی حمایت میں لڑتے ہوئے جان سے جاتے ہیں تو انہیں شہید نہیں سمجھا جاسکتا۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا تو ایک عرصے سے نظریہ ہے کہ قبائلی ایک غیرت مند قوم ہے۔ انہوں نے ڈرون حملوں کے خاتمے اور نیٹو سپلائی کو روکنے کے لیئے دھرنے دیئے اور عوامی مارچ کیئے۔ مگر ان کے زیر حکومت صوبے میں مسلسل خون بہتا رہا تو اب وہ اپنے سخت گیر موقف سے یہاں تک پسپا ہوئے ہیں کہ جو دہشت گرد فوج کے گلے کاٹتے ہیں صرف ان کے خلاف آپریشن کیا جائے۔ فوج کو بلوچستان میں علیحدگی پسندوں سے بھی خطرہ لاحق رہتا ہے جو بھارت کی کھلی پشت پناہی سے دہشت گردی میں مصروف ہیں۔ مولانا نورانی کی جماعت کے دو حصے ہوئے ہیں تو ایک حصے نے فوجی آپریشن کی مخالفت کر دی ہے۔ ساجد میر کی جماعت بھی آپریشن کے حق میں نہیں۔ میڈیا کا بڑا حصہ بھی فوج کے خلاف سرگرم عمل ہے، اس کی ایک وجہ تو دہشت گردوں کا خوف ہے، دوسرے ڈالر، پاؤنڈ اور یورو کی بے تحاشا امداد ہے جو فوج کا امیج بگاڑنے کے لیئے دی جارہی ہے۔

اگر کسی نے شرح صدر سے فوجی آپریشن کی حمایت کی ہے تو وہ ڈاکٹر مجید نظامی کی تنہا ذات ہے جنہوں نے اپنے موقف کا اظہار نوائے وقت کے اداریوں میں کھل کر کیا۔ الطاف حسین اور ان کی ایم کیو ایم نے بھی فوج کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔

تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فوج تنہائی کا شکار ہے، ہرگز نہیں، پاکستان میں ایک خاموش اکثریت ایسی ہے جو بدامنی سے تنگ ہے اور دہشت گردوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے حق میں ہے۔ یہ طبقہ سوشل میڈیا پر سرگرم ہے اور ان قوتوں کا بری طرح مضحکہ اڑا رہا ہے جو دہشت گردوں کا ساتھ دے رہی ہیں۔ ان کے توانا جذبوں نے طالبان کے حامیوں کو تنہائی کا شکار بنا دیا ہے۔

چند روز پہلے فوج نے اپنی استعداد کے بارے میں پھیلائے گئے شبہات کو یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ وہ چھیاسی فیصد قبائلی علاقے پر کنٹرول کر چکی ہے اور باقی مختصر سے علاقے میں آپریشن کے لیئے تیار ہے، وہ قوم اور حکومت کی طرف سے گرین سگنل ملنے کی منتظر ہے۔ (26 فروری 2014ء)

شمالی وزیرستان سے آگے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں مگر شمالی وزیرستان سے آگے کیا ہے، آگے ہے پورا پاکستان۔ شمالی وزیرستان میں فی الوقت پاک فضائیہ کو جھونک دیا گیا ہے۔ اگے تیرے بھاگ لچھیئے۔

وزیر اطلاعات نے کہا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، سو باتیں کرنے والے رابطہ کار عرفان صدیقی کو چپ لگ گئی ہے اور باتوں کے متوالے تحریک انصاف کے عمران خان نے بھی دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنا لی ہے۔ ان کی کور کمیٹی کے اندر کی خبر یہ ہے کہ اب وہ فوجی آپریشن کی حمایت کرے گی۔ دیکھتے ہیں اس کا اعلان کب ہوتا ہے، شاید فوجی آپریشن کے زمینی مرحلے کے آغاز کے لیئے اس اعلان کا انتظار ہو رہا ہے۔

فوجی آپریشن اب زیادہ دور کی بات نہیں، فوج اس کے لیئے پوری طرح کمر بستہ ہے اور چند ہفتوں کے اندر ٹارگٹ مکمل کرنے کا عندیہ دے رہی ہے۔ اصل معرکہ زمینی دستوں کی پیش قدمی کے بعد برپا ہوگا اور امید تو یہی ہے کہ فوج اپنی جان پر کھیل کر شمالی وزیرستان میں دہشت گردوں کے ٹھکانے ختم کر دے گی لیکن پھر کیا ہوگا، ایک تو وہی ظلم کی کہانیاں دہرائی جائیں گی، لکھنے اور بولنے والے کولیٹرل نقصان کو اچھالیں گے اور عدالتوں میں مزید لاپتا افراد کے مقدمے چلائے جائیں گے۔ مگر وہ جو دہشت گردوں کے ہاتھوں لاپتا ہوتے ہیں، اور ان کو قید میں اذیت سے دوچار کیا جاتا ہے، پھر ایک قطار میں کھڑا کر کے باری باری گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے یا بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد لاشوں کا بھی کوئی سراغ نہیں

ملتا۔ وہ بھی تو کسی باپ کے لخت جگر ہوتے ہیں، کسی بہن کے ویر ہوتے ہیں، کسی ماں کے لاڈلے ہوتے ہیں، کسی معصوم بچے کے سر کا سایہ ہوتے ہیں۔ اور کسی کا سہاگ ہوتے ہیں لیکن ہم ایک فقرے میں ان کو فارغ کر دیتے ہیں کہ انہیں مرنے کی تنخواہ ملتی ہے۔ جی ہاں، وہ اپنی تنخواہ حلال کرنے کے لیئے حلال ہوتے رہیں گے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر۔ اور شمالی وزیرستان میں بھی امن قائم کر دیں گے مگر ہم باقی ملک کا کیا کریں گے، ہمارے اندر تو اتنی ہمت نہیں کہ قومی ترانہ پڑھنے کے لیئے اجتماع کر سکیں، ہم ایک جلسہ گاہ کی سکیوریٹی کا بندو بست کرنے کے اہل نہیں، پاکستان بھر میں قیام امن کی ذمے داری کیسے نبھائیں گے۔

فوج نے سوات میں امن قائم کر دیا تھا، کئی برس بیت گئے، فوج کہتی ہے کہ اسے وہاں سے فارغ کیا جائے مگر صوبہ سرحد کے پاس پولیس نہیں ہے، انتظامیہ نہیں ہے، عدلیہ نہیں ہے، اسکول چلانے کے لیئے اساتذہ نہیں ہیں، ہسپتالوں کے لیئے نرسیں اور ڈاکٹر نہیں ہیں، اور تحریک انصاف کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ سونامی برپا کرے گی اور انقلاب برپا کر دے گی۔ سوات تو خیر سے فاٹا سے ملحقہ علاقہ ہے، لاہور تو سینکڑوں کلومیٹر دور ہے، یہاں امن کیوں قائم نہیں ہوتا، گھروں میں درجنوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ روز ڈاکے پڑتے ہیں، ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہری مرتے ہیں، پولیس گردی سے لوگ تنگ ہیں، عمر اکمل کی ہاتھا پائی کے بعد اس کا لائسنس ضبط کرنے کی تو کارروائی ہوتی ہے لیکن ہزاروں کی تعداد میں حادثے ہوتے ہیں، کیا ان حادثوں کے ذمے دار ڈرائیوروں کے بھی لائسنس ضبط ہوئے، یہ ڈرائیور تو موقع سے فرار ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کی کسی عدالت میں جھانکیں، برسوں سے سائلوں کے وہی چہرے نظر آئیں گے، جوتیاں چٹخاتے عمر ڈھل جاتی ہے، عدالت کے منشی کے سامنے مثلوں کا ڈھیر پڑا رہتا ہے، اے جی آفس کی سیڑھیاں چڑھتے بوڑھے پنشنرز دم توڑ دیتے ہیں، کلرک بادشاہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، سول سیکرٹریٹ میں گرد آلود فائلوں کا ایک انبار ہے، ریونیو بورڈ کے ہر ممبر کی میز پر سو دو سو سال پرانی کرم خوردہ عرضیاں ایک گھگھی کی منتظر ہیں۔ یہ کام تو فوج نے نہیں کرنے۔ وہ ایک محدود سے علاقے میں دہشت گردوں سے نبٹ سکتی ہے مگر پاکستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے انتہا پسندوں سے نبٹنا اس کا کام نہیں، اس کے لیئے جمہوری نظام، منتخب حکومت، پارلیمنٹ، صوبائی اسمبلیاں، وزرا کی فوج، بابو شاہی، پولیس اور سول انتظامیہ کے لاؤ لشکر کو اپنا فرض نبھانا ہوگا۔ اور یہ فرض اس طرح تو ادا نہیں ہو سکتا کہ ایک خاندان کی بادشاہی قائم کر دی جائے، کوئی چیف منسٹر، کوئی قائم مقام چیف منسٹر، کوئی وزیر اعظم، کوئی نامزد ڈپٹی وزیر اعظم، اور باقی رشتے دار اور مدح سرا

وزیر، مشیر، پارلیمانی سیکرٹری۔ جمہوریت میں ایسا نہیں ہوسکتا، نہ ہونا چاہیئے مگر ایک وزیر با تدبیر نے آج ہی فرمایا ہے کہ وزیر اعلیٰ اپنا قیمتی وقت اسمبلی میں آ کر ضائع نہیں کر سکتے، ہاں، یہ وزیر اعلیٰ نو ماہ میں چین کے تین دورے کر چکے، جرمنی، لندن، امریکہ اور نجانے کہاں کہاں جا چکے مگر عین وقت پر ترانہ پڑھنے کا ریکارڈ قائم کرنے کی تقریب کو ملتوی کر دیتے ہیں، کیوں، بہانہ تو یہ ہے کہ چار لاکھ لوگ رجسٹر ہو گئے تھے، اب کہیں اور انتظام ہوگا۔ مگر یہ نہیں بتاتے کہ ان کی پولیس اور انتظامیہ سکیورٹی خطرات کا ازالہ کرنے سے قاصر رہی۔

حکومت کا کام تو یہ ہے کہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے انتہا پسندوں کے نیٹ ورک کا خاتمہ کرے۔ لیکن رانا ثنا اللہ تو مانتے ہی نہیں کہ کوئی جنوبی طالبان نامی تنظیم بھی ہے، نہیں ہے تو لاہور کی تقریب ملتوی کیوں کی۔ جو سیاسی پارٹیاں انتہا پسند لیڈروں کو انتخابی مہم میں ٹرک پر بٹھا کر ووٹ مانگتی ہیں، وہ ان کا خاتمہ کیا کریں گی، یہی وجہ ہے کہ ایف سی کالج کے پر رونق پل پر کئی بار ٹارگٹ کلنگ ہو چکی ہے، ایف سی کالج کا پل لاہور میں واقع ہے، کوہاٹ میں نہیں، کوئٹہ میں نہیں۔ یہ ایک نیا شمشان گھاٹ بن چکا مگر آج تک اس پل پر کوئی پولیس پارٹی متعین نہیں کی گئی مگر اس سے اگلے جیل روڈ والے پل پر، ٹریفک اہل کار چالان کرنے کے لیئے رات گئے تک گھات میں کھڑے رہتے ہیں۔ تین دن پہلے میں اسلام آباد کے ایک صحافی سے فون پر بات کر رہا تھا، وہ یکا یک چیخ اٹھا کہ اس نے گاڑی میں فون سننے کے لیئے پچاس ہزار روپے کا بلیوٹوتھ آلہ لگا رکھا ہے مگر شرطے نے پھر بھی چالان کر دیا ہے، اسی اسلام آباد میں ایک اسکندر نے پولیس کو کئی گھنٹوں تک تگنی کا ناچ نچایا، اس کا چالان کرنے کے لیئے کوئی شرطہ آگے نہ بڑھا۔

ابھی ابھی لاہور میں پاک فضائیہ کی ایک خاتون اسکواڈرن لیڈر سے میری بات ہو رہی تھی، جب انہوں نے بتایا کہ وہ گاڑی میں ہیں تو میں نے انہیں شرطوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی، انہوں نے بتایا کہ وہ چالان بھگت چکی ہیں۔ یہ فون انہیں پی اے ایف کے ہیڈ کوارٹر سے آیا تھا جسے سننا ان کی مجبوری تھی۔

شمالی وزیرستان کا مسئلہ آخر تو حل ہو جائے گا مگر اس سے آگے پورے پاکستان میں مسائل کا جو جہنم دہک رہا ہے، اس کو کون ٹھنڈا کرے گا۔ لاہور میں ایک ایل ڈے اے پلازہ کی آگ تو کسی سے بجھائی نہ جا سکی۔

کیا ہم جمہوری نظام کو اس قدر تگڑا کریں گے کہ وہ مسائل کے جہنمی جن سے گتھم گتھا ہونے کی ہمت کر سکے۔ (25 فروری 2014ء)

آپریشن کی حمایت اور مخالفت

پیر کے روز کیولری گراؤنڈ لاہور میں ایک فوجی افسر کا جنازہ اٹھا، اس میں لاہور کے کور کمانڈر اور آئی ایس آئی کے سربراہ نے بھی شرکت کی، اس شہید فوجی افسر کو خانیوال میں دہشت گردوں نے نشانہ بنایا۔

رانا ثنا اللہ نے اسی روز یہ دعویٰ کیا کہ پنجاب میں کہیں طالبان کا وجود نہیں۔ رانا صاحب اگر اپنی راجدھانی کے نقشے پر نظر ڈالیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ خانیوال اور لاہور دونوں پنجاب میں واقع ہیں۔ کبوتر اگر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لے یا شتر مرغ خطرے کو بھانپ کر اپنی چونچ ریت میں دھنسا لے تو کیا خطرے کا وجود مٹ جائے گا، رانا ثنا اللہ کو اس سے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر ایک بات انہیں اور بتا تا چلوں کہ کامرہ پر آخری حملے میں ایواکس طیارے کو تباہ کیا گیا تو اس میں ایک دہشت گرد کا تعلق میرے علاقے کے نواحی گاؤں برج کلاں سے تھا، یہ گاؤں لاہور کے جنوب میں پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ صرف آدھ گھنٹے کی مسافت پر۔

اسی روز یہ اندوہناک خبر بھی آئی کہ طالبان نے پاک فوج کے دو درجن مغوی اہل کاروں کو ذبح کر دیا ہے۔

رانا ثنا اللہ جس حکومت کا حصہ ہیں، اس کے سربراہ اس قدر مضبوط اعصاب کے مالک ہیں کہ وہ چین کے دورے پر معمول کے مطابق روانہ ہو گئے حالانکہ ان کے بڑے بھائی جو وفاقی حکومت کے سربراہ ہیں، انہوں نے فوجی اہل کاروں کی شہادت کے غم میں کراچی کا دورہ منسوخ کر دیا۔ مگر یہ کیفیت صرف ایک روز

تک قائم رہ سکی، اگلے دن انہوں نے اپنی نامزد کمیٹی کو ہدایت کی کہ وہ امن مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھے جبکہ قوم طبل جنگ بجنے کا انتظار کر رہی تھی۔

فوجی آپریشن کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ بڑا مشکل ہے۔ اس کے حق میں بھی دلائل دیئے جاتے ہیں اور مخالفت میں بھی۔ میاں نواز شریف کو سمجھنے والے کہتے ہیں کہ وہ آپریشن کا حکم بمشکل ہی دیں گے کیونکہ آپریشن کے نتیجے میں ان کو ذاتی طور پر نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے، سو قوم کا نقصان ہوتا رہے، مسلح افواج کے اہل کاروں کی زندگی داؤ پر لگی رہے، وزیراعظم ذاتی نقصان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش جاری رکھیں گے۔

محبِّ وطن طبقے دہشت گردی سے نجات پانے کے لیئے بہر صورت سخت گیر فوجی آپریشن کے حق میں ہیں۔ شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے، یہ کہنا تھا سلطان میسور کا اور انہوں نے اس پر عمل کر دکھایا۔ مریں گے یا ماردیں گے، سسک سسک کر نہیں مریں گے۔ ہمارے سامنے سری لنکا کی مثال بھی ہے جس نے آخری دہشت گرد کے خاتمے تک جنگ جاری رکھی، اس سری لنکا کی فوج کو دہشت گردی سے لڑنے کی ٹریننگ ہماری فوج نے دی، جو فوج دوسروں کو ٹریننگ دے سکتی ہے، اپنے ہاں بھی یقینی طور پر کامیاب آپریشن کر سکتی ہے۔ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق۔ کیا یہ سارے اصول صرف بیت بازی کے لیئے ہیں۔ نہیں، ہم وہ قوم ہیں جسے قائداعظم نے مشکل ترین حالات میں ایک آزاد مملکت لے کر دی۔ ہم وہی قوم ہیں جس کے ایک اور قائد نے کہا تھا کہ گھاس کھائیں گے، ایٹم بم بنائیں گے اور ہم نے یہ بم بنا کر دکھا دیا، یہ وہی قوم ہے جس کے قائداعظم ثانی نے تمام تر دھمکیوں اور ترغیبات کے باوجود ایٹمی دھماکے کر دکھائے، اب قائد تو وہی ہے، اس کے اندر حوصلہ بھی وہی چاہیئے، ہر ناممکن کام ممکن ہو جائے گا۔ یہی وہ منطق ہے جس کی بنیاد پر محبِّ وطن حلقے صدق دل سے سمجھتے ہیں کہ فوجی آپریشن ناگزیر ہو چکا، نوائے وقت کا ادارتی تبصرہ ہمارے لیئے مشعل راہ ہونا چاہیئے۔ فوجی آپریشن کے حق میں امریکہ بھی ہے، بھارت بھی ہے، خود طالبان بھی ہیں اور ہمارا طالبان میڈیا بھی ہے۔ طالبان میڈیا وہ ہے جو طالبان کا حامی ہے، مگر بظاہر ہمیں غیرت کا سبق پڑھا کر کہہ رہا ہے کہ چڑھ جا بیٹا سولی پہ، رام بھلی کرے گا۔ امریکہ اور بھارت کی خواہش ہے کہ پاک فوج اندرونی کشمکش میں کمزور ہو کر رہ جائے، اس کا ڈنگ مر جائے، ان غیر ملکی قوتوں کو معلوم ہے کہ فوجی آپریشن سے قوم میں تفرقہ پھیلے گا۔ اکہتر میں تو چند لوگ تھے جنہوں نے فوجی آپریشن کی مخالفت کی تھی اور انہیں بنگلہ دیش کی حکومت سے تمغے مل رہے ہیں۔ بھٹو نے

فوجی آپریشن پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان بچ گیا، جماعت اسلامی نے اس فوجی آپریشن میں فوج کا ساتھ دیا تھا اور اب اس کے لوگ بنگلہ دیش میں پھانسی بھگت رہے ہیں۔ مگر آج ہماری جماعت اسلامی گوڈے گوڈے طالبان کے عشق میں ڈوبی ہوئی ہے۔ فوجی آپریشن کا سن کر وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی ہے۔

سول سوسائٹی میں طالبان کے اور بھی ہمدرد موجود ہیں، اکثر مذہبی جماعتیں، تحریک انصاف اور ہر قسم کی جے یو آئی، میڈیا کا بڑا حصہ۔ امریکہ اور بھارت کی کوشش ہے کہ پاک فوج آپریشن میں کودے اور ملک کے اندر خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوجائے، اس طرح دنیا کی بہترین لڑاکا اور پروفیشنل فوج کے پر کٹ جائیں گے، امریکہ اور بھارت کو اس گھڑی کا بیتابی سے انتظار ہے۔ طالبان میڈیا ہر دم اکسا رہا ہے کہ فوج کل کے بجائے آج ہی آپریشن کا آغاز کرے، یہ میڈیا لال مسجد کی تاریخ دہرائے گا جب پہلے تو فوج کو، کوسا گیا کہ اس کی ناک تلے مسجد میں اسلحے کا ڈھیر لگ گیا، کبھی حکومتی رٹ کا طعنہ دیا گیا اور جب فوج نے آپریشن کیا تو معصوم بچوں اور خواتین کے قتل عام کے نوحے پڑھے جانے لگے۔ یہی کچھ سوات کی شورش پر میڈیا نے کیا، پہلے تو یہی طعنے کہ حکومت اور فوج بزدلی کا مظاہرہ کر رہی ہے، اس کی رٹ کو چیلنج کیا جا رہا ہے، حکومت اور فوج نے خاموش تماشائی کا کردار اپنا لیا ہے مگر جب فوج نے آپریشن کیا اور چند ماہ کے اندر امن امان قائم کر دکھایا تو برسوں گزر جانے کے بعد بھی طالبان میڈیا، ظلم کی داستانیں دہرا رہا ہے۔ فوج کے مظالم کے قصے تراش رہا ہے۔ اب اگر فوج نے فاٹا میں فیصلہ کن آپریشن کا آغاز کر دیا تو اس میڈیا کے ہر آن بدلتے تیور دیکھنے کے لائق ہوں گے۔ اور فوج، حکومت وقت کی طرف دیکھ رہی ہے، حکومت گومگو کی کیفیت میں ہے۔ وزیر اعظم کی پارٹی کچھ اور چاہتی ہے، مگر وزیر اعظم کچھ اور فیصلہ کرتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں، کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں، وہ کہتے نہیں۔ آخر تین بار حکومت میں رہنے کا تجربہ کہیں تو کام آئے گا نا!

دنیا میں کون سا ملک ہے جس نے دہشت گردی کے مسئلے پر سمجھوتہ کیا ہو۔ بھارت میں کشمیری عوام حقیقی معنوں میں آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں لیکن بھارت نے ایک محدود سے علاقے میں آٹھ لاکھ فوج گھسیڑ دی ہے، بھارت کے درجنوں صوبوں میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں مگر بھارت نے کسی کے ساتھ تھک ہار کر مذاکرات کا رستہ اختیار نہیں کیا۔

کیا امن صرف پاکستان کو چاہیئے اور وہ بھی بھیک کے طور پر۔ (19 فروری 2014ء)

عالمان اینڈ طالبان، ون اینڈ دی سیم خان

قربان جاؤں، اس شانتی اور طمانیت پر جو عرفان، عمران، عالمان اور طالبان کے چہروں سے ٹپک رہی ہے۔

فیصلہ مہینوں اور برسوں میں نہیں، دنوں میں ہوگا، ہر فریق یہی کہہ رہا ہے، اور ہیلی کاپٹر کے روٹ کو دیکھتے ہوئے وزیراعظم بھی پکار اٹھے کہ مذاکرات درست سمت میں بڑھ رہے ہیں۔

اب تو یوں لگتا ہے کہ بارہ برس سے جو کھیل جاری ہے، اس کے کھلاڑیوں میں مکمل اتفاق رائے تھا، کس نے مارنا ہے، کس کو مارنا ہے، کون شہید ہے، کون شہید نہیں، کون لشکری ہوگا، کون فاتح ہوگا اور کون مفتوح ہو گا، مارے گئے بے چارے بھولے بھالے عوام اور بے گناہ فوجی اور سکیوریٹی فورسز کے جملہ اہل کار، کھیل تو اس وقت بھی کچھ کچھ کھل گیا تھا جب شہباز شریف نے کہا تھا کہ طالبان، پنجاب کو معاف رکھیں، جب رانا ثنااللہ پنجابی طالبان کی اصطلاح سے چڑ گئے تھے۔

نذیر ناجی ایک گھاگ تجزیہ کار ہیں، انہوں نے بہت پہلے لکھ دیا تھا کہ ہر جدوجہد کے دو ونگ ہوتے ہیں، ایک فوجی ونگ اور ایک سویلین ونگ، پاکستان میں جاری جنگ کے فوجی ونگ کا کام ختم ہوا، اب سیاسی ونگ حرکت میں آگیا ہے، میدان جنگ کی فتوحات کو سمیٹنے کے لیئے اب سویلین چہرے سامنے ہیں۔ کوئی طالبان کو میرے بچے کہہ رہا ہے، کوئی ڈرون حملوں کے خلاف لانگ مارچ کر رہا ہے، کوئی مذاکرات کے بہانے مستقبل کی لگام قابو کر چکا ہے۔

عمران خان پر قیامت کا وقت آیا ہے، ساری عمر وہ مذاکرات مذاکرات کی گردان کرتے رہے اور جب طالبان نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا تو۔۔ وہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔ عمران خان نے صرف اس لیئے کہ اس پر طالبان خان کی پھبتی برحق نہ ثابت ہوجائے، کمیٹی میں شمولیت سے معذرت کرلی۔ تحریک انصاف کی ایک اہم شخصیت محترمہ مہناز رفیع نے مجھ سے کہا کہ عمران ایک پارٹی لیڈر رہے، طالبان نے اس کی حیثیت اور مرتبے کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال یہ دلیل ہر ایک نے قبول کی کہ طالبان کو اپنی صفوں سے نمائندے نامزد کرنے چاہئیں۔ عمران کی دو تین دن میں جو درگت بنی، اس پر میاں شہباز نے قہقہہ لگاتے ہوئے ایک دوست سے کہا کہ دیکھو! عمران خان کے ساتھ کیا ہوگیا۔

تو کیا مذاکرات ایک پکی پکائی کھیر ہیں جس پر عرفان صدیقی کی رال ٹپک رہی ہے، نہیں جناب، ہرگز نہیں۔ یہ حضرت تو جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار ہیں، یہاں سرتاج عزیز کی شہادت معتبر مانی جائے گی جنہوں نے کہا ہے کہ طالبان سے مذاکرات ایک پیچیدہ عمل ہے، اس کے لیئے طویل المدتی حکمت عملی اپنانا ہوگی، ماضی میں طالبان نے کسی معاہدے کی پابندی نہیں کی۔ ہوسکتا ہے کہ عرفان صدیقی ڈپٹی پرائم منسٹر کے کمرے میں بیٹھنے کے نشے میں سرتاج عزیز کے بیانات پر سنسر لگوادیں، چودھری نثار کو تو وہ لقمہ بنا چکے۔

درمیان میں شریعت کا نفاذ بھی ایک مسئلہ ہے، لال مسجد والے مولانا نے یہ شرط عائد کی تو ایک شور مچ گیا کہ طالبان مذاکرات چاہتے ہی نہیں۔ اس پر طالبان نے تو کوئی وضاحت نہیں کی لیکن ان کے بھونپو دانش وروں نے نکتہ نکالا کہ شریعت کا نفاذ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، یہ تو آئین پاکستان میں ایک طے شدہ معاملہ ہے، قرارداد مقاصد آئین کا حصہ ہے اور اس آئین میں صاف لکھا ہے کہ شریعت سے متصادم قانون سازی نہیں ہوسکتی۔ یہ سننا تھا کہ مولانا اپنی شرط سے دست بردار ہوگئے، لیکن لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ پچھلے سال الیکشن میں آئین کے آرٹیکل باسٹھ اور تریسٹھ کا کس طرح مذاق اڑایا گیا۔ اور پاکستان کو کس شریعت کے مطابق چلایا جارہا ہے، وہ بھی کسی سے مخفی نہیں، یہ ایک خانہ ساز شریعت ہے جس میں کرپشن، جبر اور استحصال کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ یہ شریعت ہے لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کے وعدے کر کے ان سے مکر جانے کی، غربت کو مٹانے کے عزم سے انحراف کی، مہنگائی مٹانے کے نعرے کو بھول جانے کی، کشکول توڑنے کا اعلان کر کے عالمی سیٹھوں کے سامنے جھولی پھیلانے کی، بانی پاکستان حضرت قائداعظم کی تعلیمات کو پس پشت دھکیلتے ہوئے بھارت کے برہمن راج سے دوستی پروان چڑھانے کی، واہگہ کی لکیر کو مٹا کر یورپی یونین والے مزے لوٹنے

کی، افسوس کہ شریعت کو ذاتی مفاد اور خواہشات کے تابع بنالیا گیا۔

کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ حکومت کی پہلی ترجیح دہشت گردی کا خاتمہ ہے، کیا اس عظیم مقصد کے حصول کے لیئے لازم تھا کہ بقول عبدالقادر حسن وزیر اعظم چولستان جا پہنچے جہاں خواجہ کی شاعری اور فقیری کا راج ہے۔اور حسن و دلداری کا بھی۔ یہاں وزیر اعظم کے اعزاز میں ایک محفل بھی آراستہ کی گئی جو رات گئے تک جاری رہی، زمین کی ان کنواری وسعتوں میں جو انسانی قدموں سے زیادہ تر محفوظ ہیں، رات بھر موسیقی گونجتی رہی۔وزیر اعظم کے لیئے کھلے آسمان کے نیچے سردیوں کے اس موسم میں الاؤ کے گرد ضیافت برپا ہوئی جس میں مقامی فنکاروں نے موسیقی کے جادو جگائے۔رات دن کی یہ محفل جو موسیقی سے شروع ہوئی اور جس سے چولستان کے صحرا گونجتے رہے،اور روہی کی دنیا مست الست رہی، دوپہر کو لطیفوں پر ختم ہوئی۔قادر حسن کی یہ روایت اور حکایت انتہائی لذیذ اور معتبر اور مستند ہے۔

قادر حسن نے فارسی کے ایک شعر کا رومانوی ترجمہ پیش کیا ہے، میں یہاں فارسی کا ہی ایک مصرع یاد کرانا چاہوں گا کہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔روم کے ایک عظیم حکمران کا اسی انداز کا ایک شاہنامہ لکھا گیا کہ ادھر روم جل رہا تھا، ادھر وقت کا بادشاہ بانسری بجا رہا تھا۔

اس محفل کا تذکرہ پڑھ کر مجھے رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ ہم لوگ خواہ مخواہ مایوسی اور ہیجان کا شکار ہیں، جو کچھ دس بارہ برس میں ہوتا رہا، وہ ہو گیا، مگر اب نہیں ہوگا اور اگر نہیں ہوگا تو پھر کیسی پریشانی اور کیسا ہیجان، آیئے ہم سب چولستان کا رخ کرتے ہیں، جہاں خواجہ کی شاعری اور فقیری کا راج ہے اور حسن و دلداری کا بھی، ساری رات الاؤ کے گرد ہم محفلیں برپا کریں، روہی کی دنیا میں مست الست رہیں۔خواجہ کے شعر گنگنائیں کہ روہی میں بڑی ہی نازک لڑکیاں رہتی ہیں جو راتوں کو دلوں کا شکار کرتی ہیں اور دن کو دودھ بلوتی ہیں۔خواجہ کا یہ کلام خالص صوفیانہ ہے۔یہ اصل شعر قادر حسن کے کالم میں درج کیا گیا ہے۔رہا مذاکرات کا جھنجھٹ تو یہ ڈپٹی پرائم منسٹر کے کمرے میں براجمان اور رونق افروز عرفان صدیقی کے سپرد۔۔۔ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔۔۔ابھی تو مذاکرات کاروں کی آنیاں جانیاں دیکھنے کے لائق ہیں، ان کا ہیلی کاپٹر وہاں جا اترا جہاں اسکندر اعظم کے بھی پر جلتے تھے۔(10 فروری 2014ء)

قد کاٹھ اور وزن کا جھگڑا

لڑکے لڑکی کا رشتہ طے کرنے میں سب سے زیادہ رکاوٹ لڑکی کے قد اور لڑکے کے کاٹھ کی وجہ سے پڑتی ہے۔لڑکی کو کم از کم پانچ فٹ دو انچ تو ہونا چاہیئے اور لڑکے کے پاس صرف کاٹھ کباڑ ہو تو شادی طے نہیں ہو سکتی۔دونوں خاندان وزن کے مسئلے میں عدم توازن کا شکار ہوں تو بھی شادی نہیں ہو پاتی۔ٹی وی پر ایک گھٹ مٹھیا بیٹھا کہہ رہا تھا کہ طالبان کی کمیٹی سے مولانا فضل الرحمٰن کے نکلنے سے کمیٹی کا وزن کم ہو گیا ہے اور عمران خان کے نکلنے سے اس کا قد کاٹھ گھٹ گیا ہے۔

ظاہر ہے یہ اعتراض بجا ہے اور اس کی روشنی میں دونوں کمیٹیوں کے مابین شادی پر بات چیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اور ہوا بھی یہی، سرکاری کمیٹی نے طالبان کی کمیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا جبکہ مولانا سمیع الحق واویلا کر رہے تھے کہ مجھے دو بجے کا وقت دیا گیا، میں مظفر آباد کی کشمیر ریلی کو چھوڑ کر اسلام آباد آچکا ہوں اور دوسرا فریق قد کاٹھ اور وزن کا جھگڑا ڈال کر روٹھ گیا ہے۔مولانا سمیع الحق گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکے ہیں، انہوں نے یہ بھی ترت جواب دیا کہ طالبان کسی امام مسجد یا مئوذن کو بھی نامزد کر دیں تو سرکاری کمیٹی کو ان سے بھی بات کرنا پڑے گی۔

قد کاٹھ اور وزن کا مرض ہمارے دوست عطاالحق قاسمی کو بھی لاحق ہو گیا ہے، انہوں نے کہیں وزیر اعظم کو بلایا اور ہر کالم نویس اور اینکر پرسن کو مدعو کیا مگر اس میں نوائے وقت اور نیشن کے کسی کالم نگار اور وقت ٹی وی کے کسی اینکر پرسن کو یاد نہیں فرمایا۔خبریں کے ضیا شاہد اپنی جگہ پر تڑپ رہے ہیں کہ ان کے ادارے کا بھی

بلیک آؤٹ کیا گیا۔ اب کیا پتا یہاں بھی مسئلہ قد کاٹھ اور وزن کا آن پڑا ہو۔ ظاہر ہے جن لوگوں کو دربار شاہی کی قربت میسر نہیں،، ان کا قد کاٹھ اور وزن کیا ہوگا۔ ہمارے بڑے بھائی عبدالقادر حسن نے ایک اور رکاوٹ کا ذکر کیا ہے۔ انہوں وزیراعظم سے درخواست کی ہے کہ وہ میل ملاپ کا یہ سلسلہ جاری رکھیں اس لیئے کہ ہمارے صحافی پاکستان کے صحافی ہیں سوائے ان دو چار کے جو پاکستان کے علاوہ بھی کسی کے صحافی ہیں۔

میں تو حسن ظن سے کام لینے کا عادی ہوں اور سوچ بھی نہیں سکتا کہ قادر حسن نے نوائے وقت اور نیشن کے دو چار صحافیوں کی طرف اشارہ کیا ہو۔ اور ہمیں پاکستان کے علاوہ کسی اور ملک کے صحافی سمجھ لیا ہو۔

عجیب زمانہ آ گیا ہے کہ جو لوگ ساری زندگی نوائے وقت میں لکھتے رہے اور یہیں سے اپنے قد کاٹھ اور وزن میں اضافہ کر کے دوسرے اخباروں میں جا بیٹھے، اب انہیں وزیراعظم کی محفلوں میں ہماری موجودگی گوارا نہیں۔

یہ بات وزیراعظم کے سوچنے کی ہے، کہ وہ پورے میڈیا کے وزیراعظم ہیں یا محض ایک مخصوص ٹولے کے وزیراعظم ہیں۔ ایک ایسا دور جب اطلاعات تک رسائی کے حق پر قانون سازی ہو چکی ہو، اس وقت چند اخبارات یا صحافیوں کو اطلاعات کے حق سے محروم رکھنا کونسی آزادی صحافت ہے۔ کیا اس رویئے کو جمہوری اقدار کی رو سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا فوجی آمر جنرل مشرف کے دور میں میڈیا بریفنگز کی لسٹیں اسی طرح بنتی تھیں، کیا زرداری صاحب کے دور میں کسی میڈیا ہاؤس سے عناد اور تعصب کا مظاہرہ کیا گیا۔ کیا جنرل کیانی کے ساتھ صحافیوں کی ملاقاتوں میں کسی کا بلیک آؤٹ کیا گیا۔ اگر نہیں تو اب ہم چند صحافیوں پر حکومتی بریفنگز کے دروازے کیوں بند کر دیئے گئے۔ اور کیا حکومت کی باقی ٹرم میں یہی رویہ اپنایا جاتا رہے گا۔

حکومت کے پاس ایک ہمہ وقتی وزیر اطلاعات موجود ہیں، ان کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ وزیراعظم اور میڈیا کے درمیان ملاقاتوں کا اہتمام کریں، وفاقی سیکرٹری اطلاعات بھی اسی کام کے لیئے موجود ہیں، اب تو نئے پی آئی او بھی آ گئے ہیں۔ صوبے میں ایک صاحب عرصے سے میڈیا ایڈوائزری فرما رہے ہیں، اتنی بڑی سرکاری اور حکومتی ٹیم کے ہوتے ہوئے وزیراعظم کی میڈیا بریفنگز کا ٹھیکہ نجی ہاتھوں میں کیسے اور کیوں دے دیا گیا، کیا یہ اس حکومتی ٹیم پر عدم اعتماد کے مترادف نہیں۔

حکومت آزاد میڈیا سے شاید خوف زدہ ہے، وہ اس کا سامنا کرنے سے گھبراتی ہے، ویسے اس حکومت

نے کتنے ہی کالم کاروں کو سرکاری نوکریوں پر فائز کر دیا ہے، جو ظاہر ہے حکومتی قصیدے لکھنے پر مجبور ہیں اور یہ سب ایک ہی میڈیا ہاؤس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ ان کو نت نیا روزگار عطا کرے، نجم سیٹھی، رؤف طاہر، عطا الحق قاسمی، عرفان صدیقی وغیرہ حکومتی مناصب پر بھی ہیں اور کالم نگار اور اینکر پرسن بھی ہیں تو حکومت کو ان کی لیاقت اور صلاحیت پر اعتماد ہونا چاہیئے اور ان کے مقابلے میں اگر کوئی اکا دکا کالم نویس یا اینکر پرسن حکومت کا وظیفہ خوار نہیں تو اس کا بائیکاٹ کرنے کی یہ تو کوئی معقول وجہ نہیں بنتی۔

چلیئے حکومت اپنا شوق پورا کر کے دیکھ لے، اس نے عرفان صدیقی کے قد کاٹھ اور وزن کے پیش نظر انہیں ایک اعلیٰ اور ارفع قومی اور عالمی مشن سونپ دیا ہے تو وہ ڈیلور کر کے دکھائیں۔ مگر افسوس کہ بھائی صاحب کا لکھا ہوا ان کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے، ان کا آخری کالم مولانا سمیع الحق کی شان میں لکھا گیا، ان کے قلم نے مولانا فضل الرحمٰن کی شان میں کئی مرتبہ جولانیاں دکھائیں اور عمران خان کی تواضع تو وہ ہمیشہ فرماتے رہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ روز قیامت انسان کا ایک ایک عضو اس کیخلاف گواہی دے گا۔ یہاں تو یہ تماشہ اسی دنیا میں دیکھنے کو مل رہا ہے، سرکاری رابطہ کار کا لکھا ہوا ایک ایک حرف ان کے راستے میں پتھر بن گیا ہے۔ اور جب وہ مولانا سمیع الحق کی کمیٹی سے ملنے سے گھبرا رہے تھے تو اس کی وجہ سمجھنے کے لیئے ذہن پر زیادہ زور نہیں ڈالنا پڑا۔ مولانا کے بارے میں ان کا اپنا ہی کالم ان کے راستے کی دیوار بن گیا۔

اگر عرفان صدیقی نے اب تک جو لکھا، وہ کسی کو مرچیں لگانے کے لیئے لکھا اور عطا قاسمی نے مجھ جیسے لوگوں کو وزیر اعظم سے دور رکھ کر مرچیں لگانے کی کوشش کی تو ان صاحبان عالی شان کی یہ کوششیں کامیاب رہیں مگر ہم تو پھر بھی ان کے لیئے دعا گو ہیں، اللہ عطا قاسمی کو وزیر اعظم کے اور قریب کرے، میری تو خواہش اور دعا تھی کہ وزیر اعظم انہیں پنجاب کا گورنر لگاتے، مجیب شامی کے گھر ایک برنچ میں عطا قاسمی کی بذلہ سنجی سے میں بے حد محظوظ ہوا، اس سے پہلے صبح سویرے روزنامہ خبریں میں ان کی شان نزول پر ایک کالم نے بھی بے حد شاد کام کیا۔ دعا یہ بھی ہے کہ عرفان صدیقی کے قد کاٹھ اور وزن میں اور اضافہ ہو۔ لیکن یہ اضافہ انہیں باقی حقیر مخلوق سے رابطے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ سفارت، سیاست، اور رابطہ کاری کے لیئے بہر حال ایک مخصوص مزاج درکار ہے، وہ ہم لکھنے والوں کو اللہ نے عطا نہیں کیا تو ہمیں قلم گھسائی میں مگن رہنا چاہیئے۔ اور سیاست کاروں اور مدبروں کے کام میں دخل در معقولات سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ خفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ بچائے! (6 فروری 2014)

دو چار کمیٹیاں کشمیر کے لیئے بھی

پاکستان میں تیسری مرتبہ ایک کشمیری وزیر اعظم اقتدار میں ہے۔اب بھی کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہوا تو پھر کب ہو گا۔

دہشت گردی کے خاتمے کے لیئے تین کمیٹیاں دن رات کام کر رہی ہیں، یہ مسئلہ دس بارہ برس پرانا ہے، کشمیر کا تنازع چھیاسٹھ قبل پہلے شروع ہوا، اس کے حل کے لیئے کوئی پچاس ایک کمیٹیاں تو بنانا ہوں گی۔

ایک کشمیر کمیٹی کسی کام کی ہوتی تو نوابزادہ نصر اللہ خان کے دور میں ہی یہ مسئلہ حل ہو جاتا،ان سے بڑا مذاکرات کار دوبارہ جنم نہیں لے سکتا۔مولانا فضل الرحمٰن پھر اس کمیٹی کے چیئرمین بن گئے، وہ ہزار برس تک بھی اس منصب پر براجمان رہیں تو انہیں اس مسئلے سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، کم از کم اتنی تو نہیں جتنی ایک کشمیری وزیر اعظم کو ہونی چاہیئے۔

بس ہمارے پاس ایک دفاع پاکستان کونسل ہے، اس کے سربراہ مولانا سمیع الحق ہیں ، آزاد کشمیر اور پاکستان میں انہوں نے یوم یک جہتی کے جلسوں جلوسوں کا انعقاد کیا۔وہ طالبان کی طرف سے بھی مذاکرات کار ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ کشمیریوں کا بھی ان پر اعتماد ہو اور وہ انہیں ثالثی کمیٹی میں شامل کرلیں لیکن ایسی کمیٹی کو آگے بڑھنے کے لیئے بھارت کی آشیر باد بھی درکار ہے، سو اس کام کے لیئے مولانا فضل الرحمٰن ہی مناسب ہوں گے، بھارت ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتا ہے۔لیکن کیا پتا کہ بھارت کو عرفان صدیقی کا نام پسند آ جائے۔انکے چہیتے وزیر اعظم بھارت کے ساتھ دوستی کا سفر تیز تر کرنا چاہتے ہیں۔

کچھ لوگ تو واہگہ کی لکیر مٹانے کی بات کرتے تھے مگر ہمارے وزیر اعظم کو نرالی ترکیب سوجھی ہے کہ واہگہ بارڈر چوبیس گھنٹے کھلا رہنا چاہیئے۔ سانپ بھی مر جائے گا، لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ مگر مشرف ان کا بھی استاد تھا، اس نے پہلے تو کارگل کے راستے کشمیر کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا، پھر پینترا بدلا اور کنٹرول لائن کو بے حیثیت بنانے کی تجویز پر معاہدے کا ایک مسودہ تیار کر لیا، یہ تو کھنڈت چیف جسٹس افتخار چودھری نے ڈال دی، ایک حرف انکار بلند کیا، پورے ملک کے وکلا سڑکوں پر نکل آئے، مشرف کے اقتدار کی ہوا سرک گئی، اور کشمیر معاہدہ کو دن کی روشنی نصیب نہ ہو سکی۔ یہ معاہدہ خورشید قصوری نے کہیں سنبھال رکھا ہے۔ مگر وزیر اعظم کے ساتھ ان کا قارورہ نہیں ملتا، انہوں نے بھی ایک حرف انکار بلند کر دیا تھا اور پارٹی فاشزم کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ ورنہ کشمیر پر سرکاری کمیٹی کے لیئے موزوں ترین وہی تھے۔

پیپلز پارٹی بھی اس ملک کی ایک مسلمہ قوت ہے، اس کے بانی لیڈر بھٹو نے کہا تھا کہ کشمیر کے لیئے ہزار سال تک جنگ کریں گے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھی کنٹرول لائن پر دوپٹہ لہراتے ہوئے نعرہ لگایا تھا۔ آزادی ! آزادی! مگر کس طرح، اس کا نسخہ انہوں نے نہیں بتایا۔ زرداری نے شاید ہی اس مسئلے پر زبان کھولی ہو مگر بلاول بھٹو زرداری ایک سیماب صفت نوجوان ہے، وہ طالبان سے مذاکرات کا بھی مخالف ہے اور ظاہر ہے کشمیر پر بھی اپنے نانا کی طرح ہزار سال تک جنگ لڑنے کے حق میں ہوگا۔ اس لیئے ہمارے امن پسند وزیر اعظم اسے کسی کشمیر کمیٹی میں کیوں ڈالیں گے۔

تو کیا کشمیر کے نوجوان تن تنہا آزادی کی جنگ لڑنے پر مجبور ہوں گے، کیا کشمیری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی بھارتی فوج کے ہاتھوں اجتماعی عصمت دری جاری رہے گی، کیا کشمیر کی گلیوں میں خوف کا پہرا برقرار رہے گا اور اس دوران واہگہ کے بارڈر پر پاکستان کے چینی کے ٹرک اور بھارت کے آلو اور پیاز کے ٹرک آر پار خاموشی سے آتے جاتے رہیں گے۔

پتا نہیں کیوں، پاکستان کشمیر سے لاتعلق ہو گیا، قائد اعظم نے تو اسے شہ رگ قرار دیا تھا، مگر ہم نے اسے بھولی بسری داستان بنا چھوڑا۔ بھارت ہی نہیں، ہم نے بھی اقوام متحدہ کی وہ قرار دادیں پس پشت ڈال دیں جن میں کشمیر کے مسئلے کے حل کے لیئے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب کا فارمولا وضع کیا گیا تھا، پاکستان نے ان قراردادوں پر عمل درآمد کے لیئے عالمی ادارے سے رجوع کرنے کی کبھی ضرورت نہیں سمجھی۔ ہم نے تو اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ضمیر کو بھی جھنجھوڑنے کی کبھی زحمت نہیں کی، ہم صرف کشمیر کا نام

چاہتے ہیں، اسے پاکستان کا حصہ بنانے کے بھی خواہاں ہیں، اس کے پانی سے اپنے سوکھے کھیتوں کو سیراب بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیئے نہ زبانی کلامی جدو جہد کرتے ہیں، نہ کوئی عملی کوشش نظر آتی ہے۔ہم سے زیادہ بے عمل کوئی اور قوم کہاں ہوگی۔

کشمیر کا مقدمہ انتہائی آسان ہے، ذرا بھی پیچیدہ نہیں۔ آزادی ہند کے فارمولے کے تحت کشمیر مسلم اکثریتی ریاست کے طور پر پاکستان سے ملحق تھی، اسے ہمارا حصہ بننا تھا، جس طرح بھارت نے جونا گڑھ پر دعویٰ کیا۔مگر بھارت نے فوجی جارحیت کی اور کشمیر پر قبضہ جمالیا، پاکستانی مجاہدین تھوڑا سا حصہ بھارتی چنگل سے چھڑانے میں کامیاب ہوگئے، ہمارا لشکر سری نگر ایئر پورٹ پر قبضے کے لیئے آگے بڑھ رہا تھا کہ بھارتی وزیر اعظم نہرو بھاگم بھاگ سلامتی کونسل جا پہنچے، جہاں سیز فائر کی قرارداد منظور ہوگئی، اور یہ بھی طے پایا کہ کشمیری عوام خود فیصلہ دیں گے کہ وہ بھارت کے ساتھ جانا چاہتے ہیں یا پاکستان میں شمولیت کے حق میں ہیں ، بدقسمتی سے پاکستان کی کوئی حکومت اس فیصلے کو روبہ عمل لانے کے لیئے مستعدی کا مظاہرہ نہیں کر سکی۔ بھارت نے اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیئے فوج میں اضافہ کرنا شروع کر دیا، اب وادی میں اکیلے کشمیری کم ہیں اور بھارت فوج کی تعداد زیادہ ہے۔اس دوران بھارتی فوج نے کشمیری نوجوانوں کو چن چن کر شہید کر دیا ہے، کشمیر میں ایسی نسل کشی ہوئی جس کی کوئی مثال دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔ بھارت نے یہ مسئلہ طاقت ،جبر اور فوج کے ذریعے حل کیا، ہمارے ہاں تین بار وزیر اعظم بننے والے میاں نواز شریف نے ہر مرتبہ مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔

دوسری جنگ عظیم کیسے ختم ہوئی، جب امریکہ نے جاپان پر دو ایٹم بم دے مارے، سری لنکا میں بغاوت کیسے ختم ہوئی جب سرکاری افواج نے آخری باغی کا بھی گولی سے خاتمہ کر دیا۔لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ہم عرفان صدیقی کے کالموں کے تعویذوں سے کام چلانا چاہتے ہیں۔

بھارت نے کشمیر کا مسئلہ طاقت کے زور پر پیدا کیا اور اسے ختم کرنا ہے تو اس کے لیے ہمیں بھی طاقت کا راستہ استعمال کرنا ہوگا۔ ہمارا ایٹم بم بقول چودھری شجاعت حسین شادی بیاہ پر پٹاخے بجانے کیلیئے نہیں اور اگر ہم اسے استعمال نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم ہم کشمیری نوجوانوں کے شانہ بشانہ تو کھڑے ہوں، ہمارے ہاتھ میں پتھر بھی کافی ہیں۔(5 فروری 2014)

بے بنیاد، کج نہاد کمیٹی

معمار نے پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھ دی تو دیوار آسمان تک ٹیڑھی بنے گی۔

ہمارے معمار وزیر اعظم ہیں، ان کی پارلیمانی پارٹی نے ڈھیر سارا خون دیکھا تو آپریشن کا مشورہ دیا، وزیر اعظم جو کبھی پارلیمنٹ میں نہیں گئے تھے، شتابی سے ایوان میں پہنچے اور چار غیر منتخب افراد پر مشتمل ایک مذاکراتی کمیٹی تشکیل دے دی۔ پھر ایک رکن کو اس کا رابطہ کار افسر مقرر کر دیا، وزیر کا منصب انہیں پہلے ہی عطا ہو چکا تھا، اب تو وہ گویا ظل الٰہی کے مرتبے پر فائز ہو گئے، افغانستان اور پاکستان کے عوام کے مستقبل کا فیصلہ ان کی مٹھی میں تھا، وہ جب تک لکھتے اور بولتے رہے، آزادی اظہار کا ڈنکا بجاتے رہے لیکن ظل الٰہی بنتے ہی میڈیا کو پہلی ہدائت یہ ملی کہ کمیٹی کو مقدس اور اوتار گائے کا رتبہ حاصل ہے۔ یہ حکم ان اخبارات پر تو جادو اثر ثابت ہوا جو سرکاری اشتہارات کے مرہون منت ہیں۔ یہ جمہوری دور کی زبان بندی ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی لیا گیا کہ کمیٹی کی تشکیل پر ڈونگرے برسائے جائیں تو ہر طرف سے واہ واہ! مرحبا! کا غوغا بلند ہونے لگا۔

کمیٹی کے ارکان حسب نسب کے لحاظ سے شریف لوگ ہیں مگر انہوں نے کرنا کیا ہے، کسی کو اس کا علم نہیں ، شاید خود کمیٹی کو بھی اس کا اتا پتا کچھ نہیں۔ بس میڈیا میں تشہیر کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیا جاتا۔ کمیٹی کو ابھی تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ دہشت گردوں کے ساتھ مذاکرات کے لیئے شرائط وضوابط کا تعین ہی کر سکے اور کم از یہ بنیاد ہی طے کر سکے کہ بات چیت آئین پاکستان کی حدود و قیود کے اندر ہو گی۔ ظل الٰہی کے ایک ساتھی نے پہلے ہی کہہ دیا کہ مذاکرات کی کامیابی کی صورت میں شمالی وزیرستان سے فوج کو واپس بلانا ہو گا، یہ

پیش کش ریاست پاکستان کے سرنڈر کے مطابق ہے، ایسی ذلت کا سامنا شاید پلٹن میدان میں بھی نہیں ہوا تھا، سقوط بغداد اور سقوط غرناطہ کے ہنگام بھی ایسی ذلت برداشت نہیں کرنا پڑی۔ کمیٹی نے اسی چارٹر کو آگے بڑھانا ہے تو بہتر یہ ہوگا کہ جنرل مشرف کے ساتھ ساتھ اس کمیٹی کا بھی آرٹیکل چھ کے تحت ٹرائل شروع کر دیا جائے، یہ ٹرائل آج نہیں ہوتا تو کل ضرور ہوگا۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز نہیں، اس کے ہاں دیر تو ہے، اندھیر ہر گز نہیں، مشرف بھی ظل الٰہی بنا پھرتا تھا مگر اسے مکافات عمل کا سامنا کرنا پڑا اور اگر سرکاری امن کمیٹی نے آئین کے منافی کوئی معاہدہ کیا تو اسے بھی تاریخ کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا۔

طالبان کی طرف سے جو نام سامنے آ رہے ہیں، وہ نہلے پہ دہلے کے مترادف ہے، حکومت کی غیر سنجیدگی تو قابل فہم تھی مگر طالبان کی طرف سے جید علمائے کرام کے ساتھ مذاق کی منطق سمجھ سے بالاتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان علمائے دین کا طالبان کی بارہ سالہ حرکات سے کیا تعلق، کیا وہ خودکش بمبار بھیجتے رہے، کیا وہ فوج اور رینجرز پر حملوں کی منصوبہ بندی کرتے رہے، کیا سونے میں تولنے کے لائق مفتی سرفراز نعیمی کی شہادت کا سبب انہیں قرار دیا جائے۔ اور ایک مفتی نعیمی پر کیا موقوف، یہاں تو ساٹھ ہزار بے گناہ، شہادتوں کی خلعت سے سرفراز ہوئے، لاکھوں گھر اجڑ گئے۔ ملک برباد ہو کر رہ گیا، اس سارے فساد کا ہمارے علمائے دین سے کیا تعلق۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان علما کو پاکستان کی امریکہ نواز پالیسی ناپسند ہو مگر یہ کیسے مان لیا جائے کہ تاریخ کی سب سے بڑی خونریزی سے ان علما کا دور کا بھی کوئی تعلق بنتا ہے، طالبان مذاکرات کے خواہاں ہیں تو وہ اپنی صفوں سے نام سامنے لائیں، اپنے کمانڈروں اور منصوبہ سازوں کے چہرے سے نقاب ہٹائیں۔

جہاں تک امریکہ نواز پالیسی کا تعلق ہے، یہ غلط تھی یا درست، لیکن یہ حقیقت ریکارڈ پر ہے کہ ایسی پالیسی بنانے والے فوجی آمر کے دور میں ان علمائے کرام نے ایم ایم اے کے نام سے خیبر پی کے میں پانچ سال تک حکومت کی اور یہی وہ صوبہ ہے جو دہشت گردی کی نام نہاد جنگ کا مرکز و منبع تھا، مگر ان علما نے جنرل مشرف کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے صوبائی حکومت سے استعفا دیا، نہ قومی اسمبلی اور سینیٹ کی سیٹیں چھوڑیں۔ محاورے کی رو سے خاموشی نیم رضا ہوتی ہے۔ تو یہ علما آج طالبان کے ترجمان اور نمائندہ کیسے ہو گئے۔

بنیادی طور پر امن مذاکرات کے لیئے سنجیدگی کا فقدان نظر آتا ہے۔ سرکاری کمیٹی کو سستی شہرت درکار ہے، سو اسے مل رہی ہے، کیمروں کی چکا چوند انہوں نے شاید پہلی بار دیکھی ہے اور وہ اسے بھرپور طور پر انجوائے

کرنا چاہتے ہیں۔انہیں ایک لمحہ کے لیئے بھی خیال نہیں آیا کہ وہ جمہوری پارلیمانی نظام کی نفی کر رہے ہیں، منتخب وزیرداخلہ کو پس پردہ دھکیل دیا گیا ہے، چودھری نثار شاید آج تک اپنی سیٹ نہیں ہارا اور عرفان صدیقی کو کبھی خیرات میں ہی سینیٹ کی سیٹ مل سکتی ہے ورنہ وہ اپنے محلے میں کونسلری کی سیٹ نہیں جیت سکتے، اگر انہیں کوئی شبہ ہو تو وہ آنے والے بلدیاتی انتخاب میں اپنی پاپولیریٹی کا جائزہ لے لیں، کسی خانہ ساز گیلپ پول کا سہارا نہ لیں، نہ وزیراعظم کی قربت کے ترازو میں اپنا وزن تولنے کی کوشش فرمائیں۔میجر عامر کے قصیدے ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آتے، ان کے کسی آبائی مدرسے کی تعریفوں کے پل باندھے جا رہے ہیں۔حالانکہ اس مدرسے سے اگر کوئی جید ہستی فارغ التحصیل ہو کر نکلی ہو تو اس کا کسی کو تو علم ہونا چاہیئے۔میجر عامر کی وجہ شہرت دراصل آپریشن مڈنائٹ جیکالز ہے جس میں انہوں نے ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹنے میں ایک انٹیلی جنس ادارے کے چھوٹے سے افسر کے طور پر کردار ادا کیا۔اور وہ اس مشن میں بری طرح ناکام رہے۔ذاتی طور پر وہ مرنجاں مرنج انسان ہیں لیکن جس ملک میں آئی ایس آئی کے کئی ریٹائرڈ سربراہ موجود ہوں، وہاں اس ادارے کے ایک میجر کی سطح کے افسر کی صلاحیتوں کی رائی کو پہاڑ بنا کر کیوں پیش کیا جا تا ہے۔اور اس ملک میں کئی آرمی چیف بھی ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں، یہ سب طالبان کے قریب رہے یا مقابل رہے، پھر نجانے کتنے منجھے ہوئے سفارت کار ہیں جن پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔اور بیوروکریٹ جن کی زندگی ہی عام آدمیوں کی نفسیات کو سمجھنے میں گزر گئی، ان سب پر ہم نے لات ماری اور بھٹے سے چند ناپختہ اینٹیں پکڑ کر امن کی عمارت کھڑی کرنے کے لیئے بنیاد میں رکھ دیا۔جب دیوار ہی ٹیڑھی بنے گی تو اس پر استوار ہونے والی عمارت نازک تنکوں کی طرح ہوا کے ہلکے سے جھونکوں کے سامنے لرزاں رہے گی۔

افسوس! ملک کی قسمت کو بچوں کا کھیل بنا دیا گیا ہے۔(3 فروری 2014)

کمیٹی کا گھنٹہ گھر

کمیٹی بڑی خوش قسمت ہے کہ ادھر اس کی تشکیل ہوئی، ادھر وزیر اعظم نے اسے وقت دے دیا۔ ورنہ وزیر اعظم کے پاس پارلیمنٹ کے لیئے چھ سات ماہ تک ٹائم نہیں تھا، اپنے وزرا کے لیئے ٹائم نہیں ہوتا، پہلے دور میں انہوں نے امریکی سفیر کو کئی ماہ تک انتظار کروایا۔ کمیٹی پر وزیر اعظم نے ایک مہربانی اور کی ہے کہ روزانہ ایک گھنٹہ دینے کے لیئے تیار ہو گئے ہیں۔

کمیٹی کے کوآرڈی نیٹر کے منصب پر عرفان صدیقی کی تقرری عمل میں لائی گئی ہے۔ وہ حکومت اور کمیٹی کے ارکان کے مابین رابطہ کار کے فرائض ادا کریں گے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمیٹی کے دیگر ارکان کے لیئے حکومت کے پاس وقت نہیں ہے۔ طالبان کے ساتھ کون رابطہ کرے گا، اس کی کوئی وضاحت سامنے نہیں آئی، فی الحال ٹی وی چینلز کے ذریعے طالبان کو پیغام دیا گیا ہے کہ وہ اپنی شوری کا اجلاس بلائیں اور مذاکرات کے حق میں فیصلہ کر کے اپنی کمیٹی تشکیل دیں۔ دیکھیئے طالبان ردعمل کے لیئے کیا چینل استعمال کرتے ہیں، چند ایک دھماکے کرتے ہیں یا امریکہ حسب دستور مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیئے ڈرون مارتا ہے یا طالبان کی کوئی ٹیم مذاکرات کے لیئے کمر بستہ ہو کر اسلام آباد پہنچ جاتی ہے۔ درمیان میں بھارت بھی ہے جو شرارت کیئے بغیر نہیں رہ سکتا، اسے پاکستان میں امن ایک آنکھ نہیں بھاتا، اس کے را کے دہشت گرد ایجنٹ بھی کھل کھیل سکتے ہیں۔

طالبان کے جواب آنے تک کمیٹی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہنے پر مجبور ہے۔ یہ نکتہ ہر ایک کی سمجھ میں آتا

ہے کہ کمیٹی کے پاس کوئی آپشن نہیں، وہ طالبان اور امریکہ کے ردعمل کی محتاج ہے۔ طالبان اس کے ماتحت تو ہیں نہیں کہ اچھے بچے بن کر اس کے حضور پیش ہو جائیں اور پوچھیں کہ کیا حکم ہے میرے آقا! امریکہ، گو تھکا ماندہ ہے اور ڈرون حملوں کے مضمرات پر سخت پریشان ہے مگر اس کی فطرت تو تبدیل نہیں ہوئی۔ محاورہ ہے کہ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ فی الحال امریکہ نے کہہ دیا ہے کہ مذاکرات کا عمل پاکستان کا داخلی مسئلہ ہے۔ مگر امریکہ نے پاکستان کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کا فیصلہ کر لیا تو اسے روکنے کے لیئے کمیٹی کے پاس کوئی میزائل نہیں۔

وزیر اعظم نے کہہ تو دیا کہ اگر دہشت گردوں کے خلاف جنگ کا فیصلہ ہوا تو پوری قوم فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہو گی۔ یہ محض ایک واہمہ ہے۔ فضل الرحمٰن کہہ چکے کہ امریکی حملے میں کتا بھی مر جائے تو وہ شہید ہے اور منور حسن فرما چکے کہ امریکی فوج کا ساتھ دیتے ہوئے پاک فوج کا جوان یا افسر شہید نہیں کہلا سکتا۔ ان کا تازہ ترین فرمان ہے کہ اسامہ بن لادن لوگوں کے دلوں میں زندہ رہے گا، اس پس منظر میں حکومت نے فوج کو کسی آپریشن میں جھونکا تو دینی جماعتوں کی اکثریت آپریشن کی حمایت نہیں کر سکے گی اور بائیں بازو کی سوچ بھی وہی ہو گی جو مشرقی پاکستان کے فوجی آپریشن پر آج بھی ظاہر کی جاتی ہے کہ فوج نے اپنے عوام پر گولی چلائی اور مظالم کیئے۔ بنگلہ دیش کی حکومت نے پچھلے سال ہی ہمارے بعض لوگوں کو اعلیٰ ترین سول اعزازات سے نوازا ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فوجی آپریشن کی مخالفت کی تھی۔ یہ عناصر آج بھی فوج کے خلاف لمبی زبانیں استعمال کرتے ہیں، کبھی لاپتا افراد کے معاملے میں، کبھی لال مسجد کے قضیئے پر، کبھی بلوچستان میں آپریشن پر، کبھی کراچی میں آپریشن پر۔ شمالی وزیرستان کے آپریشن کی یہ کہہ کر بھی مخالفت کی جاتی ہے کہ اس کے لیئے امریکہ کا دباؤ ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی فوج قبائلی علاقوں سے زندہ بچ کر نہیں آئی۔ نہ کوئی ان علاقوں کو زیر کر سکا۔ ہم تو کشمیر کی کنٹرول لائن کو روتے ہیں لیکن فاٹا اور اس کے پار رہنے والوں نے پاک افغان بارڈر کو کبھی تسلیم نہیں کیا، وہ اسے آج بھی ڈیورنڈ لائین کہتے ہیں اور آزادانہ نقل و حرکت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

امن مذاکرات میں ایک فریق وہ بھی ہے جو پچھلے بارہ برسوں میں دہشت گردوں کا نشانہ بنا ہے، سول اور فوج کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں شہید ہوئے اور ہزاروں کی تعداد میں اپاہج ہو گئے۔ لاکھوں گھرانے اجڑ گئے۔ کوئی ان کے آنسو پونچھنے والا نہیں، کمیٹی کے ایجنڈے پر ان خاندانوں کا ابھی کوئی ذکر تک نہیں۔ ان

سے مذاکرات کون کرے گا، وہ جنہوں نے اپنا آج ہمارے کل کے لیئے قربان کردیا، کیا ہم انہیں پس پشت ڈال دیں گے۔

اور ایک فریق پاکستانی عوام بھی ہیں جو بدامنی کی وجہ سے بھوک، بیماری، مہنگائی اور بدحالی کا شکار ہیں۔جن کی قسمت میں لوڈ شیڈنگ کے اندھیرے ہیں۔نوجوانوں کے ہاتھوں میں ڈگریاں ہیں لیکن ان کے لیئے کہیں نوکری نہیں، اندرونی اور بیرونی سرمایہ کار نے ہاتھ کھینچ لیا ہے، کیا ان کروڑوں لوگوں کے دلوں کی بے ترتیب دھڑکنیں بھی کمیٹی کی ایکو کارڈیو گرام مشین پر نمودار ہو پائیں گی۔اور کیا ان کی ذہنی جھلاہٹ کا ارتعاش کمیٹی کی سی ٹی اسکین کی فلم پر ظاہر ہو سکے گا۔بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔آخر ہوا کیا کہ حکومتی پارلیمانی پارٹی نے فوجی آپریشن کے حق میں رائے دی، میڈیا نے بھی سخت اور فوری ایکشن کی فضا تیار کی مگر وزیراعظم نے قبلہ بدل لیا، انہیں ایک بار پھر ذہنی نابالغ بلاول بھٹو زرداری کا یہ طعنہ سننا پڑا کہ وہ چرچل بننے کی بجائے چیمبرلین کی طرح بھیگی بلی بن گئے اور طالبان کی خوشنودی کے طلب گار نظر آتے ہیں۔کمیٹی کے کو آرڈی نیٹر نے بصد افتخار اعلان کیا ہے کہ انہیں حکومت اور اپوزیشن دونوں کی آشیر باد حاصل ہے، مگر کیسے مان لیا جائے کہ جنہوں نے سرعام کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو طالبان نے شہید کیا، وہ ان سے ہاتھ ملانے کے لیئے تیار ہو گئے ہیں، ہر کوئی کہہ رہا ہے کہ پیپلز پارٹی بالآخر وزیراعظم کو فوجی آپریشن پر اکسائے گی تاکہ حکومت اور فوج ایک سنگین جنجال میں پھنس کر رہ جائیں۔کئی لوگوں کی زبان سے یہ سننے کو بھی ملتا ہے کہ وزیراعظم بچ دکھا کر بھی مارنا چاہتے ہیں، اور ان کی اصل منزل فوجی آپریشن ہی ہے۔بھٹو نے اکہتر میں کیا کھیل کھیلا تھا۔

کراچی کے حالات بھی حکومت کے لیئے پریشان کن ہیں۔ یہ ایک الگ منظر ہے جس کا طالبان یا افغانستان کی صورت حال سے قطعی تعلق نہیں لیکن کراچی کا مسئلہ امن کمیٹی کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے، لندن سے اچھے اشارے نہیں مل رہے۔ مذاکرات اور سفارت کاری تحمل، دھیما پن، بردباری، سنجیدگی اور راز داری کی متقاضی ہے لیکن کمیٹی کے، اعلیٰ حضرت کو آرڈی نیٹر پہلی پریس بریفنگ میں پندرھویں سوال پر جھلاہٹ کا شکار ہو گئے اور یہ کہہ اٹھے کہ اگر آپ لوگ شور کرتے رہیں گے تو میں اٹھ جاؤں گا۔اور ان کی سیماب صفت طبیعت سے کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کمیٹی کے گھنٹہ گھر سے کب گھر کی راہ لیں گے۔

کمیٹی کے گھنٹہ گھر کو یہ توفیق یا جرات نہیں ہوئی کہ وہ دہشت گردوں سے یہ کہہ سکیں کہ اللہ کے بندو! خود کش دھماکے تو بند کرو۔(یکم فروری 2014)

بولی والی کمیٹی

حکومت نے جو مسئلہ حل نہ کرنا ہو اس پر کمیٹی بنادی جاتی ہے بلکہ بٹھادی جاتی ہے۔آج تک تو کمیٹیوں کا یہی کردار رہا بلکہ بد کردار رہا۔

اب جو نئی کمیٹی بنی ہے، اس کی پہلی خامی یہ ہے کہ جمہوری، پارلیمانی، سیاسی نظام میں یہ نظام سے باہر کی ایک کمیٹی ہے۔

اس کمیٹی کی دوسری خامی یہ ہے کہ اس میں دو ارکان کا تعلق ایک ہی میڈیا ہاؤس سے ہے، اسی میڈیا ہاؤس کے ایک صاحب نجم سیٹھی پہلے ہی اقتدار میں ہیں، اور تیسرے، رؤف طاہر ریلوے کے کھٹارہ محکمے میں گریڈ بائیس کے مزے لوٹ رہے ہیں، ان کا اصل فرض تو اپنے وزیر سعد رفیق کی مدح سرائی ہے لیکن شومی قسمت سے انہیں وزیر کے بھائی کا قصیدہ بھی لکھنا پڑا ہے، اجمل نیازی کو یہ بہت برا لگا اور انہوں نے اس موضوع پر کھل کر لکھا اور لکھنے کا حق ادا کردیا۔خواجہ رفیق شہید بہرحال خراج تحسین کے حقدار تھے۔

حکومت کے لیئے ایک ہی میڈیا ہاؤس اس قدر چہیتا کیوں ہے اور ویسے ہمارے اخبار نویس بھائی جو اعلیٰ اور ارفع سیاسی، اخلاقی، مذہبی اقدار کا ڈنکا بجاتے نہیں تھکتے، وہ اپنے آپ کو چھانگا مانگا کے نیلام گھر یا مویشی منڈی میں بولی کے لیئے پیش ہی کیوں کرتے ہیں۔حکومت کے معاملات سیاستدان جانیں، اخبار نویس تو انہیں سیدھے راستے پر رکھنے کا فریضہ ادا کرتا ہے۔اور اگر اخبار نویس بھی ہوس زر اور ہوس جاہ میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کے عمر بھر کے وعظ کی حیثیت کیا ہے، وہ تو گیا بھاڑ میں۔

سوال یہ بھی ہے کہ کیاان اخبار نویسوں میں کوئی اضافی قابلیت اور صلاحیت ہے۔قومی امور پر مشاورت کا فرض تو اخبار نویس لکھ اور بول کر دونوں طریقوں سے ادا کرتا ہے لیکن جب جیب گرم ہونے کا لالچ ہو تو پھر وہ اپنی رائے میں ڈنڈی مارے گا، یہ بد دیانتی ہوگی۔

اوراب کمیٹی نے طالبان سے مذاکرات کرنے ہیں، یہ کام تو وزیر داخلہ کر رہے تھے، ان کے ساتھ وزیر دفاع کو بھی شامل کیا جاسکتا تھا، مگر کمیٹی کی تشکیل نے ان دو وزرائے کرام پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا۔ وزیر داخلہ کو کمیٹی کا سیکرٹری بنا دیا گیا ہے، چودھری نثار اپنی ترنگ والے سیاستدان ہیں، وہ اس تنزلی کو کیسے ہضم کر پائیں گے اور وزیر دفاع کیوں منہ دیکھتے رہ گئے، وزیر اعظم اپنی ٹیم کے کپتان ہیں، انہیں اپنے ان دو کھلاڑیوں پر عدم اعتماد تھا تو وہ ان کی جگہ کسی دوسرے رکن پارلیمنٹ کو ان کے قلم دان سونپ دیتے، بیرونی عناصر اور گھس بیٹھیوں کے سر پر دستار فضیلت کیوں ٹکا دی گئی۔اور یہ ان کے سر پر سج بھی نہیں رہی، بے جوڑ اور بے ڈھنگی لگتی ہے۔

میں تو اپنے ان سارے تحفظات کو واپس لیتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کمیٹی میں جو کوئی بھی ہے، پاکستانی شہری تو ہے، ورنہ ہم کیا کر لیتے اگر اس کمیٹی میں رشید دوستم اور احسان اللہ احسان کو شامل کر دیا جاتا یا پھر بھارت کے راہول گاندھی اور نریندر مودی کے نام ان کی جگہ ڈال دئے جاتے، جب واہگہ کی لکیر مٹانے کا ارادہ ہے اور بارڈر چوبیس گھنٹے کھولنا ہے تو پھر آر پار کے لوگوں میں فرق کیا کرنا، جہاں کہیں ذہن رسا موجود ہو، اس سے کام لیا جاسکتا ہے، آخر کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں انٹرنیشنل آربٹریشن کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔اور بھارت تو ہمارا ہمسایہ ہے اور ماں جایا بنایا جا رہا ہے۔

میری آج صبح مولانا سمیع الحق سے فون پر بات ہوئی، وہ سخت رنجیدہ تھے کہ جس شخص کو وہ امیر المومنین ملا عمر اور گورنر قندھار کے پاس لے گئے، اب وہ ہمی کی بلی، ہمی کو میاؤں والا سلوک کرتا ہے۔

بلاول کا لب ولہجہ مجھے سخت ناپسند ہے، وہ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کی تذلیل اور تضحیک کرتا ہے لیکن اس کمیٹی پر اس کا تبصرہ تاریخ کا حصہ بنے گا کہ طالبان سے مذکرات کے لیئے طالبان کی کمیٹی بنادی گئی ہے۔ بلاول کو کوئی ہوشیار مشیر دستیاب ہے۔ورنہ اس میں اتنی سیانف کہاں۔

دنیا بھر میں تنازعات کے خاتمے کے لیئے پہلے جنگیں لڑی جاتی ہیں، جب فریقین ہلکان ہو جائیں تو پھر مذاکرات کی میز کا رخ کرتے ہیں۔ پاکستان تو اس وقت بالکل ہلکان اور بے جان ہو چکا، مگر کیا طالبان بھی

تھک چکے، لگتا یہی ہے کہ امریکی انخلا کی صورت میں ان کے سامنے پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ ختم ہو جائے گی لیکن کیا ان کے سرپرست ان کو نچلا بیٹھنے دیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ ہرگز نہیں، وہ انہیں مسلسل پاکستان سے لڑنے بھڑنے کے لیئے مجبور کرتے رہیں گے۔ یہ وہ طالبان ہیں جن کا نشانہ پاکستان ہے، افغان طالبان یک سو ہیں، انہیں فکر ہے تو آئندہ لائحہ عمل کی اور پاکستان کو اگر کسی سے مذاکرات کرنے ہیں تو وہ افغان طالبان ہیں جو ہمارے پڑوس میں ہیں اور جن کے ملک کو ہم اسٹریٹجک ڈیپتھ کہتے ہیں۔ ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں، صرف عارضی تناؤ کی کیفیت ہے کہ ہم نے انہیں تن تنہا چھوڑ دیا مگر یہ کوئی بڑا جرم نہیں، وہ ہماری مجبوریوں کا لحاظ کریں گے، ان سے مذاکرات کے لیئے وزیراعظم کی موجودہ کمیٹی کوئی کردار ادا کرنے کے قابل نہیں۔ ان سے ہمارے اعلیٰ سکیوریٹی اور سفارتی حکام کو بات کرنا ہوگی کہ وہی پاکستان کے مفادات کی کلی نزاکتوں کو سمجھتے ہیں۔ چار رکنی کمیٹی کو فاٹا کی سیر مقصود ہو تو وہ اس دلکش علاقے میں ضرور آئے جائے، پٹھان روایتی طور پر بے حد مہمان نواز ہوتے ہیں، عمران خان تو ان کو غیرت مند بھی قرار دیتا ہے مگر بے چارہ فاٹا کے اندر نہ گھس سکا، جب جوان تھا اور اس کی پہچان صرف کرکٹ کے کھلاڑی کی تھی تو وہ وہاں جاتا رہا اور پٹھان بھائیوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اب زبانی جمع خرچ کے سوا اس کے توشے میں کچھ نہیں، سیاست کا بے رحم اور تند و تیز ریلا، پلوں کے نیچے سے بہت کچھ بہا کر لے گیا۔ کمیٹی نے بھی سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہونا ہو تو وہ شوق پورا کر لے۔ مگر احتیاط کے ساتھ، جان بہت پیاری ہے۔

کمیٹی کے اختیارات کا تعین ہونا باقی ہے، کیا وہ وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر دفاع، آئی ایس آئی، آئی بی، رینجرز، ایف سی، اور جی ایچ کیو کے اعلیٰ ترین حکام کو بریفنگ کے لیئے طلب کر سکتی ہے، اصولی طور پر اسے ایسا کرنا تو چاہیئے اور وہ بھی نتائج سے بے پروا ہو کر۔ ہاں اسے بھارتی را اور امریکی سی آئی اے سے بھی صلاح لے لینی چاہیئے کہ آخر وہ بھی منہ میں زباں رکھتے ہیں۔

اور اگر کمیٹی سمجھتی ہے کہ وہ محض جھک مارنے کے سوا کچھ نہیں کر پائے گی تو اس کے ارکان خود مستعفی ہو جائیں یا وزیراعظم سے درخواست کریں کہ انہیں معاف رکھا جائے، خاص طور پر ہمارے پیارے دوست رحیم اللہ یوسف زئی اپنی عزت ضرور بچانے کی کوشش کریں۔ میجر عامر کو خفیہ کاموں کا شوق ہے، وہ اس مہم جوئی سے ہرگز الگ نہ ہوں، ایک مڈنائٹ جیکال اور سہی، اور یہ تو بڑی بھاری کمیٹی ہے، بولی والی کمیٹی۔

(31 جنوری 2014)

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ایک معاصر کی خصوصی رپورٹ کے مطابق ایک اخبار کے کالم نویس اور نواز شریف کے قریبی معتمد عرفان صدیقی کو پی ٹی وی ہیڈ کوارٹر میں دفتر فراہم کر دیا گیا ہے۔ابھی انہیں کوئی خاص منصب نہیں سونپا گیا کیونکہ وہ اوور ایج ہیں لیکن حکومت کے لیئے اس رکاوٹ کو بلڈوز کرنا کوئی مشکل نہیں۔

چند روز پہلے ایک معتبر ذریعے سے مجھے یہ خبر مل گئی تھی۔ مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ چلیئے ہمارے دوست عطا قاسمی کو ان کی پسند کا عہدہ نہیں ملا تو دوسرے دوست پر ان کے شایان شان نوازش کر دی گئی ہے۔رؤف طاہر کو بھی ریلوے میں گریڈ بائیس کی نوکری مل گئی ہے، ان تین حضرات میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ میاں نواز شریف کے حامی کالم نگار ہیں۔ میں ان لوگوں کو سیاسی شعبے کے خصوصی افراد تصور کرتا ہوں اور ان سے زیادہ شفقت کا کوئی اور مستحق نہیں، پہلے زمانے میں بھی قصیدہ خوانوں کے منہ اشرفیوں سے بھر دیئے جاتے تھے۔اکبر کے نورتن تو تاریخ کا حصہ ہیں اور اس عظیم مغل حکمران کی کامیابی کا راز بھی۔کیا عرفان صدیقی، عطا قاسمی، رؤف طاہر ان نورتنوں کے ہم پلہ ثابت ہو سکتے ہیں۔یہ فیصلہ ان اصحاب جلیلہ کی کارکردگی کی بنیاد پر ہوگا، پیپلز پارٹی نے بھی اپنے قریبی اخبار نویسوں کو اعلیٰ مناصب عطا کیئے، شیری رحمٰن اور واجد شمس الحسن کو سفارت عطا کی، حسین حقانی پر نواز شریف، محترمہ بے نظیر اور زرداری نے نظر کرم فرمائی، سید مشاہد حسین کو نواز شریف نے وزیر اطلاعات بنایا۔اب وہ ق لیگ کے مسلمہ لیڈر ہیں۔ملیحہ لودھی بھی سفارتی منصب تک پہنچیں۔ایوب خان کو الطاف گوہر اور قدرت اللہ شہاب جیسے عمائدین میسر تھے۔ارشاد حقانی، مصطفیٰ صادق

،کوثر نیازی بھی آسمان صحافت سے سیاست کی کہکشاں کا حصہ بنے۔ حیدر آباد کا سید گھرانہ بھی حکومت کے فلک پر نسل در نسل روشنی بکھیرتا رہا۔ ضیاالحق کے پاس ایک صدیق سالک کم نہیں تھے، جماعت اسلامی نے محمود اعظم فارقی بھی انہیں بخش دیئے، میں نے چند نام گنوائے، ورنہ ملکی اور عالمی تاریخ ایسے تابناک افراد سے بھری پڑی ہے جنہوں نے تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقش چھوڑے، ان میں ہٹلر کے دست راست گوئبلز کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جس نے حکومتی پروپیگنڈے کا بنیادی اصول وضع کیا کہ اتنا جھوٹ بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے۔

پیش کش تو ڈاکٹر مجید نظامی کو بھی ہوئی تھی اور وہ بھی منصب صدارت کے لیئے مگر ان کا نواز شریف کو جواب تھا کہ آپ چند روز بھی میرے ساتھ نہیں گزار سکتے۔

مگر جنہوں نے گزارہ کرنا ہے، وہ من وتو کے حساب میں نہیں پڑتے۔ پی ٹی وی میں کام کم ہے اور تنخواہ حدو حساب سے باہر۔ دنیا میں ہر حکومت اپنے ساتھ ایک ٹیم لاتی ہے، اسے بہت پہلے سے اپنے اپنے فیلڈ میں تجربے کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے مگر پاکستان میں حکومتی ٹیم تجربے سے نہیں، دولت سے مالا مال کرنے کے لیئے تشکیل دی جاتی ہے۔

ہمارے دانش وروں کے قلم سیاستدانوں اور مخالف حکمرانوں پر تنقید کر کے گھس جاتے ہیں مگر جب ان کو خود باری ملتی ہے تو وہ ساری چوکڑی بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی تنقید کو خاطر میں نہیں لاتے۔ نجم سیٹھی کا شمار اہل صحافت میں ہوتا ہے مگر وہ حکومتی منصب تک جا پہنچے اور پھر ایسا نشہ چڑھا کہ وہ کرکٹ بورڈ سے بھی جا چمٹے۔ میری خبر یہ ہے کہ پی ٹی وی میں جو عہدہ عرفان صدیقی کو نہیں مل سکا، اس کے لیئے اوورایج ہونا محض ایک عذر تھا، اصل میں یہاں دونوں عہدوں پر نجم سیٹھی کو براجمان کیا جانا تھا۔ چلیئے یہ فیلڈ ان کے لیئے اجنبی نہیں ہوگا اور اگر عرفان صدیقی بھی یہاں جم جائیں تو وہ بھی پروپیگنڈے کی سائنس میں پی ایچ ڈی ہیں۔ اور ایسی مہارت کہ فوج کے لیئے ان کا لفظ لفظ تیز دھار مگر سابق آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی ان کے اسلوب کے اس قدر پرستار کہ بھری محفل میں یہ کہہ اٹھے کہ میں سب کچھ مس کر سکتا ہوں، آپ کا کالم مس نہیں کر سکتا۔ شاید غالب نے ایسے موقع کے لیئے کہا تھا کہ گالیاں کھا کے بھی بدمزہ نہ ہوا۔

پی ٹی وی ایک زمانے میں گھر کے ہر فرد کا پسندیدہ میڈیم تھا۔ مگر اب مادر پدر آزاد ٹی وی چینلز کا دور ہے اور پی ٹی وی کو کوئی پوچھتا تک نہیں، عرفان صدیقی کا پہلا امتحان ہی یہ ہے کہ وہ آزاد میڈیا کے مقابل پی ٹی وی پر

لوگوں کا اعتماد کیسے بحال کر پاتے ہیں۔مخالف حکومت پر بڑھ چڑھ کر حملے کرنا آسان ہے مگر اپنی پسندیدہ حکومت کا دفاع انتہائی مشکل۔اس کے لیئے بہت جھوٹ بولنا پڑے گا، مجھے نہیں معلوم کہ عرفان صدیقی اس فن سے واقف ہیں یا نہیں، میرا خیال ہے کہ نہیں۔اور اگر انہیں کوئی مجبوری بھی درپیش ہو تو انہیں جھوٹ کا راستہ ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔روزی روٹی کمانے کے ہزار راستے ہیں۔

میں اپنے لکھنے والے دوستوں کا خیر خواہ ہوں۔انہیں نت نیا منصب ملے، وہ شب و روز ترقی کے زینے طے کریں، مگر کیا جن اصولوں کا وہ زندگی بھر پرچار کرتے رہے، وہ تو پامال نہیں ہو رہے، اس کا دھیان انہیں ضرور رکھنا ہوگا۔

میں نے چند روز قبل حنیف رامے کے بیٹے ابراہیم رامے سے طویل گفتگو کی ہے، رامے صاحب بھی کوچہ صحافت سے ابھرے اور سیاست کی معراج تک پہنچے اور پھر انہی کے لیڈر نے انہیں ایسا رگڑا دیا کہ خاندان چھت اور نوالے سے محروم۔مگر حنیف رامے اپنی چیف منسٹری میں وہ وہ کام کر گئے کہ نئی دہلی کے سینکڑوں کجری وال اور تخت لاہور کے درجنوں شہباز شریف ایسے معرکے سر نہیں کر سکتے۔ایک لکھنے والا جب حکومت کے منصب پر پہنچنے کے بعد بھی اپنی اصلیت کو نہیں بھولتا اور وہ اپنے اصولوں پر چلتا ہے تو تاریخ میں اسے حنیف رامے کے نام سے یاد رکھا جاتا ہے، باقی سب تاریخ کے کوڑے دان کی نذر ہو جاتے ہیں۔

حکومتی حاشیہ نشینوں سے البتہ میری ایک دست بستہ درخواست ہے کہ وہ موقع بے موقع فوج پر شب و ستم سے گریز کریں۔کسی قیدی کو کوئی مرض لاحق ہے یا نہیں، ن لیگ کے کالم نگاروں کو فوج کے خلاف مالی خولیہ کا مرض ضرور لاحق ہے۔احمد رضا قصوری نے تو شاید حق وکالت میں ایک انتباہ کیا ہے مگر میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ جو کوئی پلٹن میدان کا، ری پلے چاہتا ہے، وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے۔اس منظر نامے کو دہرانے کے لیئے بھارت میں اندرا گاندھی، امریکہ میں رچرڈ نکسن، سوویت روس میں کوسیگن، اسرائیل میں گولڈا میئر اور پاکستان میں جنرل یحیٰ خاں کا قرآن السعدین ضروری ہے۔

کسی بھی لیبارٹری سے ٹیسٹ کروا لیجیے، جنرل راحیل شریف کا ڈی این اے یحیٰ خاں سے میچ نہیں کرتا، ٹائیگر نیازی سے بھی نہیں کرتا۔اس لیئے آرمی بیشنگ کے کار لاحاصل سے باز رہیئے۔اپنی اصلیت کو مت بھولیئے، ہما خاکم کہ ہستم !!(27 جنوری 2014)

واشنگٹن میں مکالمہ

مجھے پہلے تو اس سوالیہ حیرت کا اظہار کرنا ہے کہ امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے پاکستانی وفد میں کس کو وزیر خارجہ کہہ کر مخاطب کیا۔

میرے پاس ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ وزیر اعظم نے جناب سرتاج عزیز کے منصب میں کوئی تبدیلی کی ہو، ہمارے دوست عرفان صدیقی کو تو بڑی شتابی سے وفاقی وزیر کا منصب عطا کر دیا گیا ہے مگر سرتاج عزیز کے بارے میں ہنوز ایسا اعلان ہونا باقی ہے، ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔

پاکستان اور امریکہ کے مابین اسٹریجیک مذاکرات کا احیاء تین سال بعد ہو رہا ہے۔ 2010 میں اس کے یکے بعد دیگرے تین اجلاس ہوئے، مارچ، جولائی اور اکتوبر میں۔ لگتا ہے دونوں ملکوں کا معاشقہ عروج پر تھا اور پھر اس کو کسی کی نظر لگ گئی۔ دونوں ملکوں کے تعلقات میں رخنہ پڑ گیا۔ کبھی امریکہ نے ایبٹ آباد پر جارحیت کی، کبھی سلالہ میں خون کی ہولی کھیلی اور پھر میمو گیٹ کا شاخسانہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ان حالات میں امریکہ یا پاکستان میں سے کوئی ایک فریق قربت چاہتا بھی تو پاکستانی عوام اس کے لیئے تیار نہ تھے اور افواج پاکستان بھی سخت غصے میں تھیں۔

محاورے کی رو سے وقت بڑا مرہم ہوتا ہے، تین سال سرد خانے کی نذر ہو گئے مگر اب پھر شروعات نظر آ رہی ہیں، گو رفتار بہت سست ہے، جنرل اسمبلی کے اجلاس میں صدر اوبامہ نے نواز شریف کو یکسر نظر انداز کیا اور من موہن سنگھ کے قدموں میں سرخ قالین بچھا کر خوش آمدید کہا، نواز شریف کو ایک ماہ بعد امریکہ جانا پڑا۔ یہ کوئی اچھا شگون نہ تھا لیکن یہی ہماری قسمت میں لکھا تھا، اس سے پہلے شکاگو میں صدر زرداری کو بھی

اوباما نے ٹھڈا کرایا تھا، ہم من حیث القوم اکڑے ہوئے تھے مگر امریکہ نے ساری اکڑ فوں نکال دی۔ ہم کشکول توڑنے کا اعلان کر رہے تھے، مگر ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ہمیں کشکول دوبارہ اٹھانا پڑا۔

تمہید طول پکڑ رہی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جان کیری نے ہمارے اعلیٰ سطحی وفد سے کیا باتیں کیں اور انہیں کیا جواب سننا پڑا۔ مجھے اس جواب پر خوشی ہے، یہ جواب سرتاج عزیز ہی دے سکتے تھے، میں انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارکباد دیتا ہوں اور قوم کے دلی جذبات کے اظہار پر ان کا شکر گزار ہوں۔

جان کیری نے روایتی باتیں کیں۔ السلام علیکم بھی کہا۔ اور پاکستانی وفد میں سے کسی کو وزیر خارجہ کہہ کر بھی مخاطب کیا، یہ صاحب کون ہیں، کسی کے علم میں ہو مجھے ضرور بتائے۔ کیری نے یاد دلایا کہ وہ پاکستانی عوام کا خیر خواہ ہے، اس نے کیری لوگر برمن بل منظور کروایا جس سے امریکی عوام نے پاکستانی عوام کو براہ راست امداد دینا شروع کی۔ ہمارے میڈیا میں اکثر اشتہار چھپتے ہیں جن میں لکھا ہوتا ہے کہ امریکی عوام کی طرف سے پاکستانی عوام کے لیئے۔ ایسے جذبات کا اظہار پچاس کے عشرے میں بھی کیا جاتا تھا جب امریکہ سے ملنے والی امداد، دور سے ہی پہچانی جا سکتی تھی کیونکہ اس پر مخصوص نشان بنا ہوتا۔ جان کیری نے اپنے ریمارکس میں یاد دلایا کہ ہمیں اختلافات میں بھی دوستی اور قربت کا راستہ تلاش کرتے رہنا چاہیئے۔ انہوں نے پاکستانی عوام کو ہلہ شیری دی ہے کہ وہ دہشت گردی کے عفریت کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہیں۔ انہوں نے اقرار کیا کہ اس جنگ میں پاکستان نے سب سے زیادہ قربانی پیش کی ہے۔ انہوں نے کراس بارڈر ٹیررازم کے خاتمے پر بھی زور دیا اور ایٹمی پھیلاؤ کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری سمجھا۔ پتا نہیں ایٹمی پھیلاؤ کا مسئلہ امریکیوں کے حواس پر کیوں حاوی ہے۔ ان دنوں اسٹریٹیجک مذاکرات کے تحت چند خصوصی گروپ بھی مشاورت میں مصروف ہیں جن میں سے ایک کا تعلق ایٹمی پھیلاؤ سے ہے۔ باقی انرجی اور سکیوریٹی سے متعلق ہیں۔

سرتاج عزیز کے بولنے کی باری آئی تو رسمی کلمات کے بعد انہوں نے امریکی میزبان کو کھری کھری سنانا شروع کریں، انہوں نے کہا کہ پہلی افغان جنگ کے بعد امریکہ نے انخلا کیا تو پاکستان کو اعتماد میں نہیں لیا، اسی طرح نائن الیون کی دفاعی اسٹریٹیجی کی تیاری میں بھی ہمیں مشاورت میں شریک نہیں کیا، انہوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ بھارت کے بارے میں ہمارے جو بھی تحفظات ہیں، ان کو پورا وزن نہیں دیا جاتا، میں قربان جاؤں سرتاج عزیز کے جنہوں نے کہا کہ ہم بھارت کے ساتھ امن چاہتے ہیں لیکن

مسئلہ کشمیر کے حل کی شرط پر۔انہوں نے امریکیوں سے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ صرف اپنی سکیوریٹی اور افغان دردسری کو مدنظر رکھ کر پاکستان کے ساتھ تعلقات بنانے کی فکر میں ہیں جبکہ پاکستان کی سکیوریٹی کو لاحق خطرات کا آپ لوگ ہرگز احاطہ نہیں کرتے۔اور سرتاج عزیز کا یہ فقرہ تو کمال کا ہے کہ ہم ہر چیلنج سے نبٹنے کے لیئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ بھی اس کے لیئے کمر بستہ ہو جائیں۔ہم دونوں ملکوں کے مفادات کا تحفظ کر کے ہی آگے بڑھ سکتے ہیں۔سرتاج عزیز نے تجویز پیش کی ایک ورکنگ گروپ تعلیم کے مسئلے پر بھی تشکیل دیا جائے جس پر نواز حکومت خصوصی توجہ مرکوز کیئے ہوئے ہے۔انہوں نے کہا کہ یورپی یونین نے جی ایس پی پلس کا درجہ دے کر پاکستانی برآمدات میں اضافے کا رستہ کھول دیا ہے،اسی طرح امریکہ کو بھی اپنی منڈیاں پاکستانی مال کے لیئے ترجیحی بنیادوں پر کھول دینی چاہئیں۔

دہشت گردی میں پاکستان کے نقصانات کا ذکر بھی جناب سرتاج عزیز کی زبان پر آیا،انہوں نے کہا کہ ہمارے عوام نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں اور امریکی انخلا کے بعد ہمیں مزید خدشات لاحق ہیں،سارا ملبہ پاکستان پر گرنے کا خطرہ ہے۔ہم افغانستان میں قیام امن کے حامی ہیں،امریکی انخلا کے لیئے محفوظ راستہ بھی دینے کا عزم رکھتے ہیں(قارئین اس یقین دہانی کو نوٹ کریں)

تو یہ ہے خلاصہ اس مکالمے کا جو اسٹریٹیجک مذاکرات کے آغاز پر پاک امریکہ وفود کے سربراہان کے درمیان ہوا۔مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ سرتاج عزیز نے بھارت کے ساتھ امن کو کشمیر کے ساتھ مشروط کیا، امریکی بے وفائیوں کی تاریخ بھی بیان کی مگر میں جانتا ہوں کہ ان باتوں سے امریکہ کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا،وہ ہماری خاطر کشمیر کے مسئلے میں نہیں پڑے گا،نہ وہ افغانستان سے انخلا کی صورت میں ہمارے سکیوریٹی مسائل سے نبٹنے کے لیئے ہماری مدد کرے گا،ہم دس بارہ برسوں سے دہشت گردی کی جنگ میں زخم کھا رہے ہیں،یہ جنگ ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔امریکہ ایک بار یہاں سے نکل گیا تو نکل گیا، وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا،ہاں بھارت کی وسیع منڈیوں کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکتی رہے گی۔پاکستان کے بارے میں اسے کوئی بھی فکر ہوگی تو وہ صرف یہ کہ ہمارا نیوکلیئر پروگرام محفوظ ہاتھوں میں رہے۔کیری لوگر بل میں اس کے لیئے کوئی چاشنی باقی نہیں رہے گی۔وہ ہمیں جس قدر استعمال کر سکتا تھا،کر چکا،اب ہم جانیں اور دہشت گرد جانیں۔امریکہ کو اس مسئلے سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔کسی دوسرے کو امریکہ سے خوش گمانی ہو سکتی ہے،مجھے ہرگز نہیں۔سچ سچ بتائیں کیا آپ کو ہے!!(29 جنوری 2014ء)

ایٹمی اسلحہ چوری ہونے کا خدشہ

امریکہ کے سر پر ایک ہی بھوت سوار ہے کہ پاکستان کا ایٹمی اسلحہ چوری ہوسکتا ہے یا ہو چکا ہے۔

افغان جنگ شروع ہوئی تو حامد میر نے افغانستان کے کسی نامعلوم مقام پر اسامہ بن لادن سے ملاقات کی، ان دنوں وہ روزنامہ اوصاف کے ایڈیٹر تھے لیکن ان کی خبر ڈان نے بھی شہ سرخی کے ساتھ شائع کی جس میں اسامہ نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے پاس ایٹمی اسلحہ موجود ہے اور اگر امریکہ جارحیت سے باز نہ آیا تو وہ اس ایٹمی اسلحے کو استعمال کر کے امریکہ کو تباہ کر دے گا۔

اس خبر کا چھپنا تھا کہ امریکہ نے افغانستان کا تورا بورا بنا دیا، وہ دن اور آج کا دن، اسامہ نے اپنا ایٹمی اسلحہ کہیں استعمال نہیں کیا، یہ اسلحہ کہاں چھپا رکھا ہے، اس کی خبر خود اسامہ کو ہو سکتی ہے، حامد میر دوبارہ اس سے کہیں ملیں تو پوچھیں تو سہی کہ یا شیخ! جو الگ باندھ کے رکھا ہے وہ مال کہاں ہے۔

پاکستان کے ایٹمی اسلحے کے بارے میں ایک بار پھر تشویشناک خبریں اس وقت منظر عام پر آئیں جب طالبان نما لوگوں نے سوات پر قبضہ کر لیا، ملکی اور غیر ملکی میڈیا اور بالخصوص فضل الرحمٰن یہ کہہ رہے تھے کہ طالبان اور کہوٹہ کے مابین صرف مارگلہ کی پہاڑیاں حائل ہیں۔ یہ ڈراوا اس قدر بھیانک تھا کہ پاکستانی فوج کو فوری طور پر ایک آپریشن کرنا پڑا۔ شاید اس سے کہوٹہ محفوظ ہو گیا ہوگا۔

اب ایک بار پھر پاکستان کا ایٹمی اسلحہ چوری ہونے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ افغان صدر حامد کرزئی نے امریکہ کے ساتھ سکیورٹی معاہدہ نہیں کیا جس کی بنا پر امریکہ کو اپنی ساری فوج اس ملک سے نکالنی پڑ جائے گی۔ ایسا ہو جائے تو کیا کہنے مگر امریکہ کو ڈر ہے کہ اس کی ساری فوج نکل گئی تو

ڈرون طیاروں کے اڈے غیر محفوظ ہو جائیں گے جہاں سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں دہشت گردوں پر حملے کیئے جاتے ہیں، امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق انہی ڈرون طیاروں کے ذریعے پاکستان کے ایٹمی اسلحہ کے چوری ہو جانے کی صورت میں امریکہ فوری کارروائی کر سکتا ہے، اخبار نے پوری رپورٹ میں صرف ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ بھارت کا ایٹمی اسلحہ بھی چوری ہو سکتا ہے اور اس صورت میں بھی ڈرون ہی واحد موثر ہتھیار رہے۔ اخبار نے ہر دو چار فقروں کے بعد چوری کا خدشہ پاکستان کے ایٹمی ذخائر کے بارے میں ہی ظاہر کیا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ پاک فوج کا کوئی انتہا پسند جرنیل بھی یہ اسلحہ ہتھیا سکتا ہے۔ پاکستان میں دفاعی امور سے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ امریکی ڈرون ہمارے ایٹمی اسلحے کی سخت نگرانی کر رہے ہیں۔

نیویارک ٹائمز کے مطابق پاکستان نے چھوٹے چھوٹے ایٹم بم تیار کر لیئے ہیں جن سے بھارتی فوج کے جارحانہ حملوں کو روکا جا سکتا ہے، امریکہ نے اس قسم کے ہتھیار سرد جنگ کے زمانے میں یورپ میں ڈیپلائے کیئے تھے۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ہمارے ایٹمی اسلحے کے بارے میں دنیا سب کچھ جانتی ہے اور ایک ہم ہیں کہ ابھی تک اپنے ایٹم بم کی شکل تک نہیں دیکھی۔ مجھے تو کہوٹہ کے جغرافیے کا بھی علم نہیں لیکن میں اس قدر خوش قسمت ضرور ہوں کہ 1987 میں مجھے ملائیشیا کا نیوکلیر پلانٹ دیکھنے کا موقع مل گیا، میں نے اس کے اندر بھی جھانک کر دیکھا اور اس پلانٹ کے سربراہ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کو یہاں کام کرتے ڈر نہیں لگتا تو جواب ملا کہ ہم یہاں اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے ہیں، اصل ڈر ہمیں سڑکوں کی ٹریفک سے لگتا ہے، جہاں قدم قدم پر جان لیوا حادثات رونما ہوتے ہیں۔ یہ صاحب پاکستان میں ہوتے تو خودکش دھماکوں سے ان کی ٹانگیں کانپ رہی ہوتیں۔

میری خواہش ہے کہ ہمارے دفاعی ادارے ایک مرتبہ ہم اخبار نویسوں کو قومی ایٹم بم کی زیارت تو کرا دیں۔ ڈاکٹر مجید نظامی بڑے دل گردے والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انہیں ایٹمی میزائل کے ساتھ باندھ کر جموں کی بھارتی ناردرن فوجی کمان کے ہیڈکوارٹر پر پھینک دیا جائے، لیکن ان کا دم غنیمت ہے، وہ قوم کی نظریاتی راہنمائی کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ یہ کام میں اپنے ذمے لیتا ہوں، راستے میں اس ایٹم بم کو چومنے کا موقع بھی مل جائے گا۔

نائن الیون سے ایک سال پہلے مجھے امریکہ کے ایک سرکاری دورے کا موقع ملا۔ جاوید صدیق بھی ہمراہ

تھے۔ ہمیں سان فرانسسکو سے آگے مانٹرے انسٹی ٹیوٹ لے جایا گیا جہاں ہر شخص نے ایک ہی لیکچر دیا کہ ایٹمی اسلحہ دہشت گردوں کے ہاتھ لگ چکا ہے۔ یہ دعوے محض ایک فریب کے سوا کچھ نہیں، آج تک ایٹمی اسلحہ کسی دہشت گرد نے استعمال نہیں کیا بلکہ تمام خودکش دھماکوں میں دیسی بارود کے اندر تیز دھار کیل اور چھرے رکھ کر کام چلایا جاتا ہے۔ اس سے دہشت گردوں کی بے سروسامانی کا اندازہ بھی ہوتا ہے، اگر کسی کے پاس چھوٹے سے چھوٹا ایٹم بم بھی ہوتا تو وہ ہمیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا اور ایسی تباہی مچاتا کہ گلی ہوئی چربی نما لاشوں کا نوحہ پڑھنے والا بھی کوئی زندہ نہ بچتا مگر امریکہ کے پاس ایسی پروپیگنڈا مشین ہے کہ اس کے جھوٹ پر بھی سچ کا گمان ہوتا ہے، ہمارے پروپیگنڈے باز اپنے فوجی ڈاکٹروں کی میڈیکل رپورٹ کو کوس رہے ہیں جبکہ امریکی پروپیگنڈا ماہرین ہماری تباہی کے اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی کرنے میں مصروف ہیں۔ ویسے انہیں ایسے تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت، اپنا گلا گھونٹنے کے ہم خود بڑے ماہر ہیں، ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کا فن کوئی ہم سے سیکھے۔ فیصلہ کن گھڑی آن پہنچی ہے، ہمارے مشیر خارجہ سرتاج عزیز امریکہ میں اسٹریٹیجک مذاکرات کے لیئے موجود ہیں۔ میاں نواز شریف کو حالات کی سنگینی کا ذرا بھی احساس ہوتا تو وہ ایک با اختیار وزیر خارجہ ضرور مقرر کرتے۔ مشیروں سے کام نہ چلاتے۔ یہ مشیر وزیر اعظم سے راہنمائی کے محتاج ہیں کیونکہ وہی وزیر خارجہ بھی ہیں تو ان مذکرات میں وزیر اعظم کو خود جانا چاہیئے تھا۔ فیصلہ کن گھڑی یہ ہے کہ امریکہ کو انخلا کے بارے میں اہم فیصلے کرنے ہیں اور ہم ان کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ شکر ہے نواز شریف نے سرتاج عزیز کو وہاں بھیجا، اگر وہ کسی حاشیہ نشین کالم نویس کو وقتی طور پر وزیر کے برابر منصب دے کر واشنگٹن بھیج دیتے تو ہم کیا کر لیتے۔ ایک ملک کی شامت آئی تو حلوہ کھانے والا وہاں حکمران بن گیا، جب دشمن نے دارالحکومت کی فصیل میں جا بجا شگاف کر دیئے تو حلوہ خور نے کہا کہ لو سنبھالو اپنا ملک، ہم تو چلے۔ امریکہ بے حد سنجیدہ ہے، اس نے افغانستان کی طویل ترین جنگ لڑی ہے، اب اسے اس علاقے سے جانا ہے، اس کے بعد کیا ہوگا، کیا وہی کچھ جو پہلے افغان جہاد کے بعد ہوا یا اس سے بھی بدتر۔ انجینیئر گلبدین حکمت یار نے تو بڑا ہولناک نقشہ کھینچا ہے۔ پاکستان مزید خون ریزی کا متحمل نہیں ہو سکتا، افغانستان کے جسدِ قومی سے بھی سارا خون نچڑ چکا، اب ہم ہڈیوں کا ڈھانچہ ہیں، ہمیں کسی مسیحا کی ضرورت ہے۔ (28 جنوری 2014ء)

پاکستانی وکی لیکس اور میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر

پاکستانی وکی لیکس کا سلسلہ چند روز پہلے شروع ہوا، ایک ہی کیبل تین روز کے وقفے سے دوبارہ چلائی گئی، اس خیال سے کہ پہلی کیبل پر کسی کی نظر شاید نہ پڑی ہو۔ یہ وکی لیکس میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر کے بارے میں ہیں۔ وہ 1971 کی جنگ میں شہادت کے عظیم مرتبے پر سرفراز ہوئے، اس بات کو چالیس برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے شہیدوں کا تذکرہ جتنا بھی کیا جائے، کم ہے اور نئی نسل کے لیئے تو ان کے عظیم کارناموں کو بار بار اجاگر کرنا اور بھی ضروری ہے لیکن وکی لیکس میں میجر شبیر شریف کے ایک جرم کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور ان سے یہ جرم نشان حیدر حاصل کرنے سے پہلے سرزد ہوا۔ میجر شبیر شریف کا جو جرم پاکستانی وکی لیکس نے دو مرتبہ دہرانے کی ضرورت محسوس کی ہے، وہ ہے ایک ٹریفک حادثہ جس میں کسی کی جان نہیں گئی بلکہ خود شبیر شریف کی ٹانگ پر زخم آئے البتہ فوجی جیپ کو ضرور خراشیں آئیں۔ میجر شبیر نے جیپ کی مرمت اپنی جیب سے کروادی اور جس سویلین گاڑی کو حادثے میں نقصان پہنچا تھا، اس کا نقصان بھی خود ہی پورا کر دیا مگر فوج کے نظام کے تحت ان کے خلاف انکوائری چل پڑی تھی۔ یہ انکوائری مشہور زمانہ کمانڈو بریگیڈیئر ٹی ایم کے پاس بھی گئی اور ایک اور افسر کو بھی انکوائری افسر مقرر کیا گیا جس نے انکوائری سے معذرت کرلی، وکی لیکس میں اس معذرت کی وجہ بیان نہیں کی گئی۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ایک میجر جنرل نے سزا کے طور پر میجر شبیر کی سینیارٹی میں چھ ماہ کی کمی کردی۔

فوج اور سول کی زندگی میں ٹریفک حادثات روز کا معمول ہیں، کسی حادثے پر کسی کو سزا مل جاتی ہے اور کسی حادثے کا مجرم سزا سے بچ نکلتا ہے، میجر شبیر شریف کو ان کے جرم کی سزا مل گئی تو آج چالیس برس سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد اس حادثے پر مبنی کیبل افشا کرنے کا مقصد کیا ہے۔ یہ سمجھنے کے لیئے ذہن پر زیادہ زور ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ٹریفک حادثہ اور وہ بھی جس میں کسی شخص کا نقصان نہیں ہوا، اس کے تذکرے کی ضرورت کیا اور کیوں پڑ گئی۔ کیا صرف اس لیئے کہ ایک تو میجر شبیر نشان حیدر پانے والا قوم کا ہیرو ہے، دوسرے وہ موجودہ آرمی چیف کا بڑا بھائی ہے، ایک طرف تو ہیرو کا مذاق اڑا کر قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی جاسکتی ہے۔ مشرف دور میں نہ جانے ہمارے میڈیا کے سر پر کیا بھوت سوار ہوا کہ فوج کی تحقیر کے لیئے راشد منہاس شہید نشان حیدر کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا گیا کہ ان کے واقعہ میں اصل ہیرو تو بنگالی ہوا باز تھا جسے بنگلہ دیش کی حکومت نے بعد از مرگ بہادری کا سب سے بڑا اعزاز دیا۔ راشد منہاس کے بعد اگلا ٹارگٹ میجر شبیر شریف ہے جس کے ٹریفک حادثے کا تذکرہ تین دن کے وقفے سے دہرایا گیا ہے، اس سے موجودہ آرمی چیف کو کس قدر کوفت محسوس ہوئی ہوگی، اس کا علم صرف انہیں ہی ہوسکتا ہے، میں پانچ سو کلومیٹر دور بیٹھا ان کی نفسیاتی، ذہنی اور قلبی کیفیت کو پڑھنے سے قاصر ہوں۔ پاکستانی وکی لیکس کا خالق انتہائی خوش نصیب ہے، ایک ہی روز اسے اور اس کے والد کو بنگلہ دیش اور پاکستان نے اعلیٰ ترین سول اعزازات سے نوازا۔ والد صاحب کو تمغہ چالیس برس گزر جانے کے بعد عطا کیا گیا ہے، ان کی سائیٹیشن میرے سامنے نہیں ہے۔ لیکن یہ وہی جنگ ہے جس میں میجر شبیر شریف نے مغربی محاذ پر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی فوج کے دانت کھٹے کیئے تھے اور یہی بھارتی فوج مشرقی محاذ پر پاک فوج سے نبرد آزما تھی اور جس نے قائداعظم کے پاکستان کو دولخت کیا۔ اسی جارحیت کے بطن سے بنگلہ دیش نے جنم لیا جو آج ایک طرف اپنے تمغے ریوڑیوں کی طرح بانٹ رہا ہے، دوسری طرف کچھ لوگوں کو پھانسی چڑھا رہا ہے۔

پاک فوج آج بھی بھارتی جارحیت کی زد میں ہے۔ بلوچستان میں بھارتی فوج نے پراکسی جنگ شروع کر رکھی ہے، سوات اور مالاکنڈ میں فوجی آپریشن کے دوران دہشت گردوں کی جو لاشیں ملیں، ان کے جسمانی اعضا کے معائنے سے پتا چلا کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔

بھارت نے 1971 کی طرح پاکستان کی رائے عامہ کو ایک بار پھر تقسیم کر دیا ہے۔ عوام کا ایک طبقہ اپنی

فوج کی تحقیر و تذلیل کو مشغلے کے طور پر اپنائے ہوئے ہے۔ ہمارے سیاسی لیڈر واہگہ کی لکیر مٹانے کے چکر میں ہیں، کوئی کہتا ہے کہ بارڈر ساری رات کھلا رہنا چاہیئے۔ کوئی یورپی یونین کی طرز پر برصغیر کو ویزا فری بنانا چاہتا ہے۔ ن لیگ، پی پی پی، جماعت اسلامی، جے یو آئی، طالبان اور میڈیا کے لوگ فوج سے اپنا اپنا ادھار چکانا چاہتے ہیں۔ جب تک جنرل مشرف اقتدار میں تھے تو وہ ان عناصر کا تختہ مشق بنے رہے، جنرل کیانی نے عزت بچانے کی بڑی کوشش کی مگر لاپتا افراد کے مسئلے پر ان کو زچ کر دیا گیا، اب جنرل راحیل آئے ہیں تو ان کے بھائی کے ٹریفک حادثے کا تذکرہ چھیڑ کر ان کو چڑانے کی کوشش شروع کر دی گئی ہے۔

مجھے یہ ساری کوششیں رائیگاں نظر آتی ہیں، اس لیئے کہ اکادکا وکی لیکس کے نشر ہونے سے فوج کو بڑا ڈنٹ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس کے لیئے ایک ٹی وی چینل مخصوص کرنے کی ضرورت ہے جس پر فوج کے خلاف دیئے جانے والے فتوے بریکنگ نیوز کے طور پر چلائے جائیں۔ یہ زمانہ گوئبلز کا ہے، جھوٹ اس قدر بولو کہ سچ معلوم ہونے لگے۔ مولانا مودودی کے اس فتوے سے ابتدا کی جاسکتی ہے کہ کشمیر کا جہاد حرام ہے، اس فتوے کی تان منور حسن کے فتوے پر توڑی جائے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ امریکی جنگ کا ساتھ دینے والے پاکستانی شہید نہیں ہیں، مزید مرچ مصالحے کے لیئے فضل الرحمٰن کا یہ فتوی بار بار نشر کیا جائے کہ امریکی میزائل سے کتا بھی مرے گا تو شہید ہوگا۔ پچھلے چھیاسٹھ برس میں فوج اور پاکستان کی نظریاتی اساس پر ایک سے ایک بڑھ کر حملہ ہوا ہے، ان کو بھی بار بار دہرایا جائے۔ اسلام آباد میں آئی ایس آئی کے کسی جرنیل، بریگیڈیئر یا کرنیل کی گاڑی کا جعلی نمبر پلیٹ کی وجہ سے چالان کیا جائے تو اس کی خبر بریکنگ نیوز کے طور پر چلائی جائے، لاپتا افراد کے مسئلے پر احتجاجی رشتے داروں پر چوبیس گھنٹے کیمرے مرکوز رکھے جائیں۔ اور ایک ایسا تفتیشی سیل بنایا جائے جس کا کام ہی یہ ہو کہ وہ نشان حیدر اور دیگر فوجی اعزازات پانے والوں کے جرائم کی ٹوہ لگائے، انسان آخر تو خطا کا پتلا ہے، کہیں نہ کہیں تو پاؤں پھسل ہی جاتا ہے، ان جرائم کی تفصیل اور ان کی انکوائری رپورٹوں سے قوم کو آگاہ کیا جائے تاکہ عوام ۔۔ اے راہ حق کے شہیدو، وفا کی تصویرو۔۔ کا انسانی روپ بھی دیکھ سکیں۔

اس سے پہلے پاکستانی وکی لیس کا معرکہ آرا انکشاف یہ تھا کہ اسامہ بن لادن کے پاس ایٹمی اسلحے کا ڈھیر ہے۔ آپ کی ہنسی کیوں چھوٹ گئی ہے۔ (28 دسمبر 2013ء)

میرا سلطان کے حرم کی نئی کنیز

پاکستانیوں نے میرا سلطان کی قسطیں دیکھیں، اس قدر دل کو بھا گئیں کہ جھٹ ہم نے میرا سلطان کے حرم کی کنیز کا کردار اپنا لیا۔ اب میرا سلطان اور کنیز، ایک دوسرے کے کوچے کے طواف میں مصروف ہیں۔ حضوری باغ میں عشوہ و ادا نے نگاہیں خیرہ کر دیں۔ اور تماشا دیکھنے والے ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ ایک زمانے میں خلافت کے احیا کے لیئے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور بی اماں نے سیاسی جدوجہد کی، خلافت کی بالادستی کے لیئے ہمارے ہاں ایک نوجوان نوید چودھری بھی تحریک چلا رہے ہیں جس پر قانون کی رو سے پابندی عائد ہے مگر عملی طور پر اس تنظیم کے بینرز ہر گلی کوچے میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پتا نہیں، ان میں سے کس کی جدوجہد ثمر بار ثابت ہوئی، پاکستان کئی لحاظ سے خلافت عثمانیہ کا حصہ بن چکا۔

عمران خاں کی برسوں سے ایک ہی کوشش ہے کہ نیٹو سپلائی کا راستہ روک دیا جائے مگر جس روز میرا سلطان کا پاکستان میں ورود مسعود ہوا، عمران خاں نے نیٹو کنٹینرز کو ذہن سے نکال دیا اور اچانک مہنگائی کے خلاف ڈنڈا اٹھا لیا۔ کس کو پتا نہیں کہ افغانستان پر قابض نیٹو ممالک میں ترکی بھی شامل ہے۔ اور اگلے برس کے آخر میں امریکی اور دیگر نیٹو ممالک کی فوجیں افغانستان سے نکل جائیں گی مگر ترک افواج استعمار کی باقیات کے طور پر مزید تین برس یہاں قیام کا ارادہ رکھتی ہیں۔ عمران خان بہت سیانا ہے، اس نے میرا سلطان کی خوشیوں میں کھنڈت نہیں ڈالی۔ اسرائیل کی ریاست فلسطینی مسلمانوں کی مقبوضہ زمینوں پر قائم کی گئی، اسرائیل نے محفوظ سرحدوں کے نظریئے کے تحت اردن، لبنان، شام اور مصر کے مزید علاقوں پر قبضہ

جمایا، فلسطینی دنیا بھر کے مہاجر کیمپوں میں رلنے لگے اور پھر فلسطین کا مسئلہ اس حد تک سکڑ گیا کہ ان بے چارے مہاجروں کو بھی کہیں رہنے کا حق ملنا چاہیئے، یہ حق ایک یونین کونسل کی سطح کے اختیارات کی مالک فلسطینی ریاست تک محدود کر دیا گیا۔ ترکی نے اس مسئلے کو مزید محدود کرنے کے لیئے ایک بحری کشتی روانہ کرنے کا اعلان کیا جس میں فلسطینی بچوں کے لیئے دودھ کے فیڈر اور ہسپتالوں میں ایڑیاں رگڑ کر مرنے والوں کے لیئے دواؤں کی تھیلیاں تھیں، اس بحری کشتی کی مہم کو عالمی میڈیا میں ترکوں کی بہادری اور دلیری کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ اسرائیل نے اس کشتی پر چند فائر کر کے اسے عالمی توجہ کا مرکز بنا دیا، اس روز سے فلسطین کا مسئلہ اب کسی ریاست کا حصول نہیں، بلکہ ایک یونین کونسل کے بھوکے بچوں اور بیمار انسانوں کی بقا تک محدود کر دیا گیا، آزاد فلسطین کے حصول کا خناس عالم اسلام کے ذہنوں سے نکال دیا گیا، میرا سلطان کے اس عظیم کارنامے نے اسے امریکی اور صہیونی لابی کا لاڈلا بنا دیا۔

پاکستان پر کاٹھی ڈالنے کا شوق بھارت کو تو روز اول ہی سے لاحق ہے، مگر ڈاکٹر مجید نظامی جیسے نظریاتی سپاہ سالار کے سامنے بھارت کی دال نہیں گلتی، یہ دیکھ کر عالمی شاطروں نے میرا سلطان کو آگے کر دیا، اس کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی شک وشبے سے بالاتر ہے۔ اور لگتا ہے کہ یہ داؤ کام کر گیا ہے اور پاکستان اس کے قدموں میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہے۔ مشرف پر کیا اعتراض ہے کہ اس نے پاکستان کو امریکہ کی باندی بنا دیا اور اس نے اپنی افواج امریکی جنگ میں جھونک دیں۔ ترکی تو امریکی غلامی میں دو چار ہاتھ آگے ہے، پاک فوج تو اپنی سرحدوں کے اندر ایک جنگ لڑ رہی ہے مگر ترکی کی افواج عالمی محاذ پر امریکی فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں، وہ افغانستان کے اندر اس ملک کے حقیقی حکمران طالبان کے خلاف جنگ کر رہی ہیں۔ پاک فوج نے ابھی تک یہ حرکت نہیں کی۔ ترک فوج نے امریکی اشارے پر شام میں باغیوں کی مدد کے لیے اپنے ٹینک بھی چڑھائے اور فضائیہ بھی جھونک دی۔ بشار الاسد نے ترک ٹینکوں کا بھی بھرکس نکال دیا اور ترک جیٹ طیاروں کو بھی میزائلوں سے مار گرایا، پاکستان نے تو شام میں جا کر یہ گناہ نہیں کیا، ہم پھر بھی میرا سلطان کے وارے نیارے جا رہے ہیں، اس کے گن گا رہے ہیں، مشرف کو پھانسی پر لٹکانے کے مطالبے ہو رہے ہیں اور معزز مہمان اردوان کا ریڈ کارپٹ استقبال ہو رہا ہے۔ امریکہ جو کام بھارت کے ذریعے نہیں کر سکا، وہ ترکی کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ ہم میں سے کسی کو وار آن ٹیرر میں ترکی کے کردار پر کوئی اعتراض

نہیں۔ پاکستانی رائے عامہ اس حد تک تو نیوٹرلائز ہوگئی۔ میرا سلطان سے ہم کئی اور بھی سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اس نے جمہوریت کو مضبوط بنایا ہے، اپنے جرنیلوں پر مقدمے چلائے ہیں۔ ہم نے ابھی اس کام کی ابتدا کی ہے، میرا سلطان کی راہنمائی میسر رہی تو ہم جمہوریت دشمنوں سے پورا پورا حساب لے سکیں گے۔ میرا سلطان کے ملک نے تو قبروں سے لاشیں نکال کر پھانسیاں دیں، شاید ہم بھی ایسا کر سکیں۔

میرا سلطان نے ہماری مدد کے لیئے ایک بحری جہاز بھیجا جس سے بجلی پیدا ہونا تھی، اب یہ راز تو خواجہ آصف ہی کھول سکتے ہیں کہ اس جہاز سے بجلی کیوں نہیں نکلی۔ لیکن میرا سلطان کی میٹرو بس لاہور میں فراٹے بھر رہی ہے، ہم نے اس کے لیئے ایک سڑک کو دن رات ایک کر کے چوڑا کیا، پھر اس کو جنگلہ لگا کر بند کیا، اپنی بسیں اور ویگنیں اس روٹ سے ہٹا لیں، اس کے بعد بھی میٹرو بس فراٹے نہ بھرتی تو کیا کرتی۔ اگر ہم کسی اور کو بھی اسی طرح کی کاروباری فضا فراہم کر دیں تو یقینی طور پر ساری دنیا پاکستان کا رخ کرے گی، اس کی شرط یہ ہے کہ ہم اپنے کاروبار کو جکڑ دیں اور بیرونی سرمایہ کار کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کریں، نونی حکومت نے پچھلے دور میں یہی خدمت ڈائیوو کے لیئے انجام دی، اسے لاہور سے اسلام آباد تک موٹروے بنا کر دی، اسے بھی جنگلے میں بند کیا، اور اس پر ڈائیوو نے کھل کر تجارت کی۔ پاکستان کے کس بل نکالنے کے لیئے بھارت اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے، جبکہ ترکی یہی کام ہنستے مسکراتے، ناچتے گاتے انجام دیتا ہے۔ بھارت اور ترکی کا مشن ایک ہی ہے۔ پاکستان کو براہ راست نہیں تو بالواسطہ امریکی غلامی میں جکڑ دیا جائے، بھارت نے ثقافتی یلغار کر رکھی ہے اور ترکی نے تجارتی کرشمہ دکھایا ہے۔ بھارت اور ترکی جو کچھ چاہتے ہیں، ہمارے قومی لیڈر، زرداری، نواز اور عمران بھی وہی چاہتے ہیں، فوج کا ایٹمی ڈنگ نکال دیا جائے، برصغیر کو یورپی ماڈل بنا کر ویزا فری بنا دیا جائے۔ کشمیر کو پس پشت پھینک دیا جائے۔ قائداعظم اور اقبال کی تعلیمات اور ان کے عظیم کردار کو فراموش کر دیا جائے۔ اسی لیئے ہماری جمہوری منتخب حکومت نے یوم قائد پر قوم کو ایک ایک گھنٹے کی لوڈشیڈنگ کا تحفہ پیش کیا ہے، یہ مسیحی بھائیوں کے لیئے کرسمس گفٹ بھی ہے۔

میں دل کی گہرائیوں سے اردوان کے دورے کا خیر مقدم کرتا ہوں، ہم سب کو ان کے دورے پر طمانیت کا اظہار کرنا چاہیئے، ان کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رہے اور میرا سلطان کا اقبال بلند رہے۔ کنیز یہی دعا کر سکتی ہے۔ (26 دسمبر 2013ء)

فوج کا نظریاتی مورچہ

ایک خبر کے مطابق پاک فوج نے نظریاتی محاذ پر کام کے لیئے ایک منصوبہ تیار کیا ہے۔جس انداز میں یہ خبر شائع کی گئی، اس کا مقصد یہ لگتا ہے کہ ہوشیار، فوج کو اس کام سے روکا جائے، جیسے وہ کوئی غیر آئینی کام کا بیڑا اٹھا رہی ہو۔میرا سوچا سمجھا نظریہ ہے کہ پاکستان کو اگلی دفاعی جنگ زمین، فضا یا سمندر میں نہیں لڑنی بلکہ اسے نظریاتی محاذ پر لڑنا اور جیتنا ہوگا، سونیا گاندھی نے برسوں پہلے کہا تھا کہ اب ہمیں پاکستان کے خلاف فوجی جارحیت کرنے کی ضرورت نہیں ، اس لیئے کہ ہم اسے ثقافتی محاذ پر زیر کر چکے ہیں اور یہ بھارت کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گا۔

سونیا گاندھی نے کوئی زیادہ غلط نہیں کہا تھا۔آج پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے قائدین بھارت سے دوستی کے نعرے گلے پھاڑ کر لگا رہے ہیں، سقوط ڈھاکہ کے دلدوز سانحے کے روز ہمارے اخبارات کے صفحہ اول پر میاں شہباز شریف کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں وہ بھارتی پنجاب کے جاتی عمرہ کے لوگوں کے منہ سے منہ جوڑ کر باتیں کر رہے ہیں، شریف برادران بہت پہلے اپنا بھارتی جاتی عمرہ، رائے ونڈ میں آباد کر چکے ہیں، ہمارے وزیر اعظم کی خواہش تھی کہ ان کی تقریب حلف برداری میں بھارتی وزیر اعظم مہمان خصوصی کے طور پر شرکت فرمائیں، گویا پاکستان ایک آزاد ملک نہ ہوا، بھارت کا سٹیلائٹ اور پٹھو ملک ہوا کہ اکھنڈ بھارت کے علم بردار شہنشاہ عالی جاہ کو بلانا ضروری ہو گیا تھا۔وزیر اعظم کی یہ مراد بر نہ آئی تو پھر انہوں نے کہا کہ میں بھارت کے دورے پر جاؤں گا، چاہے مجھے کوئی دعوت نہ بھی ملے۔اگلا ان کا بھاشن تھا

کہ برصغیر کو یورپی یونین کی طرح ویزا فری ہونا چاہیئے، یہی بات ان کے گورنر محمد سرور نے بھی اگل دی اور پھر وزیر اعظم نے فرمایا کہ واہگہ بارڈر کو چوبیس گھنٹے کھلا رہنا چاہیئے، تاکہ ٹرکوں کی آمدو رفت جاری رہے۔ چھوٹے میاں جی نے بھی یہ فقرہ کہیں سے رٹ لیا تھا، سووہ بھی اس خواہش کے اظہار میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ اس قدر نرم نرم ریشمی بیانات کے بعد ان بھائیوں کا خیال یہ تھا کہ زمین نم ہوگئی تو خود شہباز شریف جو صرف ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ ہیں، وزیر خارجہ کا کردار نبھانے کے لیئے نئی دہلی جا پہنچے اور منموہن سے موہنی موہنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔ وہ اپنے پروٹوکول کی رو سے بھارتی وزیر اعظم کو پاکستان کے دورے کی دعوت نہیں دے سکتے تھے مگر انہوں نے یہ خود ساختہ فرض بھی نبھایا اور پھر وہ بھارتی پنجاب میں گھومنے پھرنے لگے جہاں سے انہیں کبڈی میچ میں شرکت کے لیئے مدعو کیا گیا تھا۔ یہاں ان کی کبڈی ٹیم تو پھس رہی لیکن میاں صاحب کی زبان نے بہت جلوے دکھائے۔ کہنے لگے کہ ایک ایسا درخت لگایا جائے جس کی گھنی چھاؤں میں پاک بھارت عوام راحت محسوس کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ بھارتی ٹیم جیت جائے، تب بھی پاکستان کو خوشی ہوگی، پتا نہیں انہوں نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ بھارتی ٹیم کی جیت پر پاکستانیوں کو خوشی ہو گی، اس وقت روئے زمین پر بنگلہ دیش سے زیادہ پاکستان سے نفرت کرنے والا ملک کوئی اور نہیں لیکن ماضی میں جب بھی پاک بھارت کرکٹ میچ ہوئے اور ان میں پاکستان نے بھارت کو شکست فاش سے دوچار کیا تو بنگلہ دیشیوں نے خوشی سے رقص کیا اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ پاکستان میں خوشی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ کراچی میں جاری دہشت گردی رک جاتی ہے اور ایک دوسرے کا خون پینے والے، ایک دوسرے کو مٹھائیاں کھلانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اور یوں بھارت سے نفرت کے جذبے، باہمی انتقام کی ہوس کو بھی وقتی طور پر دبا دیتے ہیں۔ میاں شہباز شریف نے پتا نہیں کن پاکستانیوں کی بات کی تھی۔ یہ ان کا وہم تھا کہ امن کی آشا کے پولیو کے قطرے پلا پلا کر پاکستانی قوم کی رگ حمیت کو بانجھ بنایا جا چکا ہے۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں!

اس سال سولہ دسمبر سے پہلے بنگلہ دیش نے پاک فوج کا ساتھ دینے والے ملا عبدالقادر کو پھانسی کیا دی کہ سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر مباحث کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا، ٹیپ کا مصرع یہ تھا کہ مکتی باہنی کے خلاف پاک فوج کا آپریشن جرم قرار دینے والے کس منہ سے پاک فوج کو شمالی وزیرستان میں

جھونکنے کی بات کرتے ہیں۔اور یہ سوال بھی پوچھا جارہا ہے کہ اگر امریکہ اوراہل مغرب کی افواج اپنی سلامتی کے تصور کے مطابق دنیا پر چڑھائی کرنے کا حق رکھتی ہیں تو پاکستان اوراس کی مسلح افواج اوراس کے محبّ وطن طبقے ، مادر وطن کے دفاع کے لیئے سرگرم عمل کیوں نہیں ہو سکتے۔مگر منطق اور ہوتی ہے اور دھونس کچھ اور۔اس وقت دھونس جمائی جارہی ہے۔پاک فوج کوانہی جرائم کے لیئے موردالزام ٹھہرایا جارہا ہے جو بنگلہ دیش میں مبینہ طور پراس سے سرزد ہوئے ،مقصد صرف یہ ہے کہ فوج اور محبّ وطن عوام کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کردی جائے۔پینسٹھ والا ماحول واپس نہ آسکے،اکہتر والے شکوک وشبہات کا راج ہواور پاکستان کوایک بارپھرتر نوالے کی طرح سرنڈر پر مجبور کردیا جائے۔

اسی تناظر میں فوج کے شہیدوں کومتنازعہ بنایا گیا ہے،لاپتا افراد کے مسئلے کواچھالا جارہا ہے۔ان لوگوں کو سیاچین پر بھارت کے جارحانہ قبضے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ کارگل میں پاک فوج کی پیش قدمی پر ضرور تنقید کرتے ہیں،اگر کارگل میں پاک فوج کو کامیابی نہیں ملی تو سیاچین میں بھارتی فوج نے کونسا تیر مارلیا ہے، وہ تو انیس سو چوراسی سے جس مقام پر بیٹھی ہے، آج تیس سال بعد بھی اس سے ایک انچ آگے نہیں سرک سکی۔سیاچین میں جارحیت کا مرتکب بھارت ہواہے اور ہمارے میاں صاحب نے اچھل کر یہ تجویز دے دی تھی کہ پاکستان کو یک طرفہ طور پر سیاچین سے فوج واپس بلالینی چاہیئے۔کچھ عرصہ پہلے ایک اور پکے اور سچے مسلم لیگی وزیراعظم میر ظفراللہ جمالی نے کنٹرول لائن پر یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کر کے تحریک حریت کشمیر کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔

ہمارے ہاں ابہام اورکنفیوژن کا ایک جنگل ہے۔ایسے مایوس کن ماحول میں فوج نے اگر نظریاتی محاذ کو گرم کرنے کی ٹھانی ہے تو یہ اس کا آئینی فرض ہے،لوگ فوج کے حلف کی بات کرتے ہیں اوراصل حلف یہی ہے کہ ملک کا دفاع کیا جائے،آج یہ دفاع ایٹم بم سے نہیں، دلیل اور منطق کی طاقت سے ہوسکتا ہے،اورفوج کوان ہتھیاروں سے جلد لیس ہو جانا چاہیئے۔ایک پورا نظریاتی ڈویژن کھڑا کرنا وقت کی اولیں ضرورت ہے۔ورنہ ٹاک شوز کے بھیڑیئے اور بھاڑے کے ٹٹو، وطن عزیز کوخدانخواستہ چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔

ڈاکٹر مجید نظامی کواب تحریک پاکستان کے گولڈ میڈل سے بھی نوازا جاچکا،ان کی مسلم لیگیت پرتو کوئی انگلی نہیں اٹھاسکتا،وہ پاکستان کے لیئے مرمٹنے والے نظریاتی لشکر کے سپاہ سالار ہیں۔(19 دسمبر 2013ء)

کیا ہم نوحے پڑھنے کے لیئے زندہ ہیں

کربلا کی زمین لہو کی پیاسی تھی ، بغداد کے چہرے سے اتنا خون بہا کہ دریاؤں کے بہتے پانیوں کے ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئیں، قرطبہ کی زمین بھی شاید بنجر تھی، اسے لہو سے سینچا گیا۔ دہلی میں وہ غدر مچا کہ زمین تو کیا، آسمان کا رنگ بھی سرخ ہو گیا۔ میسور کسی شیر کے خون کا پیاسا نکلا۔ یہ میری سیاہ تاریخ کے وہ لہو رنگ نوحے ہیں جن کو لکھا تو گیا لیکن پڑھا نہیں گیا۔

آج میں سولہ دسمبر اکہتر کا نوحہ لکھنے بیٹھا ہوں، مگر اس سے پہلے مجھے اٹھارہ ستمبر انیس سو اڑتالیس کا ایک نوحہ لکھنا ہے۔ یہ حیدر آباد دکن کا نوحہ ہے جسے نہرو اور پٹیل کی فوجوں نے تاراج کیا اور بھارت نے اسے ہڑپ کر لیا۔ یہ سانحہ قائد اعظم کی وفات حسرت آیات سے صرف سات روز بعد رونما ہوا، قائد کا اس قدر خوف تھا کہ ہندو بنیئے کی ہڈیوں میں گودا جم جاتا تھا، مگر ادھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں، ادھر میجر جنرل بعد میں بھارتی آرمی چیف جے این چودھری کی قیادت میں بھارت نے اس مسلم ریاست پر لشکر کشی کر دی۔ اس ریاست نے پندرہ اگست سینتالیس کو آزادی کا اعلان کیا تھا۔ اسی روز بھارت بھی آزاد ہوا تھا مگر اسے اپنی سرحدوں کے اندر اور باہر کسی آزاد ریاست کا وجود گوارا نہیں تھا۔ حیدر آباد دکن کی ریاست نو آزاد پاکستان سے زیادہ منظم، ترقی یافتہ اور خوشحال ریاست تھی، ذاتی طور پر نظام دکن اور قائد میں قربت اور دوستی کا گہرا رشتہ قائم تھا اور پاکستان کے مالی اور معاشی مصائب میں نظام نے دل کھول کر امداد دی۔ مگر بھارت نے قائد

کی وفات کے فوری بعد اس ریاست کے خلاف جارحانہ لشکر کشی کردی اور اسے سرینڈر پر مجبور کردیا، اس کے بعد بھارت نے مناودر، جونا گڑھ، کشمیر اور ہر ریاست کو ہتھیا لیا۔ سولہ دسمبر اکہتر کا سانحہ اسی بھارتی جارحیت کے تسلسل میں رونما ہوا۔

مشرقی پاکستان کے لیئے ہم کس کس کی سینہ کوبی کریں۔ یہ ہماری قومی خطائیں بھی تھیں اور بھارتی سازشوں کا مکروہ جال بھی تھا۔ پاکستان کے دونوں حصوں کے مابین ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور دنیا نے دانتوں میں انگلیاں دبا رکھی تھیں کہ یہ وفاق کیسے قائم ہو گیا۔ قائداعظم کو یقین تھا کہ انہوں نے قوم کو اسلامی نظریے کی لڑی میں پرو دیا ہے اور کوئی رخنہ اتحاد کے اس رشتے کو تار تار نہیں کرسکتا۔ دشمن بڑا کایاں تھا، اس نے اسی رشتے پر وار کیا اور دونوں حصوں کے مابین بدگمانیاں پیدا کرنے کے لیئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، کلکتے کے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ اور بنگالی مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسے احساس محرومی کے بیج بودیئے گئے جو سراسر پر پیگنڈے کے تارعنکبوت سے بندھا ہوا تھا۔ مغربی پاکستان کی خوشحالی کے افسانے تراشے گئے۔ مشرقی حصے کی رائی برابر پس ماندگی کو پہاڑ بنا کر پیش کیا گیا۔ دشمن کا وار کارگر ثابت ہوا، وہ ایک قوم کے حصے بخرے کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا، باقی کی کہانی تو محض دنیا کو دھوکا دینے کے لیئے تھی، سرحد پار مکتی باہنی کھڑی کی گئی، پاک فوج کے جبر کا پروپیگنڈا کیا گیا اور عوام کو گمراہ کر کے پاک فوج کے مقابل لا کھڑا کیا گیا۔ کوئی کسر باقی تھی تو بھارتی فوج نے آخری ہلہ بولا اور برق رفتار پیش قدمی کر کے ڈھاکہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ سولہ دسمبر کی ایک منحوس صبح تھی، دنیا کے لیئے سورج اس روز ضرور طلوع ہوا ہوگا لیکن پاکستان کا سورج اس صبح مشرق میں غروب ہو گیا، یہ سقوط ڈھاکہ تھا یا سقوط آفتاب، اسے جو بھی نام دے لیں۔ بھارتی وزیراعظم اور نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی نے بڑ ہانکی کہ قائداعظم کے دو قومی نظریئے کو بحیرہ بنگال میں غرق کر دیا گیا ہے۔ بھارت کی نظریں باقی ماندہ پاکستان پر مرکوز تھیں، وہ ہزار سالہ غلامی کے سارے بدلے اتارنا چاہتا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیئے بھی چین سے نہیں بیٹھا، اس نے نئے پاکستان میں قومی اتحاد کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیئے نسلی، لسانی، گروہی، علاقائی، صوبائی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کو ابھارا، یہی وہ طریقہ تھا جس سے کام لے کر وہ پاکستان کو دولخت کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ اب وہ اکیلا نہیں ہے، اکہتر میں سوویت روس نے اس کی پشت پناہی کی اور امریکی بلاک نے پاکستان کے ساتھ کیئے گئے معاہدوں سے اغماض برت کر اس کا حوصلہ بڑھایا، اب امریکی بلاک

براہ راست شطرنج کی چالوں میں شریک ہے، اس کی افواج پاکستان کی سرحدوں پر موجود ہیں اور اس کے بحری بیڑے بحیرہ ہند کے پانیوں میں لنگر انداز ہیں۔ یہ ساری طاقت بھی اللہ کے فضل سے پاکستان کو زیر نہیں کر سکتی، اس لیئے کہ پاک فوج دنیا کی ایک مسلمہ دفاعی طاقت ہے اور وہ ایٹمی قوت سے لیس ہے۔ اس قوت کا ڈنک نکالنے کے لیئے عالمی طاقتوں نے پاکستانی ذہنوں میں نقب لگائی ہے اور امن کی آشا کا ڈھونگ رچا کر پاک بھارت سرحد کو فریب نظر اور ایک واہمہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارا ہر حکمران بھارت کا فریفتہ بنا دیا گیا ہے اور اپوزیشن لیڈروں کو بھی اس دام ہم رنگ زمین میں دبوچ لیا گیا ہے۔ میڈیا اور دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ زر خرید ثابت ہوا ہے۔ گزشتہ روز تو ایک کبڈی میچ میں ہمارے پنجابی چیف منسٹر اس قدر کھل گئے کہ بھارت جیتے تو تب بھی ہمیں خوشی ہوگی، انہوں نے تو ہمارے کھلاڑیوں کی شکست پر پیشگی مہر ثبت کردی۔ ایک زمانہ تھا کہ پاک بھارت کرکٹ میچ کے موقع پر دنیا حیرت میں ڈوب جاتی تھی اور نبض عالم رک جاتی تھی، اب اگر یہی جذبہ کارفرما رہا کہ بھارت جیت گیا تو یہ بھی ہماری خوشی تو صاحبو! توڑ ڈالیئے اپنا کرکٹ بورڈ۔ یہ اللے تللے کس لیئے۔ نجم سیٹھی صاحب کو کرنے کے اور کام دیئے جاسکتے ہیں۔ کبڈی کے میدان میں بھی ہم نے ایک سقوط دیکھ لیا۔ اور یہ خواہش بھی سن لی کہ ایسا درخت لگایا جائے جس کی چھاؤں میں دونوں ملکوں کو راحت ملے۔ ہم کس کس سقوط کو روئیں گے۔ اب تو امریکی اور نیٹو افواج مسلم ممالک کے خزانوں اور افواج کی عملی مدد اور تعاون سے ایک ایک کرکے فلسطین، لبنان، افغانستان، عراق، سوڈان، لیبیا، مصر اور شام کی اینٹ سے اینٹ بجا چکی ہیں۔ پاکستان کے خلاف لشکر کشی ممکن نہیں تھی کہ اس کے پاس جواب دینے کے لیئے ایٹمی قوت موجود ہے، اس لیئے دہشت گردی کی بلا اس پر چھوڑ دی گئی ہے اور اگر کوئی کسر باقی ہے تو کئی اور سونامی پاکستان کو لپیٹ میں لینے کے لیئے پھنکار رہے ہیں۔ مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کی ایک ہی روشن کرن ہے، ڈاکٹر مجید نظامی جن کے نظریہ پاکستان کے چشمے ابل رہے ہیں اور ان سے فیضیاب ہوکر پاک فوج تن من دھن کی قربانی دینے کے لیئے تیار ہے۔ سولہ دسمبر سے دو روز پہلے، جب لدھیانہ میں کبڈی میچ ہو رہا تھا، ہمارے نئے آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے سلیمانکی سیکٹر کا رخ کیا، یہ وہ دھرتی ہے جہاں ان کے بھائی میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر کے طنطنے کے سامنے بھارتی فوج کو خاک چاٹنا پڑی تھی۔ یہ امید کا سورج ہے جو ہمارے آسمانوں کو جگمگاتا رہے گا۔

(16 دسمبر 2013ء)

ڈھاکہ میں پھانسی کا پیغام

بنگلہ دیش میں پھانسی کا جو پیغام میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص پاک فوج کا ساتھ دے گا، اس کا انجام کیا ہوگا۔

یہی پیغام دہشت گرد بھی ایک عرصے سے پاکستان میں دے رہے ہیں۔ قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں پاک فوج کا ساتھ دینے والوں کے گلے کاٹے جاتے ہیں، انہیں بموں سے اڑایا جاتا ہے۔ سوات کی خون آشام فلمیں تو یوٹیوب پر بھی دکھائی گئیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ نہ ماضی میں زرداری حکومت نے ایسے عناصر کی کھل کر مذمت کی، نہ موجودہ شریف حکومت نے دہشت گردوں کی مذمت میں زبان کھولی ہے بلکہ الٹا ان سے کھلی ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے، ن لیگ ہو یا تحریک انصاف، جماعت اسلامی ہو یا جے یو آئی کا کوئی گروپ ہر کوئی ڈرون حملوں کی تو مذمت کرتا ہے مگر یہ خودکش دھماکوں کی مذمت نہیں کرتے، پاکستانی فوجیوں اور ان کے حامیوں کے گلے کاٹنے کی مذمت نہیں کرتے۔ منور حسن نے فتوی دیا کہ امریکہ کا ساتھ دینے والے پاک فوج کے لوگ شہید نہیں ہوتے، اس پر فوج نے سخت ردعمل کا اظہار کیا اور جماعت اسلامی سے معافی کا مطالبہ کیا مگر جماعت نے معافی نہیں مانگی، الٹا فوج پر سیاست بازی کا الزام دھرا اور وزیراعظم کو اس کی تحریری شکایت کر دی، تو کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ جماعت اسلامی مستقبل میں پھانسیوں سے بچنا چاہتی ہے۔ بنگلہ دیش کی غلطیوں کو تو واپس نہیں لیا جا سکتا لیکن لگتا ہے پاکستان میں مزید ایسی غلطیاں دہرانے کیلئے جماعت اسلامی تیار نہیں۔ اس

پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ سمجھتی ہے کہ پاک فوج یا ریاست پاکستان، وقت آنے پر اس کا تحفظ کرنے میں ناکام رہے گی۔اور کیا وہ اس طرز عمل سے اپنی کھال ہندو بنئے سے بچا پائے گی۔

جماعت اسلامی نے ڈھاکہ کی پھانسی پر عجب ردعمل کا اظہار کیا ہے،سوشل میڈیا پر اس نے راتوں رات اتنی بڑی مہم چلائی ہے جو صرف جماعت اسلامی جیسی منظم جماعت ہی چلا سکتی ہے،اس مہم میں جماعت نے فوج کو دو طعنے دیئے ہیں،ایک یہ کہ خود پاک فوج تو سرینڈر اور قید و بند کی ذلت برداشت کر کے مشرقی پاکستان سے جان بچا کر آ گئی (بلکہ بھاگ آئی) مگر جماعت اسلامی اور البدر اور الشمس کے جانثار میدان میں ڈٹے رہے اور اب وہ پھانسی اور عمر قید جیسی سزائیں بھی بخوشی قبول کر رہے ہیں۔دوسرا طعنہ وہی ہے جس کا میں نے ابتدا میں ذکر کیا جو بنگلہ دیش حکومت کا بھی مقصد ہے کہ اب پاک فوج کا ساتھ دینے اور پاکستان کا نام لینے کی کسی کو جرات نہیں ہوگی۔

بنگلہ دیش کی عدالتوں کو پھانسی دینے کی جلدی تھی، ایک عدالت نے حکم امتناعی بھی جاری کیا مگر چند گھنٹوں کے اندر وہ بھی خارج ہو گیا، ہماری عدالتوں نے پچھلے دس برس کی دہشت گردی کی جنگ میں کسی ایک ملزم کو سزا نہیں دی، الٹا لاپتا افراد کے معاملے کو خوب اچھالا گیا، اخروٹ آباد اور کراچی کے واقعات میں ایف سی اور رینجرز کو سزا سنا ڈالی، ہم نے جن دہشت گردوں کو جیلوں میں ڈال رکھا تھا، انہیں موقع فراہم کیا کہ وہ جیلیں توڑیں اور بھاگ جائیں۔

اس بحث کے تناظر میں صاف نظر آ رہا ہے کہ پاکستان ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ہم ایک ابہام کا شکار ہیں، ہمارے ہاں ایک کنفیوژن کی فضا ہے اور ہم اپنی سکیورٹی کے مسئلے پر یکسو نہیں ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ہمیں دہشت گردوں کا ساتھ دینا ہے یا ان کے خلاف لڑنے والوں کا، ہم نہیں جانتے کہ ہمیں ان لوگوں کا ساتھ دینا ہے جو بلوچستان میں بسیں اور ریل گاڑیاں روک کر اور شناختی کارڈ چیک کر کے گردنیں کاٹتے ہیں اور سینوں میں گولیاں اتارتے ہیں اور قائد ریذیڈنسی کو شعلوں کی نذر کرتے ہیں، یا ملک کی فیڈریشن کو متحد رکھنے والی قوتوں کا ساتھ دینا ہے، ہم نہیں جانتے کہ ہمیں بنگلہ دیش میں محبّ وطن پاکستانیوں کی پھانسی پر افسوس کا اظہار کرنا ہے یا بنگلہ دیش حکومت سے سول ایوارڈز لینے والوں کی شان میں قصیدے پڑھنے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا کہ گزشتہ روز پاک فوج کے نئے سربراہ نے بلوچستان میں جن کیڈٹس کو شمشیر اعزاز عطا کی ہے، وہ اپنے وطن کی سلامتی کی حفاظت کے لیئے کب تک ڈٹے رہیں گے اور بی ایل اے کے دہشت گرد

کب انہیں پاک فوج کے ساتھی اور بلوچ قوم کے غدار کہہ کر انجام کو پہنچا دیں گے۔ کسی کو نہیں پتا کہ سندھ میں جئے سندھ کا طوفان نئے سرے سے کب کھڑا ہو گا اور وہ کیا سونامی ڈھائے گا، کون جانتا ہے کہ کراچی میں فوج کے آپریشن میں جناح پور کے جو نقشے برآمد ہوئے تھے، ان میں عملی رنگ بھرنے کی کوشش کب شروع ہو جائے گی اور کون جانتا ہے کہ آزاد پختونستان اور ہزارہ کے نعرے کیا اور کب گل کھلائیں گے اور کیا پتا کہ جاگ پنجابی جاگ کا بھولا ہوا نعرہ ہونٹوں پر کب گونج اٹھے گا۔

آج ہر طرف یورپی یونین کی طرف سے پاکستان کو ملنے والے جی ایس پی پلس کے اسٹیٹس پر شادیانے بجائے جا رہے ہیں لیکن کیا کوئی جانتا ہے کہ کہ اگر ہم وار آن ٹیرر میں نیٹو کے حلیف نہ ہوتے اور ہمیں نان نیٹو کا اسٹیٹس حاصل نہ ہوتا تو یہ جی ایس پی پلس ہمیں نہ ملتا، یہ خیرات صرف اس لیئے ہماری جھولی میں ڈالی گئی ہے کہ ہم امریکہ اور نیٹو کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ہمارے ملک میں امریکہ اور نیٹو کے خلاف نعرے بازی ایک فیشن بن گئی ہے، مگر دوسری طرف ہر ایک نے سنا کہ وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے کولیشن سپورٹ فنڈ کے اربوں کھربوں کی آمدنی کے خواب دکھائے ہیں۔ ایک طرف ہم وار آف ٹیرر لڑنے کی کمائی کھا رہے ہیں اور دوسری طرف ہم اس لڑائی کے خلاف نعرے بازی بھی کر رہے ہیں۔ میں اسی صورت حال کو کنفیوژن اور ابہام قرار دیتا ہوں جس میں ہم بری طرح مبتلا ہو چکے ہیں۔

یہی ابہام ہے جس نے جماعت اسلامی کو امریکہ کے سامنے نہیں، بلکہ اپنی ہی فوج کے سامنے کھڑا کر دیا ہے، جماعت اسلامی تاریخی طور پر ہماری فوج کی حلیف رہی ہے مگر اب وہ فوج کو ہر طرح کے طعنے بھی دے رہی ہے اور آنکھیں بھی دکھا رہی ہے۔ جماعت اسلامی نے جتنی برق رفتاری سے آنکھیں بدلی ہیں، یہ ہمارے لیئے لمحہ فکریہ ہے۔ اور جماعت کے لیئے بھی، وہ جس پاکستان کا رزق کھا رہی ہے اور جس ملک کی فوج اس کے لیئے جانوں کی قربانی دے رہی ہے، اس کے صلے میں اسے طعن و تشنیع کا جس بھونڈے انداز میں نشانہ بنایا گیا ہے، وہ جماعت کے رہنماؤں کے لیئے بھی لمحہ فکریہ ہے۔ جنرل راحیل شریف، میجر شبیر شریف اور میجر عزیز بھٹی کو منفی مہم کا نشانہ بنا کر جماعت نے کس کی خدمت کی ہے، کیا یہ خدمت بنگلہ دیش حکومت کی نہیں جس نے عبدالقادر ملا کو پھانسی دی۔ دعا ہے کہ خدا انہیں جنت نصیب کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ پاکستان کے لیئے ان کی قربانی یاد رکھی جائے گی۔ آمین! (14 دسمبر 2013ء)

نریندر مودی اپنی ریاست عمران خان کے حوالے کر دیں

عمران خاں نے بھارت کے دورے میں کہا تھا کہ اگر بھارتی عوام اگلے الیکشن میں نریندر مودی کو وزیر اعظم منتخب کرتے ہیں تو وہ بھی انہیں خوش آمدید کہیں گے، اس کی دلیل کے طور پر عمران خاں نے واجپائی کا حوالہ دیا، جن کا تعلق بھی انتہا پسند بھارتیہ جنتا پارٹی سے تھا مگر بقول عمران، انہوں نے واہگہ کے راستے بس میں لاہور کا سفر کر کے خطے میں قیام امن میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

واجپائی کا دورہ لاہور، امن کی آشا کے سفر میں پہلا قدم تھا، مگر بدقسمتی سے یہ سفر طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اور منزل ہے کہ اس کا نشان نہیں ملتا۔

امن کے ایک ادنیٰ پجاری کے طور پر میرا فرض ہے کہ میں اس میں کوئی کردار ادا کروں اور ظاہر ہے میرے پاس مشورے کے سوا ہے کیا۔ نریندر مودی نے اپنی ریاست میں بڑی طویل اننگ کھیلی ہے، وہ جب سے چیف منسٹر بنے ہیں، یہ بھول ہی گئے ہیں کہ ان کی ٹرم کبھی ختم بھی ہو گی یا نہیں۔ بارہ تیرہ برس سے وہ چیف منسٹری سے چپکے ہوئے ہیں۔ اب ہو سکتا ہے کہ عمران خان کی بات سچی نکلے اور بھارتی عوام گجرات کو ان سے چھٹکارا دلوانے کے لیئے وزیر اعظم بنوا دیں تو میری تجویز یہ ہے کہ وہ جاتے جاتے اپنی ریاست کا کنٹرول عمران خان کے سپرد کر دیں۔ اگر عمران خان کو ایک بھارتی ریاست حکمرانی کے لیئے مل جائے تو یہ خطے میں دوستی کے بڑھاوے کے لیئے اہم پیش رفت ہو گی۔ گجرات کی شہرت ایک خون آشام ریاست کی ہے، یہاں گودھرا ریل سانحے کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو انتقام کی بھٹی میں کوئلہ بنا دیا گیا اور عمران کی پارٹی کو بھی ایسے

ہی ایک سلگتے صوبے میں حکومت کا کچھ کچھ تجربہ تو ہوگیا ہے۔

مگر عمران کی غیرت کو کیا ہوا کہ نریندر مودی کے گن گانے لگا۔ غیرت مند تو قائداعظم تھے جنہوں نے انگریز کی غلامی کے خلاف جدوجہد کی اور ہندو کی غلامی میں تو جانے سے انکار ہی کر دیا اور مسلمانوں کے لیئے ایک آزاد ملک بنا کر دم لیا، یہ تھا غیرت کا تقاضا اور لگتا ہے کہ قائد کے ملک کے لیڈر غیرت کا سبق بھولتے جا رہے ہیں، پہلے ہندو کہتے تھے کہ یہ واہگہ کی لکیر کیا ہے، اس نے دلوں میں دراڑ ڈال دی ہے۔ اب ہم بھی کہتے ہیں کہ واہگہ کو ویزا فری ہونا چاہیئے۔ ایک دن وزیراعظم نے کہا کہ واہگہ بارڈر چوبیس گھنٹے تجارت کے لیئے کھلا رہنا چاہیے، دوسرے دن چھوٹے میاں جی نے بھی رٹا رٹایا فقرہ اگل دیا۔

شریف برادران کی بھارت دوستی کی وجہ یہاں تک سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کاروباری لوگ ہیں اور کاروبار کی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ بھارت ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے اور مینوفیکچرنگ کا مرکز بھی، اس لیئے کونسا تاجر اور دکاندار ہوگا جو اسے نظرانداز کرے گا، مگر یہ عمران خاں کو بیٹھے بٹھائے کیا ہوگیا۔ وہ اتنی چھوٹی عمر کا ضرور ہے کہ اسے تقسیم کی خونریزی کا علم نہیں ہوگا لیکن بابری مسجد کا المیہ تو اس نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہوگا، بھارتیہ جنتا پارٹی نے اس کی بنیادیں تک اکھیڑ ڈالی تھیں۔ اور کیا عمران خان بھول گیا کہ ہندو انتہا پسندوں نے کتنی مرتبہ پاک بھارت کرکٹ میچوں کو شعلوں کی نذر کیا، کرکٹ تو عمران خان کا مشغلہ رہا ہے۔ وہ اپنے دماغ کو حاضر کرے اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے غنڈوں کی حرکتوں کو یاد کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس روز عمران خان بھارت میں تھے جب تہلکہ کے ایڈیٹر کو دفتر میں ایک ملازمہ کے ساتھ زیادتی کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ اس پر ارون دھتی رائے سے تبصرہ کرنے کو کہا گیا تو اس کے تاریخی الفاظ عمران خان نے کیوں نہیں سنے کہ جو بھارتی شہری، نئی دہلی میں ایک نوعمر بچی اور دوسری خواتین کے ساتھ زیادتیوں پر پھنکار رہے ہیں، وہ کشمیر میں عصمت دری کے المیے پر کیوں خاموش ہیں، عمران خاں ایک غیرت مند پاکستانی بنیں اور ارون دھتی رائے کو جواب دیں کہ وہ کشمیری خواتین کی آبروریزی کو بھول کر پاک بھارت دوستی کے خوابوں میں کیوں مست رہنا چاہتے ہیں۔ بجلی بنانی ہے تو کشمیر واپس مانگیں جس کی مسلم آبادی پر بھارت نے ناجائز قبضہ جما رکھا ہے اور جہاں سے وہ سارے دریا نکلتے ہیں جن پر بھارت نے بند باندھ لیئے ہیں اور ہمیں پانی اور بجلی سے محروم کر رکھا ہے۔ بھارت تو ان دریاؤں سے سستی بجلی پیدا کرے اور ہمیں عمران خان مہنگے ایٹمی بجلی گھروں کی راہ پر لگا رہے ہیں، وہ بھی ہندو کے ساتھ مشترکہ کنٹرول میں۔ ہم پانی اور بجلی کی محرومی کو بھی برداشت کر سکتے ہیں لیکن

جس طرح کشمیر میں مسلم نسل کشی کی جا رہی ہے اور کشمیر کی عفت مآب خواتین کی اجتماعی آبروریزی کی جا رہی ہے، اس پر تو غیرت دکھائیں۔ عمران خان اور ان کے ہم نوا شریف برادران چند برس پہلے کے مسلم لیگی وزیر اعظم میر ظفر اللہ جمالی دور کے معاہدوں پر ایک نظر ڈالیں جن میں پاکستان نے پیش کش کی تھی کہ اجتماعی آبرو ریزی کا شکار ہونے والی کشمیری خواتین کی نفسیاتی بحالی میں پاکستان مدد کرے گا۔ پتا نہیں کس جگرے کے ساتھ بھارت سے امن کی پینگ جھولنے کی باتیں کی جاتی ہیں۔ میری باتیں انتہا پسندانہ پروپیگنڈا لگتی ہیں تو جناب عمران خان کو اروندھتی رائے کے تبصرے پر ہی غور فرمالینا چاہیئے۔

Arundhati Roy: Indian Army using Rape as Weapon in Occupied Kashmir

NEW DELHI,INDIA: Prominent Indian writer and human rights activist, Arundhati Roy has said that Indian army and police are using rape as a weapon against people in Occupied Kashmir and parts of India like Manipur.

Speaking on the issue of Delhi rape incident during a media interview in New Delhi, she said, "When rape is used as means of domination by the Upper Caste, army and police, it is not even punished." She said that rape was 'legitimately' being used as "there are laws which protect them when they do it." Arundhati Roy questioned why the Indians did not demand death punishment for the perpetrators of such crimes in Occupied Kashmir.

یہ پڑھنے کے بعد بھی کسی غیرت مند کا ضمیر نہیں جاگتا تو وہ امن کی آشا کا علم بلند کرے اور ویزے کے بغیر اسے واہگہ پار دھکیل دیا جائے اور نریندر مودی اسے اپنی ریاست کی حکمرانی سونے کی طشتری میں رکھ کر پیش کر دیں۔ اور خود الیکشن کے بعد بھارت کی وزیر اعظمی کریں۔ (13 دسمبر 2013ء)

میاں جی تو میاں جی، عمران خان سبحان اللہ!

ہماری سیاسی قیادت الا ماشاء اللہ ایسے لگتی ہے جیسے بھارت یا امریکی روبوٹ فیکٹریوں سے تیار ہو کر آئی ہو، کیا شان ہے کہ جس کسی کو چند ووٹ مل جاتے ہیں، وہ کترینہ کیف اور جوہی چاولہ کی زبان کی چاشنی اور ان کے حسن کے جلووں سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔

عمران خان نے بھاشن دیا ہے کہ پاک بھارت سرحد پر دونوں ملکوں کو ایٹمی بجلی تیار کرنے کی فیکٹری لگانی چاہیئے۔ کشمیر کا مسئلہ دونوں ملکوں کو بات چیت سے حل کرنا چاہیئے، پاکستان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ممبئی حملوں کے مجرموں کو سزا نہ دلوانا چاہتا ہو، ایسے نیک خیالات کسی کرکٹر کے دماغ ہی میں آسکتے ہیں یا فیکٹریاں چلانے والے کسی سیاستدان کو، پتا نہیں حضرت قائداعظم نے پاکستان بناتے ہوئے حضرت نواز شریف اور چھکہ مار عمران خان سے مشورہ کیوں نہ کر لیا۔ ان میں سے ایک صاحب ویزا فری سرحد چاہتے ہیں اور دوسرے صاحب مشترکہ ایٹمی فیکٹری لگانے کے لیئے پر تول رہے ہیں، کشمیر کے مسئلے کو مذاکرات کے سرد خانے کی نذر کر دینا چاہتے ہیں لیکن ممبئی سانحے کے مجرموں کو ترت سزا دلوانا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں ایک سیاسی جماعت ایسی بھی ہے جو اس بات پر ناز کرتی ہے کہ ان کے بزرگ پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔ میاں نواز شریف اور عمران خان کے بزرگوں کا وزن تحریک پاکستان کے دوران کس پلڑے میں تھا، اس پر تحقیق کے بعد ہی کوئی رائے دی جاسکتی ہے۔ میاں صاحبان نے تو بھارت سے ہجرت کا غم غلط

کرنے کے لیئے اپنا جاتی عمرہ، رائے ونڈ کے نواح میں آباد کرلیا۔ عمران کو بھی چاہیئے کہ وہ نیوکلیر ری ایکٹر تو بعد میں لگائیں، پہلے بھارتی کرکٹ ٹیم کے کوچ بن جائیں تاکہ یہ ٹیم دنیا میں اپنا جاہ وجلال قائم رکھ سکے۔ کشمیر کی آزادی کے لیئے انہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس مسئلے کو ہم برسوں سے سرد خانے کی نذر کر چکے، کم ازکم واجپائی کے دورہ لاہور کے بعد تو ہم کشمیر کا نام نہیں لے سکتے۔ اور رہے ممبئی حملے کے مجرم تو پہلے عمران کو ان کے نام لینے چاہئیں اور ان کے خلاف پاکستان میں نئے سرے سے پرچے درج کروانے چاہئیں، انکی پارٹی میں ایک سے ایک بڑھ کر وکیل ہے، ان میں سے کسی کی خدمات حاصل کریں تاکہ وہ اسے یہ بتاسکیں کہ لاہور ہائی کورٹ میں بھارتی ڈوسیئر ان کیمرہ پیش کیا گیا، حافظ سعید کے وکلا کو بھی کمرہ عدالت سے نکال دیا گیا، پھر بھی لاہور ہائی کورٹ نے بھارتی الزامات کو مسترد کر دیا، عمران کو اپنے وکلا سے یہ بھی پتا چل جائے گا کہ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی گئی تھی، وہاں بھی حافظ سعید کو بری کر دیا گیا۔ اب عمران خاں کن ملزموں کو سزا دلوانے کی بات کرتے ہیں۔

کوئی دن آئے گا جب بھارت میں سے کوئی شخص ممبئی سانحے کا پول کھول دے گا کہ سمجھوتہ ایکسپریس اور مالی گاؤں قتل عام کی وارداتوں کی طرح یہ سانحہ بھی خود بھارت کا خانہ ساز ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ جو لوگ نائن الیون کی کارستانی کا الزام سی آئی اے کے کندھوں پر رکھتے ہیں، وہ ممبئی حملوں کی واردات کو آنکھیں بند کر کے پاکستانی ایجنسیوں اور انکے کارندوں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ اگر امریکہ غیر معتبر ہے تو بھارت کیسے قابل اعتماد ٹھہرا۔

پاکستانی قوم حیران اور پریشان ہے کہ اسے سچی سیاسی قیادت کب نصیب ہوگی جو پاکستانی مفادات کے مطابق زبان کھولے گی اور ہز ماسٹر وائس بن کرنہیں رہ جائے گی۔ آج کے فیس بک کی پیداوار بچوں کو قائد ملت خان لیاقت علی خان کا وہ مکہ کیسے یاد ہوگا جو انہوں نے بھارتی وزیر اعظم نہرو کو دکھایا تھا، نئی نسل کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ جو لاہور کے اردگرد بی آر بی بہتی ہے اسے کس نے اور کیوں کھدوایا تھا، اور آج کے بچوں کو کیا معلوم ہے کہ نہر لاہور پر مورچے کس نے تعمیر کروائے۔ ان میں سے ایک مورچہ میاں عامر محمود کے کالجوں کے سامنے مسلم ٹاؤن انڈر پاس بناتے وقت بڑی بڑی کرینوں کی مدد سے توڑا گیا۔ ان دنوں اخباروں میں میجر شبیر شریف شہید نشان حیدر کا تذکرہ ہوا، ان کے حوالے سے میجر عزیز بھٹی شہید نشان حیدر کا بھی ذکر ہوا، چند دنوں بعد میجر محمد اکرم شہید نشان حیدر کا تذکرہ پڑھنے کو ملے گا۔ یہ کون لوگ تھے، انہوں نے

کس مقصد کی خاطر جانیں قربان کیں، وہ بھی سوچتے ہوں گے کہ جہاں انہوں نے اپنا لہو بہایا، وہاں پاک بھارت مشترکہ سول نیوکلیر فیکٹریاں لگیں گی، اور دونوں طرف کے لوگ ویزے کی پابندیوں سے آزاد گھومیں گے تو ان کی روح کو تکلیف پہنچتی ہو گی، کیا دنیا کی دوسری قومیں اپنے وار ویٹرنز کو اسی انداز میں خراج تحسین پیش کرتی ہیں، عمران خان اگلی مرتبہ واشنگٹن جائیں تو آرلنگٹن وار میموریل پر جا کر دیکھیں کہ امریکی قوم اپنے جنگی ہیروز کو کس عقیدت سے یاد کرتی ہے۔ اور ان کی روحوں کے سامنے کیسے سر جھکاتی ہے۔

عمران خاں نے آج مشترکہ سول نیوکلیر پلانٹ کی تجویز دے دی، کل کو ان کی مبارک زبان پر یہ تجویز ہو گی کہ دونوں ملکوں کا ایٹمی اسلحہ ایک جگہ ڈھیر کر دیا جائے اور اس کی مشترکہ کمان تشکیل دے لی جائے، ہوسکتا ہے وہ ایک مشترکہ دفاعی چیف کے تقرر کی تجویز ہی دے ڈالیں، جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ عمران خان کو کچھ توجہ ان مشترکہ فیکٹریوں پر بھی کرنی چاہیئے جو ان کی پارٹی کے زیر حکومت صوبے کی سرحد کے آر پار قائم ہیں اور ان میں سے بعض کا کنٹرول مشترک ہاتھوں میں ہے۔

دی گریٹ خان نے مسلمانوں کا خون پینے والے نریندر مودی کو اگلے بھارتی وزیر اعظم کے طور پر خوش آمدید کہا ہے۔ انہوں نے دلیل یہ دی ہے کہ بھارت جس کو منتخب کرے وہ ہمارے لیئے سر آنکھوں پر، انہوں نے یاد دلایا ہے کہ بی جے پی کے ایک سابق وزیر اعظم واجپائی نے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی کے لیئے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس دلیل کے تحت عمران خان کا فرض یہ تھا کہ وہ اگلے چند ماہ بھارت میں قیام فرماتے اور خون آشام بلا نریندر مودی کے حق میں انتخابی مہم چلاتے تا کہ اس کی کامیابی شک وشبے سے بالاتر ہو جائے۔ ظاہر ہے مودی کے آنے سے واجپائی جی والا دوستی کا دور واپس آجائے گا اور دونوں طرف امن کی حامی قوتیں جو چاہے کر گزریں گیں۔ سرحد کو ویزا فری کر لیں یا مشترکہ ایٹمی بجلی پلانٹ لگا لیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ بھارت کے سلسلے میں ن لیگ اور تحریک انصاف کی قیادت ایک دوسرے کے ہم زباں کیسے ہو گئی، ویسے تو وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو دوڑتی ہیں لیکن بھارت کا مسئلہ آتا ہے تو ریشہ خطمی ہو جاتی ہیں اور دونوں گنگا جمنا کی طرح ایک دوسرے میں مدغم ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔

میاں نواز شریف خوش ہوں گے کہ انہیں اپوزیشن لیڈر تو ملا مگر زرداری کی طرح ٹھس اور مک مکا والا۔ ایسے اونچے نصیبوں والا وزیر اعظم۔ اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ (9 دسمبر 2013ء)

لفظ شریف طعنہ کیوں بن گیا!

جنرل راحیل شریف کو نیا آرمی چیف بنایا گیا تو یہ پھبتی کسی گئی کہ ان کی خوبی یہ ہے کہ نام میں لفظ شریف آتا ہے۔ کسی نے خیال نہ کیا کہ وہ نشان حیدر میجر شبیر شریف کے بھائی ہیں۔ نشان حیدر کے رتبے پر پہنچنے کے لیئے نام کا شریف ہونا ضروری نہیں، ایک جرات رندانہ کا مالک ہونا چاہیئے۔ جنرل راحیل کے والد کا نام میجر شریف ہے۔ اور وزیر اعظم کے والد کا نام بھی میاں شریف ہے۔ شکر ہے اس نسبت سے طعن و تشنیع نہیں کی گئی۔ نئے آرمی چیف کے لیئے آئین میں قوم نے جو شرط عائد کی ہے، اس کی رو سے وزیر اعظم کو تین ناموں کے پینل میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ اسی آئینی شرط کے تحت وزیر اعظم کے پاس تین سینیئر ترین ناموں کی ایک فہرست گئی جس میں سے وزیر اعظم نے ایک نام چن لیا، فہرست میں یہ نام اس لیئے نہیں رکھا گیا تھا کہ اس میں لفظ شریف آتا ہے اور وزیر اعظم آنکھیں بند کر کے اس پر انگلی رکھ دیں گے۔

لفظ شریف کو طعنہ بنانے والوں کا اصل مقصد نئے آرمی چیف کی تحقیر اور ان کے تقرر کو متنازعہ بنانا تھا۔ یہ کام ایک تو وہ لوگ کرتے ہیں جو گھر میں اپنی ماں اور اپنے باپ کی تذلیل کا بھی کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔ دوسرے اس مہم میں وہ لوگ شامل تھے جو ہمیشہ فوج کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے میں پیش پیش رہتے ہیں، ان لوگوں کا حوصلہ فضل الرحمٰن اور منور حسن کے ان بیانات سے بھی بڑھا جن میں کتے کو شہید مانا گیا اور پاک فوج کے شہیدوں کے رتبے سے انکار کیا گیا تھا۔

پاک فوج کس کس کی راہ میں رکاوٹ ہے، سب سے پہلے انڈیا کی، پھر امریکہ اور اس کے تمام حواریوں

کی۔ یہ درمیان میں آپ کو جو عناصر پاک فوج کے خلاف سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں، وہ بھارت اور امریکہ کے مذموم عزائم ہی کی تکمیل کے لیئے کوشاں ہیں۔ سب نے دیکھا کہ انہوں نے لاہور میں نیول کالج پر حملہ کیا، اسی لاہور میں آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر پر دھاوا بولا۔ پنڈی میں جی ایچ کیو کا گھیراؤ کیا، کامرہ پر دو مرتبہ حملہ کیا اور آخری حملے میں اس سیب طیارے کو تباہ کیا جو فضاؤں میں پاکستان کی نگہبانی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ کراچی میں نیول بیس کو نشانہ بنایا اور یہاں اصل میں حملہ اورین طیاروں پر تھا جو سمندری حدود میں پاکستان کی رکھوالی کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ ان نقصانات سے پاکستان کی اس دفاعی قوت کو ضعف پہنچانا مقصود تھا جو بھارتی جارحیت کے مقابل ملک وقوم کے سامنے سینہ سپر ہوتی ہے۔ یہ تو بھارت کی پراکسی جنگ ہے جو پاکستان کے خلاف کلائمیکس پر ہے۔

میں نے کوئی سازشی تھیوری پیش نہیں کی، آپ کے سامنے ایک حقیقت رکھی ہے، سیب طیارہ یا اورین طیارہ شمالی وزیرستان میں جاسوسی کے لیئے استعمال نہیں ہوتا، سیب طیارہ تو پاکستان کے پورے فضائی بیڑے کی راہنمائی کرتا ہے اور، اورین طیارہ ممبئی سے جارحیت کی نیت سے آنے والے بھارتی بحری بیڑے کی بو سونگھتا ہے اور پاک بحریہ کو ممکنہ خطرے سے خبردار کرتا ہے، ان طیاروں کا کوئی تعلق دہشت گردی کی جنگ سے نہیں بنتا، اس لیئے ان کی تباہی کا مقصد صرف اور صرف بھارتی عزائم کی تکمیل ہے۔

پاک فوج کے خلاف ایک محاذ نظریاتی سطح پر کھلا ہوا ہے، ایک زمانے میں جنرل شیر علی خاں نے اس محاذ پر دفاعی حصار قائم کیا تھا، اسی لیئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ مادر پدر آزاد عناصر جنرل شیر علی خان کو مغلظات سے نوازتے ہیں۔ ستر کی دہائی کے شروع میں پاکستان کی نظریاتی اساس پر تابڑ توڑ حملے کیئے گئے جس کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹ گیا، اس وقت صرف اندرا گاندھی ہی نے نہیں کہا کہ نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا بلکہ ہمارے لبرل عناصر نے بھی بغلیں بجائیں کہ جنرل شیر علی خاں کا نظریہ پاکستان کا واہمہ دور ہو گیا۔

نظریہ پاکستان کے مورچے پر اب ہر طرف سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ بھارت کی طرف سے دوستی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، الٹا بھارتی لیڈر نفرت انگیز بیانات جاری کرتے ہیں، ابھی ابھی بھارتی وزیر دفاع نے کہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ تعلقات معمول لانے میں کوئی جلد بازی نہیں کریں گے مگر ہمارے وزیر اعظم نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ واہگہ بارڈر، آر پار تجارت کے لیئے چوبیس گھنٹے کھلا رہنا چاہیئے، انہوں نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تین بجے کسٹم پوسٹ بند ہونے سے ٹرکوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ یہی وزیر اعظم

بڑی چاہت سے بھارتی وزیراعظم کو اپنی تقریب حلف برداری میں مدعو کرنا چاہتے تھے، پھر انہوں نے اس معصوم سی خواہش کا اظہار کیا کہ برصغیر کو یورپی یونین کی طرح ویزا فری ہونا چاہیئے، یہی خواہشات عمران خاں کے ہونٹوں پر بھی مچلنے لگی ہیں، ابھی تو انہوں نے دلی کا ایک پھیرا لگایا ہے، دو چار پھیرے لگ گئے تو خدشہ ہے کہ وہ وہیں کے ہو کر نہ رہ جائیں اور تحریک انصاف کو اپنے چیئرمین کی گمشدگی کا اشتہار دینا پڑے۔ عمران خان اپنی اس تجویز پر بھی اڑے ہوئے ہیں کہ پاک بھارت سرحد پر مشترکہ ایٹمی بجلی گھر لگایا جائے۔ ہمارے امپورٹڈ گورنر پنجاب محمد سرور بھی یورپی یونین والا ماحول برصغیر میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں، اس مقصد کے لیئے وہ یورپی یونین کے پھیروں پر پھیرے لگا رہے ہیں۔ بات لفظ شریف سے چلی تھی اور پاک فوج کے خلاف نفرت کی مہم سے ہوتی ہوئی بھارتی محبت سے سرشار عناصر کی طرف چلی گئی۔ مجھے لفظ شریف سے چڑنے والوں سے کہنا ہے کہ وہ پاکپتن شریف، بھیرہ شریف، گجرات شریف، کوٹ مٹھن شریف، اوچ شریف کی تراکیب پر معترض ہونے سے پرہیز فرمائیں۔ دل کے آبگینوں کو ٹھیس پہنچانا آپ کا مشغلہ ہوسکتا ہے لیکن اس حکایت کو اس قدر طول نہ دیں کہ ردعمل میں آپ کی شرافت کا دامن چاک ہو جائے۔ اب نادرا کے چیئر مین کا مسئلہ چل نکلا ہے تو سوشل میڈیا پر ایک اشتہار دیکھنے میں آیا ہے جس میں اس منصب کے لیئے پہلی شرط، نام میں لفظ شریف کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے انتخاب سے جو مہم شروع کی گئی، اس کی کوئی حد نظر نہیں آتی۔ کچھ لوگوں نے شاید یہ سمجھ لیا ہے کہ فوج خاموش رہنے پر مجبور ہے، اس لیئے ان کی طرف سے تابڑ توڑ حملے جاری ہیں مگر پاک فوج کو کوئی اس قدر بھی گونگا نہ سمجھے، اسکی حرمت اور عزت پر مر مٹنے والوں کی کمی نہیں، میں اپنا قلم اس کے لیئے ڈھال بنا دوں گا۔

ویسے لفظ شریف میں قباحت بھی کیا ہے۔ شریف برادران نام کے ہی نہیں، کردار کے بھی شریف ہیں۔ ان کے والد تو شرافت کا مجسم نمونہ تھے۔ اور اس خاندان کی شرافت اور نجابت کے مداح ان کے کٹر حریف بھی ہیں۔ میری جنرل راحیل شریف سے ایک گزارش ہے کہ وہ جنرل شیر علی خان کے قائم کردہ نظریہ پاکستان سیل کو دوبارہ متحرک کریں، یہ میڈیا اور پروپیگنڈے کا دور ہے، یہ مورچہ بھی مستحکم کرنا ضروری ہے۔ جہاں اتنی ڈھیر ساری کوریں ہیں، ان میں ایک نظریاتی کور کا اضافہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اگلی لڑائی اسی کور کو لڑنا ہے۔ (یکم دسمبر 2013ء)

پاک فوج نرغے میں

نئے آرمی چیف کی تقرری سے چند گھنٹے پہلے بڑی عجلت میں خواجہ آصف کو وزیر دفاع مقرر کیا گیا ہے۔ بظاہر اس تقرری کی وجہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے لاپتا افراد کے سلسلے میں وزیر اعظم کو بطور وزیر دفاع طلب کیا تھا، وزیر اعظم یا تو عدیم الفرصت ہیں یا وہ عدلیہ کے سامنے پیشی کو اپنے وقار کے منافی سمجھتے ہیں، اس لیئے انہوں نے پیشی بھگتنے کے لیئے وزارت دفاع کا چارج خواجہ آصف کو دے دیا۔ مگر خواجہ آصف کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی جو زبان فوج کے ادارے کے لیئے استعمال کرتے ہیں، اس سے ہر کوئی اچھی طرح آگاہ ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ انہیں یہ منصب بطور خاص کسی کو چڑانے کے لیئے عطا کیا گیا ہے۔

جنرل راحیل نے وزیر دفاع کو کیا سیلوٹ کر دیا کہ اب ان سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اس سیلوٹ کو عملی طور پر بھی ثابت کریں کہ وہ اپنے وزیر کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ پاکستان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی خواہش ہے کہ اول تو فوج کا ادارہ ہونا ہی نہیں چاہیئے اور اگر ہو بھی تو صرف سلامیوں کے لیئے، بینڈ باجے کے لیئے، بھل صفائی کے لیئے، میٹر ریڈنگ کے لیئے اور گھوسٹ اسکولوں کا سراغ لگانے کے لیئے۔

صدر زرداری کے دور میں بھارت نے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل پاشا کو نئی دہلی کے کٹہرے میں طلب کیا، وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے جھٹ آرڈر دیا کہ جنرل پاشا وقت ضائع کیئے بغیر دلی کا جہاز پکڑیں، مگر وہ نہیں گئے تو اسے حکم عدولی قرار دیا گیا۔ یہی وہ دور ہے جس میں آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ

کے ماتحت لانے کی تجویز سامنے آئی مگر یہ کہیں فائلوں میں اپنی موت آپ مرگئی۔

جنرل کیانی نے چلے جانا تھا، اسکا اعلان انہوں نے خود کیا، مگر آخر وقت تک یہی پروپیگنڈا جاری رکھا گیا کہ جنرل کیانی کی بدن بولی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ جی ایچ کیو سے رخصت ہو رہے ہیں، اس پروپیگنڈے کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ جنرل کیانی کو عہدے کا حریص ثابت کیا جائے۔ پروپیگنڈے کی اس جنگ میں وال اسٹریٹ جرنل کو بھی جھونک دیا گیا، ہر ٹی وی چینل پر منہ کھولنے والا اینکر، جنرل کیانی کے لیئے مزید توسیع یا فیلڈ مارشلی یا جائنٹ چیفس کی چیئرمینی کے آرڈر جاری کر رہا تھا، اس پروپیگنڈے کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ جنرل کیانی آسانی سے جانے والے نہیں اور وہ عہدے سے چمٹا رہنا چاہتے ہیں۔

نئے آرمی چیف کا تقرر ہو گیا، اب کسی کو تو چیف بننا تھا، لیکن جن لوگوں کو کیڑے تلاش کرنے کا شوق ہے وہ بہر صورت اس فیصلے پر تنقید کرتے، اگر جنرل ہارون کو یہ منصب مل جاتا تو کہا جاتا کہ وزیراعظم پر ایک ایسا شخص تھوپ دیا گیا ہے جس نے ٹرپل ون بریگیڈ کے سربراہ کے طور پر ان کے خلاف بارہ اکتوبر ننانوے کو کارروائی کی تھی، اب اگر انہیں آرمی چیف نہیں بنایا گیا تو کسی نے نہیں کہا کہ وزیراعظم ذاتی رنجش اور پسند و ناپسند کے تحت چناؤ کیوں کرتے ہیں۔ جنرل ہارون میں ایک نہیں لاتعداد کیڑے نکال لیئے گئے ہیں، یہ کہ انہوں نے کوئٹہ کے کمانڈر کی حیثیت سے بگٹی کے خلاف آپریشن کیا، یہ بھی کہ انہوں نے سوات آپریشن کی قیادت کی۔ کوئی یاد کرا رہا ہے کہ شہباز شریف نے جلاوطنی ختم کر کے لاہور اترنے کی کوشش کی تو فلاں فوجی افسر نے انہیں دھکا دیا، فلاں فوجی افسر نے انہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر دوسرے جہاز میں سوار کرا کے جدہ چلتا کیا۔

وزیراعظم آج کلی اختیارات کے مالک ہیں جس کے ساتھ جو چاہے سلوک کر گزریں مگر وزیراعظم سمیت ہر کوئی جانتا ہے کہ فوج میں حکم عدولی کا مطلب کیا ہوتا ہے، سیدھا کورٹ مارشل، اگر حکم عدولی جائز اور قابل معافی ہوتی تو وزیراعظم، سب سے پہلے جنرل ضیاالدین بٹ کی بحالی کا حکم جاری کرتے اور ساتھ ہی اپنے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر جاوید اقبال کو تمام اعزازات کے ساتھ بحال فرماتے۔ ان دو افسروں نے اس وقت کے جی ایچ کیو کے احکامات کو نہیں مانا تھا۔

فوج کو مارشل لا کے نفاذ سے باز رکھنا اور بات ہے اور اس کو تھلے لگانا اور بات ہے۔ مارشل لا کا نفاذ آئین کی خلاف ورزی ہے لیکن فوج کو ذاتی جاگیر سمجھنا بھی آئین کے منافی ہے۔ حکومت انہیں اپنا دم

چھلہ نہیں بنا سکتی۔حکومت تو ینگ ڈاکٹرز کو قابو کرنے میں ناکام رہی ہے۔

بھٹو دور میں جنرل گل حسن کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، مصطفیٰ کھر نے انہیں اغوا کیا اور قیدی بنا لیا اور ان کی جگہ جنرل ٹکا خان کو آرمی چیف بنا دیا گیا۔یہی گل حسن تھے جنہوں نے خصوصی طیارہ بھیج کر بھٹو کو یو این او سے بلوا کر سول چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے منصب پر فائز کیا تھا۔نواز شریف نے آرمی چیف جنرل جہانگیر کرامت کی طرف سے پیش کردہ ایک تجویز پر ناراضی کا اظہار کیا ور ان سے استعفا مانگ لیا۔

کون جانتا ہے کہ ان دنوں سعید مہدی کہاں ہیں اور انہوں نے کن تمناؤں سے سرشار ہو کر نواز شریف کی خدمت کی مگر اب وہ اقتدار کی راہداریوں کے آس پاس بھی نظر نہیں آتے۔ طارق عظیم اور ان کے بھائی شجاعت عظیم ان دنوں کہاں ہیں۔ن لیگ کی انتخابی مہم ذاتی جیب سے چلانے والے ان لوگوں کو کیا صلہ ملا۔فوج تو پھر بھی مغضوب ہے، اس کے ساتھ حکومت جو کرے گی ،وہ سب کو نظر آئے گا۔جنرل کیانی کو کھانے کھلا کر رخصت کیا گیا مگر نومبر کی ایمرجنسی پر بغاوت کیس کو بھی آگے بڑھایا جا رہا ہے،ان دنوں کیانی صاحب نائب آرمی چیف تھے اور ایمرجنسی کا فیصلہ تنہا مشرف کا نہیں،ان کے بقول تمام کور کمانڈرز سے صلاح مشورے کے بعد یہ فیصلہ ہوا۔کیا ان سب کو غداری کے مقدمے کی لپیٹ میں لیا جائے گا،کیا موجودہ حکمران بھاگ بھاگ کر ترکی جاتے ہیں تو وہاں یہ سبق سیکھنے جاتے ہیں کہ فوجی جرنیلوں کو سزائیں دینے کا آسان اور تیر بہدف نسخہ کیا ہے۔

پیپلز پارٹی الگ فوج سے اپنا ادھار چکانے کی فکر میں ہے،انکے لیڈر کی حکومت کا تختہ الٹا گیا اور پھر تختے پر چڑھا دیا گیا،دو مرتبہ محترمہ کی حکومت بھی پس پردہ رہ کر فوج نے ختم کی،محترمہ کو ایک فوجی حکمران کے دور میں شہید کیا گیا۔اتنے ہی دکھ نون لیگ کی قیادت کو لاحق ہیں۔ جماعت اسلامی کے بھی تیور بگڑے ہوئے ہیں،وہ امریکی جنگ کا ساتھ دینے والی پاک فوج کو نہ غازی مانتی ہے نہ شہید،فضل الرحمٰن تو دو قدم آگے ہیں، ،وہ امریکی میزائل سے مرنے والے کتے کو بھی شہید کہتے ہیں۔ملک میں ایک لبرل اور مادر پدر آزاد طبقہ ہے جو امریکہ اور بھارت سے مال بٹور کر پاک فوج کی جان کے درپے ہے۔

نئے آرمی چیف کو پہاڑ جیسا چیلنج درپیش ہے۔ وہ عمران خان کی شہ پر امریکہ سے لڑیں بھڑیں،حکومت وقت کی اطاعت گزاری میں تین سال بسر کریں، بھارتی ریشہ دوانیوں کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہوں یا آستین کے سانپوں کو کچلنے کی کوشش کریں،پاک فوج سخت نرغے میں ہے۔(30 نومبر 2013ء)

میاں جی! دب کے رکھو

اتوار کی صبح بھارتی وزیراعظم سے ناشتے کی میز پر ملاقات کے موقع پر میرا ایک ہی پیغام ہے کہ میاں جی! اپنے آپ کو ایک ایٹمی طاقت کے سربراہ سمجھیں۔ یہ ملاقات ہماری نہیں، بھارت کی ضرورت ہے۔اس نے ہمیں ہر طرح سے آزما کے دیکھ لیا۔

من موہن جی کئی الزامات دہرائیں گے، ممبئی کا قصہ بھی چھیڑیں گے اور جموں میں حالیہ فدائی حملے کا رونا بھی روئیں گے۔حافظ محمد سعید کا سر مانگیں گے اور آئی ایس آئی کے جبر کی دہائی دیں گے، آپ ان سے مطالبہ کریں کہ وہ سمجھوتہ ایکسپریس کو نذر آتش کرنے والے کرنل پروہت اور سابق بھارتی آرمی چیف جنرل بکرم سنگھ کو پاکستان کے حوالے کردیں تاکہ ان پر مقدمات چلائے جاسکیں اور جو اعترافات اب تک وہ خود کر چکے ہیں، ان کی روشنی میں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

جموں فدائی حملے کے ڈرامے کی ٹائمنگ ملاحظہ فرمایئے کہ ادھر من موہن سنگھ کا جہاز ائیر انڈیا ون عازم پرواز ہوا، ادھر تین فدائی، کشمیر کی ایک چھاؤنی میں گھس گئے۔اگر اس میں کشمیریوں کا ذرا بھی کردار ہوتا تو فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر من موہن یہ نہ کہتے کہ کچھ بھی ہو جائے، وہ امن مشن کو آگے بڑھائیں گے۔کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ بھارتی وزیراعظم ذرا بھی غیرت اور حمیت کے مالک نہیں کہ ان کے تین فوجیوں سمیت بارہ افراد کو ہلاک کر دیا جائے اور وہ پھر بھی امن کی آشا سے سرشار دکھائی دیں۔

چند ہفتے پیچھے چلتے ہیں، کشمیر کی کنٹرول لائن پر ایک مبینہ جھڑپ میں پانچ بھارتی فوجی قتل ہوئے، ان کی

موت پر بھارت میں کہرام مچ گیا، اپوزیشن تو خیر بی جے پی کے انتہا پسند ہاتھوں میں ہے، خود کانگرس کے نوجوانوں نے نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمشن کا گھیراؤ کرلیا۔ بھارت کی پارلیمنٹ میں پاکستان مردہ باد کے نعرے لگے۔ مگر یہ سب کچھ من موہن جی کیوں بھول گئے، انہوں نے اپنے فوجیوں کے خون سے غداری کیوں کی، یہ سوال ہے تو ٹیڑھا مگر اس کا جواب بڑا سادہ ہے کہ جب من موہن جی کو پتا ہو کہ یہ سب بھارت کا اپنا رچایا ہوا ڈرامہ تھا تو وہ جعلی غیرت اور حمیت کے چکر میں کیسے پڑتے۔ یہ ڈرامے محض پاکستان کو بدنام کرنے کے لیئے تھے۔ اور پاکستان کے اندر بھارتی شردھالوؤں میں پیسہ بانٹ کر پاک فوج کو بدنام کرنے کے لیئے تھے۔ لوگوں کو یاد ہوگا کہ ایک بھارتی فوجی کا سر بھی کاٹا گیا۔ اس پر بھی بھارت میں بہت کہرام مچا تھا مگر من موہن جی اسے بھی بھول گئے، کیسے، کیوں۔ اس لیئے کہ سب ناٹک تھا بھارت کا اپنا رچایا ہوا۔

بھارت نے پاکستان کو بدنام کرنے کے لیئے سو سو جتن کیئے۔ کبھی نئی دہلی میں پارلیمنٹ پر حملہ، کبھی سری نگر کی اسمبلی پر حملہ، کبھی بھارتی طیارے کا اغوا، اور غصے میں، بپھرے ہوئے سانڈ کی طرح پاکستان پر جارحانہ یلغار کی خواہش پوری کرنے کی بار بار کوشش، اور بار بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ انیس سو ستاسی کے اوائل میں اس کی فوجوں نے جنگی مشقوں کی آڑ میں پاکستان کی سرحد کا رخ کیا، جنرل ضیاالحق نے بھارت کے ایک کرکٹ میچ میں راجیو گاندھی کے کان میں اتنا کہا کہ مہاراج، سوچ سمجھ کر گولی چلائیں، ہم ایٹم بم تیار کر چکے ہیں۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ بھارت ساری چوکڑی بھول گیا اور اس کی فوجوں نے چھاؤنیوں کی راہ لی، ممبئی سانحے کے بعد بھارت نے سوچا کہ اسے بھی امریکہ کی طرح سرجیکل اسٹرائیک کا حق حاصل ہے، اس سے قبل کہ اس کے بمبار طیارے کوئی کارروائی کر پاتے، پاک فضائیہ کے سرفروشوں نے چوبیس گھنٹے فضائی نگرانی شروع کر دی۔ اور ظاہر ہے یہ خالی ہاتھ نہیں تھے۔ بھارت کو بھی علم تھا کہ ان جہازوں میں کونسا اسلحہ ہے۔ اور اس نے ایک بار پھر امن کی آشا کا جھنڈا بلند کر دیا۔

بھارت اپنے آپ کو علاقے کی منی سپر پاور بنانا چاہتا ہے، اس کی خواہش ہے کہ اس کے ارد گرد سارے ملک، سکم اور بھوٹان کی طرح اس کی تابعداری کریں۔ مگر اس کے ان مذموم ارادوں کی تکمیل کی راہ میں ایک ملک جس کا نام پاکستان ہے، مملکت خداداد، حائل ہے۔

امریکہ دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہے، اس نے نائن الیون کی آڑ میں افغانستان کو تاراج کیا، یہاں اپنی فوجیں اتار دیں، اس کے ساتھ پچاس دیگر ممالک کا لشکر بھی تھا، کیا ان کی منزل واقعی افغانستان کے بنجر، بے

آب و گیاہ پہاڑ اور اس کی پتھریلی وادیاں تھیں۔ ہر گز نہیں، اس نے جنگ کا تھیٹر افغانستان کے بجائے پاکستان کو بنایا، اس پر ڈرون حملے ہوئے، اس کے شہر شہر خونریزی کی گئی، جب یہ سطور لکھ رہوں ہوں تو پشاور کے نزدیک پھر دہشت گردی کی واردات ہوگئی ہے، نواز شریف امریکی دورے پر روانہ ہوئے تو ایک مسیحی عبادت گاہ کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، نواز شریف ذرا نہیں گھبرائے، اس لیئے کہ انہیں علم تھا کہ ان کے پیچھے کون ہے اور پاکستان کو جھکانا کس کا مشن ہے۔ نواز شریف تن کر امریکہ اترے، انہوں نے امریکی صدر سے ہاتھ ملانے کے لیئے کسی بے تابی کا مظاہرہ نہیں کیا، وہ اوبامہ کے کھانے میں نہیں گئے، ایرانی صدر بھی وہاں نہیں گئے، ان کے پاس تو یہ بہانہ تھا کہ اس کھانے میں شراب بھی پیش کی جارہی ہے مگر نواز شریف کو جو اعتراضات ہوسکتے تھے، وہ زبان پر نہیں آسکتے تھے، ان کا تو صرف ایک مخصوص رویئے سے ہی جواب دیا جا سکتا تھا، نواز شریف نے ایسا ہی کیا۔ اب انہیں امریکی وزیر خارجہ جان کیری دورے کی باقاعدہ دعوت دے چکے ہیں۔ نواز شریف اس کے لیئے کوئی تڑپ نہیں رہے تھے۔ یہ دورہ اکتوبر میں ہوگا، باقی ماندہ مدت میں دونوں ملک ڈاک بہت تیزی سے بھی نکالیں تو واشنگٹن میں پاکستانی سفیر کی تقرری عمل میں نہیں آسکتی، نواز شریف نے ابھی وزیر خارجہ بھی نہیں لگایا اور اگر وہ کچھ عرصہ مزید حالات کو اسی طرح چلنے دیں تو پاکستان کو تر نوالہ یا ایک غلام محض سمجھنے والوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔

نواز شریف کے سامنے اکڑ کر چلنے کی کئی اور مثالیں بھی ہیں۔ شام کے بشار الاسد کے خلاف اڑھائی برس سے شورش جاری ہے، امریکہ نے اسے براہ راست جارحیت کی دھمکی بھی دی۔ مگر امریکہ کے دانے مک گئے ہیں، سلامتی کونسل شام کے خلاف ایک قرارداد منظور کر کے امریکہ کی عزت بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس قرارداد کی خلاف ورزی پر شام کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ اسی امریکہ کو اسلامی جمہوریہ ایران نے بھی لوہے کے چنے چبوادیئے۔ ایران شروع سے کہہ رہا ہے کہ وہ ایٹم بم نہیں بنانا چاہتا، کوئی اس موقف کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا مگر اب نئے ایرانی صدر حسن روحانی کے اسی اعلان پر یقین کرنا امریکہ کی مجبوری بن گیا ہے۔

میاں جی! تھوڑے لکھے کو بہت جانیں اور دب کے رکھیں، پاکستان اللہ کی نعمت ہے، اسی نے ایٹمی قوت سے نوازا ہے۔ اب نہ کسی سے ڈریں، نہ کسی کے سامنے جھکیں، نہ کسی سے ڈکٹیشن لیں، یہی تھا نا آپ کا نعرہ، اس پر عمل کا وقت آگیا۔ (28 ستمبر 2013ء)

شہدا کے سائے میں

یہ رنگ ونور کی ایک کہکشاں تھی جو شہدا کے قدموں کو چومنے کے لیئے مچل رہی تھی، مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا، یہ خواب آگیں کیفیت جیتے جاگتے میرے نصیب میں کہاں، ارد گرد دیکھا تو سبھی شناسا چہرے تھے، الطاف حسن قریشی میرے دائیں جانب بیٹھے تھے، ان سے آگے میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ جو کچھ دیر پہلے ہی پنڈی سے لاہور پہنچے تھے، اور لاہور آئی ایس پی آر کے انچارج کرنل شاہد عباس، جو بے شمار سکیورٹی چیک پوسٹوں سے ہمیں بحفاظت نکال لائے تھے۔ سبھی دیکھے بھالے چہرے تھے، لیکن جو کچھ آنکھوں کے سامنے تھا، وہ عالم رویا کے منظر سے کم نہیں تھا، میں ایک گناہ گار انسان، مجھے شہدا کی زیارت کیسے نصیب ہوگئی مگر جنرل کیانی پنڈال سے اٹھ کر اسٹیج کے طرف جانے لگے تو شہدا ان کے سروں پر سایہ فگن دکھائی دیئے۔ ارد گرد فرشتے قطار اندر قطار اور شہدا یک زبان ورد کر رہے تھے۔

میں پھر جلایا جاؤں، میں پھر شہید ہوں

میں پھر جلایا جاؤں، میں پھر شہید ہوں

ہم بی آر بی نہر کے اس مقام پر تھے جہاں ہڈیارہ نالہ واقع ہے اور جہاں پینسٹھ کی جنگ میں میجر شفقت بلوچ نے ایک چھوٹے سے فوجی یونٹ کے ساتھ بھارتی فوج کے پورے بریگیڈ کی یلغار کو تین دن روکے رکھا تھا، کرنل شاہد عباس نے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس میں شفقت بلوچ کا کمپنی ہیڈ کوارٹر واقع تھا، جرات وشجاعت کے اس لازوال مرکز کے آس پاس پاک فوج نے جنرل کیانی کی ہدائت پر شہدا کے لواحقین کے لیئے ایک خصوصی سیکٹر کھڑا کیا ہے جہاں ایک سال کے اندر سڑکوں اور پارکوں کا

جال بچھا دیا گیا ہے اور کئی منزلہ فلیٹس بھی تعمیر ہو چکے ہیں، ان کی چابیاں شہدا کے لواحقین میں تقسیم کرنے کے لیئے چھبیس نومبر کی صبح کو اس تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

میں وہاں سے واپس تو آ گیا ہوں مگر میرا ذہن وہیں کہیں اٹک گیا ہے، یہاں شہدا کے لواحقین کا بسیرا ہوگا، مگر اصل میں ان گھروں میں شہدا کی روحیں سایہ فگن رہیں گی، اس پاک اور مقدس جگہ کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، سوچ رہا تھا کہ یہیں کہیں تحلیل ہو جاؤں اور ان شہیدوں کے گل وگلزار کی مہک سے مشام جاں کو معطر کرتا رہوں۔ میری تاریک راتوں میں ان کا خون، حنا رنگ روشنیاں بکھیرتا رہے اور میری خنک شاموں میں ان کے سانسوں کی گرمی مچلتی رہے اور میرے سنسان آنگن میں ان کے جذبے آبشار بن کر گرتے رہیں۔

میں نے اپنے قارئین کو خبر دی تھی کہ شہدا سے لگاؤ اور محبت کی وجہ سے جنرل کیانی اپنے کیریر کی آخری مصروفیت لاہور میں رکھیں گے۔ اور شہدا کے سیکٹر کی افتتاحی تقریب میں شرکت کریں گے، میں جنرل کیانی کو کبھی نہیں ملا، وہ پنڈی میں اخبار نویسوں کو بلاتے ہیں، مگر میں وہاں کبھی نہیں گیا، میری خواہش تھی کہ وہ اس تقریب کے لیئے لاہور آئیں تو ان سے ملاقات کا موقع ملے، یہ ایک یادگار تقریب تھی، جو قوم کے دفاع میں لڑنے والے شہیدوں کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ اور اس میں شہدا کے ورثا بھی تو موجود تھے، کوئی آزاد کشمیر سے آیا، کوئی بلوچستان سے آیا، کوئی اندرون سندھ سے آیا، کوئی صوبہ خیبر پختون خواہ یا فاٹا سے آیا، اور کئی پنجاب سے آئے، صحیح معنوں میں یہ تقریب قومی یک جہتی کی منہ بولتی تصویر تھی۔

میں نے سب کچھ دیکھا، سب کچھ سنا لیکن جب گیاری کے ایک شہید کے بھائی کو بلایا گیا تو میں اپنے جذبات پہ قابو نہ رکھ سکا، دل چاہ رہا تھا کہ اچھل کر شہید کے بھائی کے پاؤں چوم لوں۔ نپولین بونا پارٹ نے کہا تھا کہ شہادت موت کا نہیں، ایک مقصد کا نام ہے۔ پاک فوج کے جانباز ہر محاذ کا رخ کرتے ہیں، تو وہ ایک مقصد سے سرشار ہوتے ہیں، شہادت ان کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے، اس مقدر پر قربان جاؤں۔ کسی نے کہا تھا کہ ہر روز لوگ دم توڑ دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ان کی زندگی تمام ہو جاتی ہے لیکن شہید کی زندگی مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔

تقریب کے آغاز پر قرآن کی یہ آیت مبارکہ تلاوت کی گئی کہ شہید زندہ ہوتے ہیں مگر تمہیں اس کا فہم نہیں۔ جنرل کیانی اور ان کے ساتھیوں کو شہید کی ابدی زندگی کا احساس ہے، اس لیئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ

آئندہ سے جو کوئی شہادت پائے گا تو اس کے لواحقین کو ایک گھر بنا کر بلا قیمت دیا جائے گا۔اس گھر کی آج کی قیمت پچاس ساٹھ لاکھ سے کم نہیں جبکہ ورثاء کو جو دیگر مراعات ملتی ہیں وہ ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ ہیں۔ جنرل کیانی نے اپنی تقریر میں سن اڑتالیس کے شہدا سے لے کر اب تک کے تمام شہدا کو خراج وفا پیش کیا۔ان کا کہنا تھا کہ دو ہزار گیارہ کے بعد سے فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ سے شہدا یا دوران سروس قدرتی موت کا شکار ہونے والوں کے لیئے بنے بنائے گھر تحفے میں پیش کیئے جائیں گے اور اس فیصلے کا اطلاق عام سپاہی سے لے کر چند دن کے ریکروٹ پر بھی کیا جائے گا۔اس اسکیم میں آزاد کشمیر کی مجاہد یونٹوں کو بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ شہدا کے لواحقین باعزت اور پر سکون زندگی بسر کرسکیں، وہ خود ان گھروں میں رہیں یا کرائے پر دیں، یہ ان کی صوابدید ہے تاہم جب تک ان کے بچے اٹھارہ سال کی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچتے، ان گھروں کی فروخت کی اجازت نہیں ہوگی۔

جنرل کیانی نے اس منصوبے کو پروان چڑھانے میں اپنے ایجوٹنٹ جنرل اقبال کی بے حد ستائش کی، انہوں نے میجر جنرل عمران ظفر کی خدمات کو بھی سراہا اور جی ایچ کیو میں شہدا سیل کے انچارج بریگیڈیئر گوندل کو خاص طور پر خراج عقیدت پیش کیا جنہوں نے شبانہ روز محنت سے اس ناممکن کام کو ایک مختصر عرصے میں مکمل کر دکھایا۔کیانی کی سروس کے دو دن باقی ہیں، پاک فوج کا ہر سپاہی، افسر اور جرنیل سونے میں تولنے کے لائق ہے، جنرل کیانی کی جگہ کسی نہ کسی نے لینی ہے، ان کے جانشین بھی اپنا تاریخی کردار، حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر ادا کرتے رہیں گے۔

میرے لیئے سب سے مشکل کام کسی کو الوداع کہنا ہے، اور خاص طور پر ایک ایسے جرنیل کو جس نے ملک اور قوم کی حفاظت کے لیئے لازوال کردار ادا کیا ہے، اس جرنیل کے شاہنامے لکھے جائیں گے، اور شہدا کے لہو سے اس شاہنامے کے صفحات منور ہوں گے۔کیانی نے شہدا کو یاد رکھا۔شہدا، دنیا اور آخرت میں کیانی کی بلندی درجات کے لیئے دعا گو رہیں گے۔خدا اپنی راہ میں شہید ہونیوالوں کو محبوب رکھتا ہے۔ہم کہتے ہیں شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے، ہم مانتے ہیں کہ صلہ شہید کیا ہے، تب وتاب جاودانہ۔جنرل کیانی نے ایک سفر تمام کیا، مگر جنرل کیانی میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ دفاعِ وطن کے لیئے اب نظریاتی محاذ پر جنگ جاری ہے۔آئندہ انہیں اس جنگ کی کمان اپنے ہاتھ میں لینی چاہیئے۔تب وتاب جاودانہ کی اگلی منزل یہی ہے۔ (27 نومبر 2013ء)

ویزا فری ہندوستان

چودہ اگست سن سینتالیس سے پہلے ہندوستان ویزا فری ملک تھا، آج چھیاسٹھ سال بعد نواز شریف نے ارادہ کیا ہے کہ وہ ایک بار پھر ہندوستان کو ویزا فری ملک بنا دیں گے۔

کچھ لوگوں نے اس بیان پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ تو سرحدیں ختم کرنے والی بات ہوئی۔ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ یورپ میں کئی ممالک کے مابین کوئی ویزا نہیں، ان کے لوگ بغیر کسی ویزے کے آر پار جا سکتے ہیں، وہاں سرحدیں معدوم ہو گئی ہیں، صرف ان کے نشانات کی برجیاں باقی ہیں۔کوئی عالمی سیاح ان ملکوں میں سے کسی ایک ملک کا ویزا لے لے تو اسے بھی ان تمام یورپی ممالک میں گھومنے پھرنے کی آزادی میسر ہے۔

ہمارے وزیر اعظم کوشش کرتے رہیں تو شاید ایک دن آئے کہ ہم دنیا کے ہر ملک میں ویزا فری سفر کر سکیں، ایک زمانہ تھا کہ پاکستانیوں کو کئی ممالک کا ویزا لینے کی ضرورت نہیں تھی، کسی بھی ملک میں داخلے کے وقت ہی ویزا اسٹیمپ کر دیا جاتا تھا۔مگر آج کسی بھی ملک کا ویزا لینا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل ہو گیا ہے۔اب تو سعودیہ نے بھی ویزے کے اجرا کے لیئے امریکہ اور یورپی ممالک کی طرح کا پیچیدہ طریق کار اختیار کر لیا ہے۔

لیکن پاکستان ایک بڑے دل گردے کا مالک ہے، اس نے تیس لاکھ افغانیوں کو اپنے ہاں تیس برس سے پناہ دے رکھی ہے، عام قبائلی باشندے بغیر ویزے کے افغانستان اور پاکستان میں آتے جاتے ہیں، ہزاروں ازبک، چیچن، مصری، سعودی، یمنی، شامی، لبنانی، برمی، ایرانی، سری لنکن باشندے بھی کسی ویزے کے بغیر

پاکستان آتے جاتے ہیں، یہاں برسوں سے قیام پذیر ہیں، کاروبار کرتے ہیں، شادیاں رچاتے ہیں، ان میں سے کسی پر بارود لے کر پھرنے کے شبہے میں رینجرز یا ایف سی والے اخروٹ آباد یا کراچی میں گولی چلا دیں تو اس پر ہمارا میڈیا رینجرز یا ایف سی والوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتا ہے، کوئی کسر رہ جائے تو ہماری عدلیہ انصاف مہیا کر دیتی ہے۔ پاکستان اس قدر ویزا فری ملک ہے کہ اسامہ بن لادن بغیر کسی روک ٹوک کے افغانستان سے پاکستان آیا، ایبٹ آباد میں ایک بہت بڑے گھر میں مقیم رہا، وہ امریکہ کو مطلوب تھا، مگر ہمیں اس کے قیام پر کوئی اعتراض نہ ہوا، اسے پکڑنے کے لیئے امریکی فوج ایبٹ آباد میں بغیر ویزوں کے اتری اور آپریشن کر کے شاداں وفرحاں واپس چلی گئی، سلالہ میں بھی امریکی فوج نے ویزے لینے کا تردد نہ کیا اور ہماری افواج کو نشانہ بنا کر واپس چلی گئی، امریکی ڈرون طیارے ہماری سرحد میں داخل ہونے کے لیئے کسی سے کوئی اجازت نہیں مانگتے، قبائلی علاقوں پر وار کریں یا پاکستان کے بند وبستی علاقوں پر، انہیں کھلی آزادی میسر ہے۔ ذرا تصور کیجئے کہ بھارت سے ویزا فری سسٹم رائج ہو جائے گا تو ان کی چند ڈویژن فوج پاکستان میں آن دھمکے یا ان کے ایٹمی اسلحے سے لیس طیارے ہمارے کسی شہر میں سرجیکل اسٹرائیک کر دیں تو کیا فرق پڑتا ہے، امریکی فوج کی طرح بھارتی فوج بھی ویزا فری سسٹم سے فائدہ اٹھالے تو پاکستان کے عام آدمی اور ان کے منتخب کردہ نمائندوں اور پارلیمنٹ کو اس پر جز بز ہونے کی کیا ضرورت۔ پریشانی تو تب ہے جب ہم ان کے راستے میں رکاوٹ بنیں، یا ان کی مزاحمت کرنے کی کوشش کریں۔ ہم نے امریکہ کی فوج کا راستہ نہیں روکا تو بھارت کی فوج کا رستہ کیوں روکیں گے۔

نواز شریف نے پاکستان اور بھارت کو ویزا کی پابندیوں سے آزاد بنانے کا عزم کیا ہے تو دعا کریں کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں، ان کے ان نیک اردوں کی تکمیل کے لیئے اکیلے امن کی آشا والے کامیاب نہیں ہو پائے تھے تو اب عطاالحق قاسمی نے ادبی میزائل لانچ کر دیا، ادب کی تو ویسے بھی کوئی سرحد نہیں ہوتی۔ کچھ اور لوگ بھی اس کار خیر میں حصہ ڈالنا چاہیں تو بھارتی را بھی ان کی دامے درمے سخنے مدد کے لیئے تیار ہو گی، کیری لوگر بل کا وافر حصہ بھی ان کے بنک بیلنس میں رونق افروز ہو گا اور حکومت پاکستان بھی بجلی کے بلوں سے ہونے والی فالتو آمدنی میں سے حقیر حصہ ڈال کر ثواب دارین کمائے گی۔

مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے، نواز شریف ایک ایسے ملک کے ساتھ دوستی کی پینگ بڑھانا چاہتے ہیں جس نے دوستی کی الف ب پ تک نہیں پڑھی۔ اس سبق پر کروڑوں

ڈالر خرچ اٹھتا ہے اور امریکہ کی غلطی یہ ہے کہ اس نے یہ کروڑوں ڈالر صرف پاکستانیوں کو الف بے پے پڑھانے پہ صرف کیئے، بھارت کو ٹکا تک نہیں دیا۔ تالی بجانے کے لیئے دو ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے، ایک ہاتھ سے یہ نہیں بج سکتی۔ امریکہ ٹریک ون، ٹریک ٹو ڈپلومیسی پر پیسہ تو خرچ کر رہا ہے مگر اس نے بھارت کی این جی اوز اور میڈیا کو اس طرح نہیں نوازا جیسے اس نے پاکستان کی این جی اوز اور میڈیا پر ڈالروں کی بارش کی ہے۔ ہمارے اینکروں کے بنک اکاؤنٹس میں کروڑوں کے اضافے کی خبریں آ رہی ہیں، کیا بھارتی اینکروں کو بھی سونے سے تولنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر نہیں تو پھر میاں نواز شریف نے بے وقت کی راگنی کیوں چھیڑ دی ہے۔

میاں نواز شریف کو یہ بھی خیال نہیں آیا کہ انہیں ایک ایسے موذی سے پالا پڑا ہے جو منہ سے تو رام رام کی مالا جپتا ہے مگر موقع ملنے پر بغل سے چھری نکال کر ہماری پیٹھ میں گھونپ دیتا ہے۔ اس نے امن اور دوستی کے رشتوں کے سامنے پورے بارڈر پر خاردار باڑ کھڑی کر دی ہے، اور یہ صرف پاکستان کے بارڈر پر نہیں، چین، بنگلہ دیش اور برما کے بارڈر پر بھی نصب ہے۔ کالم میں تصویریں شائع نہیں ہو سکتیں ورنہ میں آپ کو بھارت کے سارے بارڈروں پر نصب خاردار تار کے مناظر دکھاتا۔ بھارت کو صرف پاکستان ہی سے چڑ نہیں، اپنے تمام ہمسایوں سے ہے، وہ کسی ایک پر بھی اعتماد کرنے کے لیئے تیار نہیں۔ ہاں اسے صرف سکم اور بھوٹان پر اعتماد ہے کیونکہ وہ اپنے وجود کو بھارت کے جغرافیے میں ضم کر چکے ہیں۔ پاکستان، بنگلہ دیش، برما ا ور چین بھی اپنے آپ کو بھارت کی ذیلی، سیٹلائٹ ریاستیں بنا سکیں تو شاید بھارت اپنی نفرت اور دشمنی کی علامت یہ دیواریں خطے سے گرانے پر تیار ہو جائے۔ اور یوں وہ مہا بھارت کے خواب کی تعبیر بھی پا سکتا ہے۔ مہا بھارت کے مقابلے میں اکھنڈ بھارت کا خواب تو بہت معمولی ہے۔ میاں نواز شریف دل چھوٹا نہ کریں، اور بھارت بھی اسی طرح صبر کا مظاہرہ کرے جیسے چین نے ہانگ کانگ کے لیئے پچاس برس تک انتظار کیا اور وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آن گرا، اب چین اگلے پچاس برس تک تائیوان کے لیئے انتظار کرے گا۔ بھارت بھی ایسا ہی انتظار کر سکے تو اسے میاں نواز شریف کے عزائم کی ناکامی پر افسردہ نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ میاں صاحب کے بعد محترمہ مریم نواز شریف اور برخوردار حمزہ شہباز شریف میدان میں اتریں گے، عطاالحق قاسمی کے بعد یاسر پیرزادہ کو اللہ لمبی زندگی عطا کرے، کوئی تو ویژ افری انڈیا کے خواب کی تکمیل کر پائے گا۔ دنیا بہ امید قائم است۔ (25 نومبر 2013ء)

نظریہ پاکستان پر اوچھا وار

پہلے فضل الرحمٰن نے کہا کہ امریکی حملے میں کتا بھی مرجائے تو شہید ہوگا، پھر منور حسن نے کہا کہ امریکہ کے لیئے لڑتے ہوئے پاکستانی فوج کی جان چلی جائے تو وہ اسے شہید نہیں مانتے۔ جو جان سے چلا گیا وہ چلا گیا، اس کا حساب اللہ کے سپرد، اجر دینے یا نہ دینے والا وہی ہے۔ تو ان باتوں سے فرق کیا پڑا، جان دینے والے کو آخرت کا اجر ہم نہیں دے سکتے تو پھر یہ بحثا بحثی کیوں، اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ اس نظریئے کو بھی مار دو جس پر جان دی جاتی ہے۔ یہ نظریہ مر گیا تو پاکستان کے قیام کی بنیاد ڈھے گئی، نعوذ باللہ۔

اندرا گاندھی نے سقوط ڈھاکہ کے بعد کہا تھا کہ انہوں نے نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا۔ اِندرا گاندھی نے یہ کیوں نہیں کہا کہ بھارتی فوج نے مشرقی پاکستان کو فتح کرلیا، یا پاک فوج کو شکست سے دوچار کردیا۔ اور سونیا گاندھی کے الفاظ پر غور کیجئے، وہ بھارت میں ایک غیر ملکی ہے مگر بھارتی بنیئے کے رنگ میں رنگی جا چکی ہے، اس نے کہا کہ اب ہمیں بقیہ پاکستان پر جارحانہ یلغار کی ضرورت نہیں، ہم اسے ثقافتی محاذ پر شکست دے چکے۔ یہ ثقافتی محاذ دوقومی نظریئے کا محاذ ہے۔ اور ہماری شکست کھا جانے کے آثار یہ ہیں کہ ہمارا نو منتخب وزیر اعظم اپنے حلف کی تقریب میں بھارتی وزیر اعظم کی شمولیت کا متمنی ہے۔ اور ہمارے سب سے بڑے صوبے کا وزیر اعلیٰ چند روز بعد الحمرا میں امن کی آشا کے اجلاس کا مہمان خصوصی بننے جا رہا ہے، جبکہ اس کا اپنا صوبہ دسویں محرم سے لہولہان اور فوجی کرفیو کی زد میں ہے۔ بھارت سے امن کی آشا کی تڑپ اور اپنے صوبے کے بڑے شہروں میں بدامنی پھنکار رہی ہے۔

وزیرداخلہ نے حکیم اللہ محسود پر ڈرون حملے کو امن مذاکرات پر حملہ قرار دیا تھا۔وزیرداخلہ نے فضل الرحمٰن، منور حسن اور عمران خان کی باتوں سے تقویت محسوس کی مگر ہوا کیا کہ اپنی ناک کے نیچے گھر کے آنگن میں امن کا لاشہ تڑپنے لگا۔ یہ ہے ہمارے حکمرانوں کی دور بینی اور دور اندیشی کی صلاحیت۔ جہاں امن مذاکرات کی ضرورت تھی، وہاں کسی کی عقل نے کام ہی نہ کیا۔

ڈرون حملے نے حکیم اللہ کو نشانہ بنایا؟ یا امن مذاکرات کو نشانہ بنایا؟ وزیرداخلہ کا خیال اپنا ہے مگر ایک عام پاکستانی شہری اچھی طرح سمجھتا ہے کہ ڈرون حملے سے اٹھنے والی بحث، نظریہ پاکستان کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔لیکن کیا ہاتھوں کی انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد اس نظریئے کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں جس کی بنیادوں میں شہیدوں کا لہو رچا بسا ہے۔امر شہیدوں کے لہو کی لکیر افق تا افق روشن و تابندہ ہے۔اور یہ لہو کسی نظریئے کو تا ابد زندگی بخشنے کا ضامن ہے۔نظریہ پاکستان کی بنیاد پر جانوں کی قربانی دینے کی روشن اور قابل تقلید روایت کا آغاز 14 اگست 1947 کو ہوا، جانوں کی قربانی کے ساتھ عزتوں، عصمتوں کی قربانی بھی پیش کی گئی، ہزراوں مائیں بہنیں مشرقی پنجاب میں دشمنوں نے گھروں میں ڈال لیں۔اور جن کا بس چلا، وہ کنووں میں کود گئیں۔کبھی اندھے کنووں سے سسکیوں کی آوازیں بھنور پیدا کرتی دکھائی دیں تو اپنی ماؤں بہنوں کے چہرے پہچاننے کی کوشش کرو۔

کیا کبھی آپ نے یہ ہلاکو خانی منظر دیکھا کہ دودھ پیتے بچوں کو ماؤں کی چھاتی سے جھپٹ کر اور سنگینوں میں پرو کر ہوا میں اچھال دیا گیا ہو۔شاید آپ یہ سب بھول گئے ہوں مگر نظریہ پاکستان کی آنکھ یہ دلدوز اور دلخراش منظر بھولنے نہیں پائی۔ منور حسن اور فضل الرحمٰن یہ سب آسانی سے بھول سکتے ہیں، اس لیئے کہ ان کے اجداد، پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہوں گے یا وہ قائداعظم کو کافراعظم اور پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہوں گے۔

نظریہ پاکستان پر وار کرنے کے لیئے پاکستان کے محافظوں پر وار کیا گیا ہے مگر جب اس کا پتا چلا کہ سوسائٹی میں وہ یکہ وتنہا رہ گئے ہیں اور ان کی حیثیت اچھوت کی سی ہے، تو یہ جنگ عالمی سطح پر پھیلادی گئی اور سوشل میڈیا پر اس جنگ کو تیز کر دیا۔لوگوں کو جتلایا جا رہا ہے کہ اگر البدر اور الشمس کے فدائین نہ ہوتے تو نوے ہزار پاکستانی سپاہ سے کوئی ایک زندہ بچ کر پاکستان واپس نہیں آ سکتا تھا۔باقی جو مواد فیس بک پر ڈالا جا رہا ہے، میری اخلاقیات اس کو یہاں دہرانے کی اجازت نہیں دیتی۔

کیا سوشل میڈیا پر اس جنگ وجدل کے بے نام کمانڈروں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر سینتالیس میں بلوچ رجمنٹ نہ ہوتی تو کیا پٹھانکوٹ کا کوئی ایک فرد پاکستان میں اچھرہ کی تنگ گلی تک پہنچ سکتا تھا۔اور یہ بھی پوچھا جانا چاہیئے کہ کیا بھارت میں رہ کر اپنی جماعت کا کئی ایکڑوں پر محیط پر شکوہ ہیڈکوارٹر تعمیر کیا جاسکتا تھا۔

فیس بک پر نفرت انگیز تحریریں اور لاشوں کی تصویریں نہیں دکھائی جاسکتیں لیکن جب لوگ ایسی تحریروں اور تصویروں کے خلاف فیس بک سے شکایت کرتے ہیں تو وہی جواب ملتا ہے جو ناپاک اور گستاخ فلم کو ہٹانے کے مطالبے پر دیا گیا۔فیس بک کو نظریہ پاکستان سے کیا محبت ہوسکتی ہے۔ یہ تو وہ نظریہ ہے جو مدینے کی دوقومی ریاست کی بنیاد بنا تھا۔ مکہ کے ایک ہی خاندان اور قبیلے کے لوگ ایک قوم نہیں تھے، اسلام کے بعد دوقومی نظریئے کی بنیاد استوار ہوگئی تھی اور قائداعظم نے بجاطور پر کہا تھا کہ برصغیر میں اسی روز پاکستان بن گیا تھا جب اس سرزمین پر پہلے مسلمان نے قدم رکھے تھے۔اسی دوقومی نظریئے پر پاکستان کی تخلیق ہوئی اور بھارت نے روزاول سے اس سازش کا آغاز کردیا تھا کہ وہ مغربی اور مشرقی پاکستان کو جوڑنے والی قوت دو قومی نظریئے کو باطل ثابت کرے، ایک ملک کے دوحصوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ پوری دنیا کے لیئے باعث تعجب تھا، سنگاپور اور ملائیشیا کی وحدت قائم نہ رہ سکی، اس لیئے کہ یہ ایک جغرافیائی اتحاد تھا، نظریاتی نہیں، یہ ایک دوسرے سے متصل بھی تھے۔سوویت روس بھی پارہ پارہ ہوا، اسے توڑنے کے لیئے سی آئی اے نے اس کی وحدت کی بنیاد، کمیونزم پر وار کیا، عالم اسلام کو اس میں ہراول دستے کا کردار سونپا، سوویت فوجوں کو شکست دینے کے لیئے بھی مسلم مجاہدین کو افغانستان میں جھونکا گیا۔ بھارت نے یہی کھیل مشرقی پاکستان میں کھیلا۔ پاکستان کی وحدت کا باعث اسلام تھا جسے دوسرے لفظوں میں نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے۔مشرقی اور مغربی پاکستان میں تعصّبات ابھارنے میں بھارت نے کوئی کسر نہ چھوڑی، اسلام آباد اور کراچی کی روشنیوں کو مشرقی پاکستان کی پٹ سن کی دولت کی لوٹ مار قرار دیا۔ بھائی اور بھائی کے دلوں میں دراڑ ڈال دی تو پھر باغیوں کو کلکتہ لے جاکر دہشت گردی کی تربیت دی۔ یہ نام کے تو مسلمان تھے، لیکن اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خون کے پیاسے بنادیئے گئے۔ کسی کو پتا نہ چلتا تھا کہ غازی کون ہے اور شہید کون۔منور حسن اور فضل الرحمٰن نے اسی کھیل کو آگے بڑھایا ہے، یہ نظریہ پاکستان پر کاری وار ہے، آیئے اسے ناکام بنائیں اور ان کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کردیں۔(16 نومبر 2013ء)

فوج کا ردعمل

میں نے اس قرآنی تعلیم کے پیش نظر خاموش رہنے کو ترجیح دی کہ جب جاہل کسی سے مخاطب ہوں تو انہیں کہو کہ بھائی صاحب سلام، لیکن لگتا ہے کہ منور حسن کے بیان سے فوج میں شدید ردعمل پیدا ہوا ہے۔اور وہ بولنے پر مجبور ہوگئی ہے۔

لیاقت بلوچ نے فوج پر ایک اور وار کیا ہے، اسے سیاست اور جمہوریت میں مداخلت کا مرتکب قرار دے دیا ہے۔اس الزام پر کون اعتبار کرے گا کیونکہ یہ ایک ایسی فوج کے بارے میں ہے جس نے پچھلے کئی برسوں میں سیاست کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

فوج نے پریس ریلیز کیوں جاری کی، اس کا پس منظر سمجھنے کی ضرورت ہے۔منور حسن کا بیان ایک لحاظ سے فوج کے اندر بغاوت کو ہوا دینے کے مترادف تھا۔یہ بات سبھی سیاسی رہنما کہہ رہے ہیں۔

منور حسن عام آدمی نہیں، وہ جماعت اسلامی کے امیر ہیں۔جب وہ کہتے ہیں کہ امریکہ کی جنگ کا ساتھ دینے والے پاک فوج کے شہیدوں کو وہ شہید نہیں مانتے اور جب امیر العظیم کہتے ہیں کہ ڈرون سے مرنے ولا ہر شخص شہید ہے تو اس سے جہاں عام معاشرے میں ابہام اور انتشار پھیلا ہے، وہاں فوج کے اندر بھی اس نرالی منطق کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں یا یقینی طور پر ہوئے ہوں گے جن سے میں اور آپ لاعلم ہیں۔

منور حسن کے بیان کے بعد کوئی بھی فوجی، اپنے افسر بالا کے حکم کی سرتابی کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی جنگ لڑنے کے لیئے تیار نہیں جو اول، امریکہ کی خاطر ہے اور دوم، اس میں شہادت کا مرتبہ نہیں

ملے گا۔فوج صرف اور صرف آرڈر اور ڈسپلن پر چلتی ہے۔تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران لاہور کی فوج نے احتجاجی مظاہرین پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا،اس وقت آرمی چیف جنرل ضیاالحق تھے،انہوں نے انکار کرنے والی پوری رجمنٹ کو لاہور چھاؤنی کے ایک پارک میں قید کر دیا تھا اور اس کے کمانڈروں کا کورٹ مارشل ہو گیا تھا۔فوج میں حکم کی سرتابی پر کورٹ مارشل ہوتا ہے۔اور ایسا پوری دنیا میں ہوتا ہے۔فوج نے منور حسن کے بیان پر فوری ردعمل نہیں دیا،اس نے انتظار کیا کہ ملک میں جمہوریت ہے،سیاست ہے،اس نظام میں اس کا کوئی والی وارث اور خصم سائیں ہوگا اور وہ منور حسن کے بیان کا نوٹس لے گا،جمہوری عمل اور سیاسی عمل اڑتالیس گھنٹے گونگا بنا رہا،صدر مملکت،وزیراعظم اور وزیر دفاع کی طرف سے منور حسن کے بیان کی نہ مذمت کی گئی،نہ تائید کی گئی،خاموشی کو اگر نیم رضا تصور کیا جائے تو پھر پاک فوج کے شعبہ آئی ایس پی آر کو بولنا پڑا۔فوج نے پریس ریلیز جاری کر کے سیاست اور جمہوریت میں مداخلت نہیں کی،سیاست اور جمہوریت کی حفاظت کے لیئے قدم اٹھایا۔سندھ اسمبلی نے منور حسن کی مذمت کی ہے،پارلیمنٹ میں تحریک التوا آگئی ہے، منور حسن سے فوج ہی نے نہیں،ہر شخص نے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا ہے،منور حسن کے لیئے معافی مانگنا مشکل ہے تو وہ اپنا بیان واپس لے لیں مگر وہ ایسا بھی نہیں کریں گے اور خدشہ ہے کہ اپنی ہٹ دھرمی سے اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔

منور حسن کے بیان پر منطقی انداز میں بھی بات کی جا سکتی ہے۔پہلی افغان جنگ میں ان کی جماعت اور دیگر مجاہدین تنظیموں نے امریکی اسٹنگروں کی مدد سے سوویت فوج کو نشانہ بنایا،تو کیا یہ سمجھا جائے کہ امریکی اسٹنگروں سے مرنے والے روسی فوجی شہید تھے،حاشا وکلا،میں بحث برائے بحث میں بھی یہ تصور ذہن میں نہیں لا سکتا۔منور حسن اور امیر العظیم البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امریکی ڈرون میں مرنے والوں کی طرح امریکی اسٹنگروں سے مرنے والے بھی شہید تھے،کم از کم ان کی منطق سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

دہشت گردی کی جنگ میں کسی کو اس بارے میں ابہام نہیں کہ پاکستان میں پچاس ہزار بے گناہ افراد کو شہید کیا گیا۔یہ ان دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوئے جنہیں فضل الرحمٰن اور منور حسن شہید قرار دینے پر مصر ہیں۔

موجودہ بحث کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی تھی اور وہ وزیر داخلہ نے رکھی،انہوں نے حکیم اللہ کی موت کا ماتم کیا۔کاش!ایسے ماتم کا مظاہرہ وہ جنرل ثنا اللہ نیازی اور ان کے دوساتھیوں کی شہادت پر بھی کرتے،کاش!

وہ اتنی لمبی تقریر پشاور کے چرچ میں بے گناہوں کی موت پر بھی کرتے، کاش! وہ قصہ خوانی بازار میں نشانہ بننے والوں کے ماتم میں کوئی ایک لفظ ہی بولتے، کاش! وہ پشاور بس کی دہشت گردی میں پھول جیسے معصوم بچوں کے پرخچے اڑانے پر بھی ماتم کرتے۔ دہشت گردوں کے ہاتھوں ان شہادتوں نے بھی مذاکرات کے عمل کو قتل کیا، یہ تو خود وزیر داخلہ نے مانا ہے لیکن حکیم اللہ کی موت پر وزیر داخلہ کا جذباتی خطاب اور پھر قومی اسمبلی میں عمران خاں کی شعلہ فشانی نے کج بحثی کو ہوا دی۔ یہ کج بحثی ہے کہ ڈرون سے مرنے والے شہید ہیں، امیر العظیم نے یہی کہا ہے، فضل الرحمٰن نے تو کہا ہے کہ ڈرون سے کتا بھی مرجائے تو وہ شہید ہوگا۔ لوگ ابھی سوات میں ان لاشوں کو نہیں بھولے جن کے جسمانی اعضا سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو ڈرون میں مار دیا جائے تو وہ شہید ہوں گے، ابھی لطیف اللہ محسود کی گرفتاری سے بھی یہ راز کھل گیا ہے کہ را کے ایجنٹ دہشت گردوں کی معاونت کے لیئے فاٹا میں موجود ہیں، اب اگر ان بھارتی ایجنٹوں کو ڈرون کا نشانہ بنایا جائے تو کج بحثی کی رو سے وہ سب شہید اور جنتی۔ واہ! کیا منطق ہے، جنت کے نئے داروغے اپنی منطق پر غور فرمائیں۔ مگر ان داروغوں کی مت ماری گئی ہے۔ سیاست اور جمہوریت کی تعریف کوئی لیاقت بلوچ سے سیکھے۔ ان کی سیاست اور جمہوریت اس وقت عروج پر ہوتی ہے جب ملک میں یحی خان اور جنرل ضیا الحق کی فوجی آمریت مسلط ہو۔ اور جنرل مشرف بھی، ایم ایم اے کی شکل میں ان کے نخرے برداشت کریں۔ ان کی سیاست اس وقت عروج پر ہوتی ہے جب وہ مشرقی پاکستان میں اکیلی الیکشن کے میدان میں اترتی ہے اور وہ سو فی صد سیٹیں جیت لیتی ہے۔ جماعت اس وقت سیاست اور جمہوریت کا سبق بھول جاتی ہے جب اسے فوج سے کسی جہاد کا ٹھیکہ مل جائے۔ پتا نہیں جس فوج کو وہ مطعون کر رہی ہے، اس کے ساتھ کشمیر کے جہاد میں جماعت کے جن راہنماؤں کے نوجوان شہید ہوئے، ان کی روحوں کو کیوں اذیت دی جا رہی ہے۔ وہ سب شہید تھے، خدا ان کی روحوں پر رحمت نازل فرمائے۔ لیاقت بلوچ کو سیاست کا ایک سبق نوجوان بلاول بھٹو زرداری نے سکھانے کی کوشش کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ جماعت کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو بنگلہ دیش میں ہو رہا ہے۔ لگتا ہے جماعت کی تخلیق میں کوئی بنیادی خرابی ہے، مصر میں اخوان المسلمین بھی جماعت اسلامی کی ایک شکل ہے، پہلے اس کے راہنماؤں کو پھانسی لگی، اب ان کا ایک منتخب وزیر اعظم جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے۔ یہ ہے جماعت کی سیاست کا حاصل۔

(12 نومبر 2013ء)

امریکی ڈرون کا فیض

امریکہ نے حکیم اللہ محسود پر ڈرون حملہ کیا،کون مرا،کون شہید ہوا،اس کا فیصلہ تو میڈیا کی بحث میں ہوتا رہے گا مگر امریکی ڈرون نے ہمیں مولوی فضل اللہ کا تحفہ عطا کیا ہے، حکیم اللہ محسود پاکستان کے قبائلی علاقے میں بیٹھ کر ہم سے برسرپیکار تھا، مولوی فضل اللہ کو امریکیوں اور نیٹو افواج نے افغانستان میں پناہ دے رکھی تھی۔

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے، 1971 میں بھارت، روس اور امریکہ کی اجتماعی پشت پناہی میں مکتی باہنی کے دہشت گردوں کے کیمپ، سرحد پار کلکتہ کے نواح میں تھے جہاں سے انہوں نے بھارتی فوج کے جرنیل اروڑہ کی شہ پر ہلہ بولا اور پاکستان کو دولخت کر دیا۔اس وقت پاکستان کے خلاف دہشت گردی کی قیادت مکتی باہنی کے کمانڈر انچیف کرنل عثمانی، کرنل عبدالرب اور کیپٹن خوندکر کے ہاتھ میں تھی، اب پاکستان کے خلاف جہاد کے چہرے اور نام بدل گئے ہیں مگر مشن وہی ہے۔افغانستان میں مورچہ بند بھارتی انٹیلی جنس را، اسرائیلی موساد، امریکی سی آئی اے اور برطانوی ایم آئی فائیو، نئے دور کے شہیدی جتھے کی کمانڈو ٹریننگ میں مصروف ہیں۔اور فضا سے امریکی ڈرون طیارے جلتی آگ پر میزائل نہیں، پٹرول چھڑک رہے ہیں۔

ہماری حکومت کا فوکس بھی امریکی ڈرون حملے ہیں، ن لیگ، تحریک انصاف، جماعت اسلامی، جے یو آئی (ف) اور جے یو آئی (س) کی مجموعی قوت ڈرون حملوں کو رکوانے پر صرف ہو رہی ہے۔فوج نے تو ایک مشق میں ڈرون مار کر بھی دکھا دیا ہے، پھر بھی ہم سمجھ نہیں پائے کہ ڈرون کیا چیز ہے، یہ پاکستان پر کیسے حملہ آور

ہوتا ہے، کب تک حملے کرتا رہے گا اور اس کا نتیجہ ہمیں کس شکل میں بھگتنا پڑے گا۔

امریکی صدر براک اوبامہ نے ڈرون کی نئی پالیسی دیتے ہوئے کہا تھا کہ ان کا استعمال اسی صورت کیا جائے گا جب ناگزیر ہو، ہدف کو نشانہ بنانے کا کوئی اور طریقہ نہ ہو اور جب یہ یقین ہو کہ اس سے غیر متعلقہ لوگوں کا نقصان نہیں ہوگا۔ حکومت پاکستان نے پارلیمنٹ کو جو اعداد و شمار فراہم کیئے ہیں، وہ امریکی موقف کی حمایت کے لیئے کافی ہیں، برسہا برس کے ڈرون حملوں میں دو ہزار کے قریب دہشت گرد مارے گئے اور صرف ستاسٹھ بے گناہ سویلین نشانہ بنے۔ اس ثبوت کے بعد جب امریکہ نے حکیم اللہ محسود پر ڈرون حملہ کیا تو اسے ہمارے وزیر داخلہ نے متنازعہ بنا دیا۔ عمران خان، منور حسن، فضل الرحمٰن بھی میدان میں اترے اور پاکستان کے ایک مسلمہ دشمن کو راتوں رات ہیرو بنا دیا گیا۔

حکیم اللہ محسود کو شہادت کے مرتبے پر سرفراز فرما کر، اسے امریکہ دشمن ثابت کر کے اور امن کا حامی قرار دے کر ہم نے تحریک طالبان کے بارے میں عوام کی رائے بدل ڈالی۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور بے گناہ پاکستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں، انہیں امریکہ، نیٹو اور افغان افواج نظر نہیں آتیں، ان کے خودکش دہشت گردوں کو صرف پاکستانی بے گناہوں کے پرخچے اڑانے سے غرض ہے۔ وہ کامرہ میں ایک ایسا طیارہ تباہ کر دیتے ہیں جو پاک بھارت جنگ میں پاکستان کے فضائی دفاع کی کمان سنبھال سکتا تھا اور کراچی میں نیول بیس پر ایسا طیارہ تباہ کرتے ہیں جو بحیرہ عرب میں بھارتی بیڑے کے مقابلے میں پاکستان کے ساحلوں کو محفوظ بنانے کے لیئے ضروری تھا۔ ان کے حملے کا نشانہ راولپنڈی میں جی ایچ کیو بنتا ہے جو خطے میں بھارتی اور اسرائیلی تسلط کی راہ میں ایک یقینی رکاوٹ ہے۔ مگر چودھری نثار اور عمران خان کی ماتمی تقریروں نے سارا منظر نامہ تبدیل کر کے رکھ دیا۔

اب مولوی فضل اللہ افغانستان میں بیٹھ کر پاکستان پر حملوں کی کمان کریں گے تو ہم کس منہ سے ان کی مذمت کر سکیں گے، کم از کم نثار، عمران، منور حسن اور فضل الرحمٰن کے ہونٹوں سے حرف احتجاج سننے میں نہیں آسکے گا۔ یہ نتیجہ ہے وزیر اعظم کے دورہ امریکہ میں ڈرون کے بھوت کو خواہ مخواہ اور بلا وجہ سر پر سوار کرنے کا۔ اس لیئے کہ ڈرون کا نشانہ خود ہمارے اعداد و شمار کے مطابق دہشت گرد تھے، پھر وہ ہماری خارجہ پالیسی میں ترجیح اول کیسے بن گئے اور جب بن گئے تو پھر وہی ہونا تھا جو ہو رہا ہے اور اب ہم نے مولوی فضل اللہ کو بھگتنا ہے، پہلے اس کے پاس صرف ایک ریڈیو کی طاقت تھی، اب پاکستان تحریک طالبان کی پوری طاقت

انہیں میسر ہے۔ جسے ہماری اے پی سی کے سقراطوں اور بقراطوں نے برابر کا اسٹیک ہولڈر قرار دے دیا تھا۔

ایک ڈرون نے قیامت کھڑی کر دی ہے مگر اس کے پیچھے ایک طویل تاریخ ہے اس سیاست کی جو ڈرون حملوں پر کی جاتی رہی ہے۔ اب یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ حکومت پاکستان نے پہلے تو ڈرون حملوں کے لیئے اڈے بھی فراہم کیئے، پھر یہ بھی راز کھلا گیا کہ حکمرانوں نے امریکیوں سے کہا کہ تم ڈرون مارتے رہو، ہم اپنے عوام کے سامنے احتجاجی بیان دیتے رہیں گے، یعنی پاکستانی عوام کو ان کے حکمرانوں نے بے وقوف بنائے رکھا۔ کیا موجودہ حکومت نے یہ دوہری پالیسی ترک کر دی ہے، اس کا یقین تب آئے گا جب وزیر اعظم پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں یہ وضاحت کریں کہ اب امریکیوں کو ڈرون حملوں کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اور اگر ڈرون رکوانے کے لیئے نیٹو سپلائی کو روکنا ضروری ہے تو پہلے جناب وزیر اعظم نیٹو کے ایک ملک سے اپنے بڑے صاحبزادے کو واپس ملک میں بلائیں، اسی ملک سے عمران خان بھی اپنے بچوں کو واپس پاکستان لائیں یا ان سے لاتعلقی کا اعلان کریں، اور وزیر داخلہ بھی ان افواہوں کی وضاحت کریں کہ ان کے بیوی بچوں کے پاس کس ملک کی شہریت ہے اور اگر ہے تو وہ پہلے اس شہریت کو سرنڈر کریں اور پھر وہ ڈرون حملوں اور نیٹو سپلائی پر سیاست کرتے اچھے لگیں گے۔ یہ کھوج لگانا بھی ضروری ہے کہ ڈرون حملوں کے ٹارگٹ کی نشاندہی کون کرتا ہے، کیا امریکی سی آئی اے یہ کارنامہ انجام دیتی ہے، شکیل آفریدی کی طرح کے کنٹریکٹرز کے ذریعے، یا براہ راست ان کے اپنے جاسوس ہماری سرزمین پر گھومنے پھرنے میں آزاد ہیں، کیا وزیر داخلہ پہلی فرصت میں ان جاسوسوں کے ویزے منسوخ کریں گے جنہیں مبینہ طور پر سابق سفیر واشنگٹن حسین حقانی نے پاکستان میں داخلے کی سہولت فراہم کی تھی۔

سب سے بڑا سوال، کیا پاکستان آج بھی وار آن ٹیرر میں امریکہ کا حلیف ہے۔ اگر نہیں تو پھر وہ ایسی رقم کیوں وصول کر رہا ہے جو اسی خدمت کے عوض ادا کی جاتی ہے۔ اور گلا پھاڑ کر امریکہ دشمنی کے نعرے لگانے والے۔ امریکی عوام کے تعاون سے۔ یو ایس ایڈ۔ کے ڈالر کیوں ہڑپ کرنے میں مشغول ہیں۔

نیٹو ممالک کا سردار برطانیہ ہے، اس کے سابق وزیر اعظم گورڈن براؤن کے اربوں پاؤنڈز کے فنڈ سے فیض یاب ہونے کے لیئے ہم کیوں قطار بنائے کھڑے ہیں۔

ڈرون کے فیض سے ہر کوئی فیضیاب ہونے کے لیئے بے تاب ہے، صرف مولوی فضل اللہ کو برا کیوں کہا جائے۔ (9 نومبر 2013ء)

شہید بازار

سوشل میڈیا بڑا ستم ظریف ہے، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ حکیم اللہ محسود نے عالم بالا سے فضل الرحمٰن سے احتجاج کیا ہے کہ انہوں نے کتے کو شہید کہہ کر انہیں گالی دی ہے۔

ادھر بھگت سنگھ کے حامیوں نے مٹھائی بانٹنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ اب ان کے ممدوح کو بھی شہید تسلیم کرلیا جائے گا اور شادمان چوک کا نام بدلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

شہید کی تعریف پر اختلاف نیا نہیں، مشرف دور میں فوج کی تحقیر کے لیئے راشد منہاس نشان حیدر کی شہادت کی برسی پر قومی اخبارات میں جید کالم نویسوں نے ایکا کر کے یہ سوال کھڑا کیا تھا کہ راشد منہاس نہیں، اصل ہیرو تو وہ بنگلہ دیشی پائلٹ مطیع الرحمٰن تھا جو پاک فضائیہ کا جہاز اغوا کر کے لے جا رہا تھا، بنگلہ دیش نے اسے بعد از مرگ شجاعت کا سب سے بڑا اعزاز دیا تھا۔

بنگلہ دیش نے تو غداری کی تعریف بھی بدل دی ہے، 1971 میں پاکستان کی بقا کی جنگ لڑنے والوں کو پھانسی کی سزائیں سنائی جا رہی ہیں۔ اب پاکستان کی جماعت اسلامی نے حکیم اللہ محسود کو شہید کہہ دیا تو دوسرے معنوں میں انہوں نے مکتی باہنی کے دہشت گردوں کو ہیرو کے درجے پر فائز کر دیا ہے۔ یہی جماعت اسلامی تھی جس نے کشمیر کے جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ مولانا مودودی کی دلیل دل کو لگتی تھی کہ جہاد کا اعلان صرف ریاست کر سکتی ہے، اس دلیل کی روشنی میں منور حسن نے طالبان کو مجاہدین کیسے تسلیم کر لیا۔ جماعت اسلامی نے ایک زمانے میں قائد اعظم کو بھی خدانخواستہ کافر اعظم کہہ ڈالا تھا۔ اس کی پردہ پوشی کے لیئے جماعت کا کہنا ہے کہ جب ہم نے قائد اور ان کے بنائے ہوئے پاکستان کو تسلیم کر لیا تو ماضی کی ان باتوں کا

طعنہ کیوں۔لیکن جماعت کی فطرت بدلتی نہیں، وہ اپنی مذمت کروانے کا راستہ خود نکال لیتی ہے۔

بنگلہ دیش نے اس سال اپنے یوم آزادی پر ہمارے بعض زندہ اور مردہ دانشوروں کو تمغے عطا کیئے ہیں۔

فضل الرحمٰن کا ماضی بھی کچھ الجھا ہوا ہے۔علامہ اقبال نے تو کھلے عام ان کا پردہ فاش کر دیا کہ زدیو بند حسین احمد، ایں چہ بوالعجبیست ۔ چند سال قبل فضل الرحمٰن لاہور آئے ، انہوں نے کالم نویسوں کو یاد کیا، میں اور نذیر ناجی ان کی خدمت میں حاضر تھے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ بھارت میں کلیات اقبال سے یہ رباعی خارج کر دی گئی ہے، میں نے اپنے کالم میں یہ بات لکھ دی تو امریکہ کی شکاگو یونیورسٹی سے شعبہ اردو کے سربراہ نے ای میل کے ذریعے اس دعوے کو چیلنج کیا، ان کا کہنا تھا کہ انکے پاس بھارت سے شائع ہونیوالا کلیات اقبال کا تازہ ترین مجموعہ اس رباعی کے ساتھ موجود ہے۔ وہ دن اور آج کا دن ۔فضل الرحمٰن مجھے پکڑائی نہیں دے رہے کہ بھائی، مجھے وہ کلیات دکھاؤ جس کا آپ نے دعویٰ کیا تھا۔

طالبان وہ نوجوان ہیں جو خیبر پختون خواہ کے مدرسوں میں پڑھے۔ مدرسہ اکوڑہ خٹک میں، میں نے وہ کمرہ دیکھا ہے جس میں فضل الرحمٰن دوران تعلیم مقیم رہے، گویا وہ بھی طالبان تھے۔اور ظاہر ہو گیا کہ ہیں بھی۔وہ طالبان کی بولی نہیں بولیں گے تو کس کی بولیں گے،انہیں کشمیر کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا مگر میں نے ان کے منہ سے بھارت کی مذمت اور کشمیری شہدا کے لیئے کلمہ خیر نہیں سنا،انہوں نے کہیں کچھ کہا بھی ہو تو مجھ تک نہیں پہنچا۔مگر کتے کو شہید کہنے والی بات انہوں نے ڈنکے کی چوٹ کی ہے۔

نیو یارک ایئر پورٹ پر ایک سرکاری وفد کا سامان کتے کے ذریعے چیک کروایا گیا، یہ پچانوے کی بات ہے۔میرے ہینڈ بیگ کے سوا کتے نے سبھی کا سامان کلیئر کر دیا۔ میں نے سب کے سامنے سامان کھول کر دکھایا، فائلوں کے ڈھیر پر شیونگ فوم کی ایک بوتل تھی جسے کتے نے بم سمجھ لیا، میں نے برجستگی سے کہا کہ کتا، امریکی فوج میں بھی بھرتی ہو جائے تو کتا ہی رہتا ہے۔اس پر سب سے کھنک دار قہقہہ موقع پر موجود محترمہ بے نظیر بھٹو کا تھا جو ان دنوں وزیر اعظم تھیں۔

فضل الرحمٰن کے نئے فتوے پر پتا نہیں، کتوں کا ردعمل کیا ہو گا، وہی جانتے ہیں جو ان کی زبان جانتے ہیں فضل الرحمٰن اس زبان کے ماہر لگتے ہیں۔اس لیئے ان کی بات پر آمنا وصدقنا کہنا پڑے گا۔

اس موقع پر اصحاب کہف کا کتا ہر ایک کو یاد آیا ہے لیکن اس کتے کو بھی ذہن میں رکھیئے جس کا ذکر خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ دریا کے کنارے بھوک اور پیاس سے مر جانے والے کتے کی باز پرس بھی

روز قیامت ان سے ہوگی۔

فضل الرحمٰن نے تو کتے کو شہید کا درجہ دیا، مگر ان سے بہت پہلے کچھ لوگ کتے کو جنتی بھی کہتے رہے۔ مارک ٹوین نے کہا تھا، جنت میں اگر کوئی میرٹ پر گیا تو وہ کتا ہوگا، آپ باہر کھڑے رہ جائیں گے۔ امریکی کارٹونسٹ اور ادیب جیمز تھربر کا کہنا ہے کہ میں اگر ابدیت پر ایمان رکھتا تو یقین سے کہہ سکتا تھا کہ جنت کتوں سے بھری ہوگی، انسان وہاں بہت تھوڑے ہوں گے۔ جارج ایلیٹ نے کہا کہ کتے آپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، وہ کوئی سوال نہیں پوچھتے، آپ پر کبھی تنقید نہیں کرتے۔ فرائڈ کا قول ہے کہ کتے اپنے دوستوں سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، یہ انسان ہے جسے دوستی دشمنی، محبت اور نفرت کی کوئی تمیز نہیں۔

ہمارے جاگیردار، انگریز سرکار کے کتے نہلاتے رہے اور جاگیریں اور ذیل داریاں انعام میں حاصل کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ پچھلے چھیاسٹھ برسوں سے انہی جاگیرداروں کی اولادوں نے عام پاکستانی کو کتے کی حیثیت بھی نہیں دی۔

ایک کتا تازہ تازہ جیل سے رہا ہونے والے جنرل مشرف کا بھی تھا جسے انہوں نے مارشل لا لگانے کے فوری بعد سینے سے لگا کر تصویر بنوائی اور امریکہ اور اہل مغرب سے لبرل ہونے کی سند پائی۔ ان کے دور میں روشن خیالی اور آزادہ روی کو مذہب کا درجہ دے دیا گیا۔ یہ سب اس کتے کا فیض تھا۔

فوج میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ اور خچر تو استعمال ہوتے رہے، کبوتر کو پیغام رسانی کے لیئے استعمال کیا جاتا رہا، اب پیغام رسانی کا ایک ذریعہ موبائل فون ہے جسے ریموٹ کنٹرول دھماکے کا ہتھیار بنا لیا گیا ہے۔ کتے بھی فوج میں بھرتی کیئے جاتے ہیں لیکن صرف جاسوسی کے لیئے۔ مگر فضل الرحمٰن کے فتوے کے بعد کتوں کو خودکش حملوں کے لیئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، جنت کی بشارت تو مولانا نے دے دی۔ اس کام کے لیئے اسے سدھانا کوئی مشکل کام نہیں۔ آوارہ کتے ہر جگہ آزادی سے گھومتے پھرتے ہیں، کوئی ان پر خودکش بمبار ہونے کا شک بھی نہیں کر سکتا۔ ہماری سکیوریٹی ایجنسیوں کو اس نئے خطرے سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ لیکن ڈرون سے انہیں کون بچائے گا، نہ بچیں، مولانا نے شہادت کا بازار لگا دیا۔

انسان ہونے کے باوجود ہماری ایک عادت ہے کت پنا۔ اللہ اس سے بچائے۔ (8 نومبر 2013ء)

کیانی کی جولانی

انہیں الوداعی ضیافتوں میں شرکت کرنا چاہیئے تھی، مگر وہ وزیر اعظم کو عزم نو مشقیں دکھا رہے ہیں، کراچی میں قیام امن پر بریفنگ لیتے دکھائی دیتے ہیں اور آواران میں زلزلہ زدگان کی بحالی کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

جنرل اسلم بیگ کی ریٹائرمنٹ میں کئی ماہ باقی تھے کہ ان کے جانشین کا اعلان کر دیا گیا، یہ اقدام اسلم بیگ کے پر کاٹنے کے لیئے کیا گیا۔ جنرل کیانی نے تو اپنے پر خود ہی کاٹ لیئے اور اعلان کر دیا کہ وہ 29 نومبر کو ریٹائر ہو جائیں گے، کوئی اور ہوتا تو اس اعلان کے بعد ٹھس ہو کر رہ جاتا۔

کیانی پتا نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ پہلے سے زیادہ متحرک ہو گئے، چین کے دورے پر چلے گئے۔ چین ایسا ملک نہیں کہ محض سیر و سیاحت کے لیئے اس کا رخ کیا جائے، یہاں تو راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں اور اسٹریٹیجک پلان تیار کیئے جاتے ہیں۔

یہ ریٹائرمنٹ کا اعلان تھا یا از سر نو تقرری کا۔ ویسے کسی نے بھی اس اعلان کو سنجیدگی سے نہیں لیا، حکومت کو بھی یقین نہیں آیا کہ کیانی ریٹائر ہو رہے ہیں، اس کا ثبوت حکومت کی بے عملی ہے کہ ابھی تک ان کے جانشین کی نامزدگی عمل میں نہیں آسکی۔

ریٹائرمنٹ کے از خود اعلان نے کیانی کو تازہ دم کر دیا ہے۔ عدلیہ از خود نوٹس لیتی ہے اور ملک میں بھونچال برپا ہو جاتا ہے۔

عزم نو مشقیں دکھانے کے لیئے کیانی نے وزیر اعظم کو جیپ میں بٹھایا اور خود ڈرائیور بن گئے۔ یہ کس بات کی علامت ہے، ایک آرمی چیف ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ جائے تو اس کا کیا مطلب نکالا جا سکتا ہے، جو مرضی نکال لیجئے۔

وزیر اعظم گیلانی نے بھی عزم نو مشقیں دیکھی تھیں مگر فوج نے ان کی ایسی ناز برداری نہیں کی تھی، اس کی کوئی وجہ ہو گی، فوج کو گیلانی صاحب کے نظریات کی بھنک پڑ گئی ہو گی کہ وہ ریاست کے اندر ریاست کو برداشت نہیں کر سکتے۔

نواز شریف کی خصوصی آؤ بھگت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت اور ریاست کے اہم ترین دفاعی ادارے کے مابین کوئی فاصلہ نہیں، یہ باہمی اعتماد کی معراج ہے۔

یہی نواز شریف ایک بار گجرات کے دورے پر گئے تو چناب کا پل پار کرنے کے بعد انہیں ایک جیپ میں بٹھایا گیا اور یہ جیپ چودھری برادران نے کندھے پر اٹھا لی۔ چودھری برادران نے پتا ہی نہ چلنے دیا کہ وہ جیپ کو کندھوں سے کب الٹ دیں گے۔ اور جب الٹا تو ایسے الٹا کہ نواز شریف کی نہ حکومت رہی، نہ ان کو ملک میں رہنا نصیب ہوا۔ مشرف کے ساتھ بھی چودھریوں نے یہی سلوک روا رکھا، برملا کہا کہ مشرف کو وردی میں دس مرتبہ صدر منتخب کروائیں گے مگر چند ماہ بعد اس طرح وردی اتروالی جیسے مرغی کی کھال ایک جھٹکے سے اتار دیتے ہیں۔ مشرف نے بہت کہا کہ وردی ان کی کھال ہے مگر یہ کھال ادھڑ گئی۔ پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔

خیر پور ٹامیوالی کیسی جگہ ہے کہ یہاں تاریخ بنتی ہے اور بگڑتی ہے۔ جنرل ضیا الحق آخری سفر پر یہیں سے اڑے تھے۔

جنرل کیانی کو اپنی ریٹائرمنٹ کی تاریخ کا اچھی طرح اندازہ ہے، لیکن وہ آخری لمحے اور آخری سانس تک دشمن پر ہیبت طاری کرنے کے عزم سے سرشار ہیں، وہ بھارت کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ پاک فوج دنیا کی مانی ہوئی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔

ملک میں ڈرون کی بحث چھڑی ہوئی ہے، وزیر اعظم کی خواہش ہے کہ ڈرون حملوں کا خاتمہ ہو جائے، کیانی نے اپنے وزیر اعظم کو جتلا دیا کہ پاک فوج ان کے ایک اشارے کی منتظر ہے۔ وزیر اعظم نے ڈرون کی تباہی کا منظر دیکھا ہو گا تو ان کا دل باغ باغ ہو گیا ہو گا۔

کیانی نے امریکہ کو بھی بتادیا کہ ڈرون کا کیا حشر ہوسکتا ہے، وہ بھی کسی ایف سولہ کے ذریعے نہیں بلکہ محض ایک سادہ بازوکا، کے نشانے سے۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔

کیانی کے جاتے جاتے امریکہ ایک بار پھر پاکستانیوں کی نفرت کا نشانہ بن گیا ہے۔ وزیراعظم نے صدر اوبامہ سے درخواست کی تھی کہ امن مذاکرات کے دوران ڈرون حملے نہ کیئے جائیں، ان کی بات نہیں مانی گئی، امریکہ نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا، پاکستان میں ایک ایسا شخص ہیرو بن گیا جو پچاس ہزار بے گناہوں کا قاتل ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا شخص ٹھکانے لگا دیا گیا جو پاکستان کے لیئے مسلسل آزار بنا ہوا تھا۔ اس کا نائب لطیف اللہ محسود بھی امریکیوں کی قید میں ہے۔ وہ مکافات عمل کا سامنا کر رہا ہے۔ اس کی حیثیت صرف یہ تھی کہ وہ حکیم اللہ کا ڈرائیور تھا لیکن اس قدر چہیتا کہ اسے ایک لحاظ سے جانشین نامزد کر دیا گیا۔ اس ایک فیصلے نے طالبان کی صفوں میں دراڑیں ڈال دیں۔ ایک معمولی ڈرائیور کی عزت افزائی کو جغادری طالبان برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اب کیا پتا کہ کسی ناراض ساتھی نے ہی حکیم اللہ کی گاڑی میں چپ نصب کردی ہو یا لطیف اللہ کی مدد سے امریکیوں نے حکیم اللہ کی نقل و حرکت کا سراغ لگا لیا ہو۔ جو کچھ بھی ہوا، جیسے بھی ہوا، کیانی کے سر سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔ کیانی کے کسی ایک کارنامے کا نام لینا ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بارہ اکتوبر ننانوے کی منحوس یادوں کو پس پردہ دھکیل دیا ہے۔ نواز شریف ماضی قریب تک انہیں ذہن سے کھرچنے کے لیئے تیار نہ تھے، انہوں نے کیانی کی پہلی توسیع کی مخالفت کی تھی مگر اب ان کے وزیر داخلہ پاک فوج کے لیئے رطب اللسان ہیں۔ وہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ فوج امن مذاکرات کی حامی ہے، حتیٰ کہ فاٹا میں معمول کی فوجی نقل و حرکت کو بند کر دیا گیا تھا تاکہ طالبان کسی بداعتمادی کا شکار نہ ہوں۔

اور اگر انٹرنیٹ پر پھیلی ہوئی خبروں پر یقین کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے ڈرون حملے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا۔ میزائل اس وقت مارا گیا جب حکیم اللہ کی گاڑی اس کے باغات میں گھرے سوا کروڑ کے محل کے دروازے پر پہنچی، چند لمحوں کی تاخیر سے میزائل مارے جاتے تو اندر بیٹھی پوری طالبان قیادت کا صفایا ہوسکتا تھا، امریکہ کو شاید اندازہ تھا کہ اتنے بڑے نقصان پر طوفان کھڑا ہو جاتا۔

اب طالبان قیادت کو اپنا چیف مقرر کرنا ہے اور حکومت پاکستان کو ان کے مقابلے کے لیئے فوج کے چیف کا تقرر کرنا ہے۔ جنرل کیانی اپنا دور گزار چکے، آخری وقت تک ان کی توقیر اور نیک نامی میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ (7 نومبر 2013ء)

جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں

وزیر داخلہ نے تسلیم کیا ہے کہ امریکی سفیر نے انہیں صاف بتا دیا تھا کہ حکیم اللہ محسود ان کے نشانے پر آیا تو ڈرون حملہ کر دیں گے۔ وزیر داخلہ کو امن مذاکرات کی کامیابی کے لیئے حکیم اللہ کی سلامتی بہت عزیز تھی جیسا کہ ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنا فرض نبھاتے۔ یا تو حکیم اللہ کی حفاظت کا خود بندوبست کرتے یا پھر اسے امریکی عزائم کے پیش نظر حد درجہ محتاط ہونے کا مشورہ دیتے۔

حکیم اللہ کی حفاظت کی اس لیئے بھی ضرورت تھی کہ ایک روز پہلے پاکستانی اخبارات میں وزیر اعظم اور برطانوی وزیر داخلہ کی ملاقات کے حوالے سے شہ سرخیاں شائع ہو گئی تھیں کہ طالبان سے مذاکرات شروع کر دیئے گئے ہیں۔ وزیر داخلہ نے اس خبر کو بھی یہ کہہ کر غلط ثابت کر دیا ہے کہ مذاکراتی وفد تو ابھی روانہ ہی نہیں ہوا، صرف جانے کی تیاری کرر ہا تھا۔ ان حکمرانوں سے کوئی پوچھنے والا ہو کہ جب مذاکرات کے لیئے کوئی وفد ابھی گھر سے روانہ ہی نہیں ہوا تو پھر شہ سرخیاں چھپوانے کا جواز کیا تھا۔

وزیر داخلہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ڈرون حملہ دراصل مذاکرات کی موت ہے، مگر وزیر اطلاعات کا کہنا ہے کہ امن مذاکرات کو مرنے نہیں دیا جائے گا۔ دونوں وزیر آپس میں مشورہ تو کر لیتے کہ ڈرون پر کیا ردعمل دینا ہے۔ حکومت کے ترجمان بہر حال وزیر اطلاعات ہیں مگر جو بولے اور خوب بولے تو وہ وزیر داخلہ تھے۔ ڈرون حملے کا جہاں تک تعلق ہے اگر اسے ملکی اقتدار اعلیٰ اور خود مختاری پر کاری وار کہا جا رہا ہے تو اس پر

ردعمل دینے کی ذمے داری وزیر داخلہ کی نہیں، وزیر دفاع کی تھی مگر یہ محکمہ وزیراعظم کے ہاتھ میں ہے۔اور وزیر داخلہ نے تین بار کہا کہ وزیراعظم دو روز میں واپس آئیں گے یا تین روز میں آئیں گے، اوران کے آنے پر ممکنہ اقدامات پر غور کیا جائے گا مگر وزیراعظم کے سفری پروگرام کو کھنگالا جائے تو وہ وزیر داخلہ کی میڈیا ٹاک کے دوران عازم سفر ہو چکے تھے۔وزیر داخلہ اس خبر سے کیوں بے خبر تھے۔تادم تحریر وزیراعظم لاہور میں ہیں، پاکستان کو درپیش مسئلے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سیدھے اسلام آباد اترتے اور آخر شب کابینہ کا ہنگامی اجلاس طلب کرتے لیکن مجھے نظر آرہا ہے کہ کابینہ کی دفاعی کمیٹی یا جو بھی اس کا نیا نام ہے، اس کا اجلاس بھی ایک دو روز تک نہیں ہو سکے گا۔لگتا ہے حکومت کو کوئی جلدی نہیں، اور اگر عوام حکومت کے موڈ پر جائیں تو وہ بھی حالات کے غم میں اپنے آپ کا خواہ مخواہ ہلکان نہ کریں۔

ملک میں یہ بحث عمران خاں نے چھیڑی ہے کہ نیٹو سپلائی روک دی جائے۔انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خواہ صوبائی حکومت چلی جائے، سپلائی بند کر دیں گے۔اس پر نجم سیٹھی کا تبصرہ یہ ہے جو کہ ہر قیمت پر کرکٹ بورڈ سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں کہ نیٹو سپلائی روکنا ملک سے غداری کے مترادف ہے۔وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا ہے کہ سپلائی بند کرنے سے ڈرون حملے نہیں رک سکتے، انہوں نے تو سلالہ کا بدلہ لینے کے لیئے فوج کی طرف سے نیٹو سپلائی بند کرنے کا بھی مضحکہ اڑانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور سوال پوچھا ہے کہ کیا اس اقدام سے ڈرون حملے رک گئے تھے۔

ہماری ایک بحث یہ ہے کہ امریکہ ہمارا دوست ہے یا دشمن۔یہ بحث اس حوالے سے ہے کہ ہم جب بھی امن مذاکرات شروع کرتے ہیں، تو امریکہ ایک ڈرون مار دیتا ہے اور مذکرات ٹھس ہو جاتے ہیں۔ہمارا امریکہ سے ایک شکوہ یہ رہا ہے کہ وہ ہمارے دشمن طالبان کو نہیں مارتا، ہماری درخواست پر بھی نہیں مارتا، ماضی میں ہمارے ایک طالبانی کالم کار نے لکھا تھا کہ آئی ایس آئی نے بیت اللہ محسود کی نقل وحرکت کے بارے میں سی آئی اے کو کئی بار اطلاع دی لیکن ان پر ڈرون نہیں مارا جاتا تھا، یہ شکایتیں بھی ہمارے لبوں پر رہتی ہیں کہ امریکہ کو اپنے دشمنوں، جو ہمارے دوست ہیں، کو مارنے کا شوق ہے لیکن ہمارے دشمنوں، جو امریکہ کے دوست اور آلہ کار ہیں، کو نشانہ نہیں بنایا جاتا۔اب اگر امریکہ نے حکیم اللہ کو نشانہ بنایا ہے تو ہم اس قدر تلملا رہے ہیں اور اسے قوم کا ہیرو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں بلکہ بڑی حد تک بنا دیا گیا ہے اور ملک میں اس کا

غائبانہ جنازہ بھی پڑھا گیا ہے۔قومی میڈیا پر صرف ایک شخص جنرل اطہر عباس نے یہ کہا ہے کہ ایک ملک دشمن کو ہلاک کیا گیا ہے، باقی سب امریکہ کی مذمت میں لگے ہوئے ہیں۔

حکیم اللہ نے پاکستان کے خلاف جو وارداتیں کی، میں ان کی بنیاد پر اس کے خلاف کوئی فرد جرم عائد نہیں کرنا چاہتا لیکن پاکستان میں جب کبھی کوئی چھوٹا بڑا خودکش حملہ ہوا تو تحریک طالبان نے اس کی ذمے داری قبول کی، ان میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت، جی ایچ کیو پر حملہ، کامرہ، کراچی نیول بیس، لاہور آئی ایس آئی اور دیگر سینکڑوں حملے انہوں نے اپنے کھاتے میں ڈالے۔ان کے طرفدار میڈیا والے پہلے خود ہی ان کے ترجمانوں کے حوالے سے خبر دیتے ہیں لیکن پھر دوسرے سانس میں یہ کہتے ہیں کہ طالبان کے سر ان کا الزام یونہی دھر دیا جاتا ہے۔اچھا جی، یونہی الزام دھر دیا جاتا ہے تو کوئی طالبان لیڈر سامنے آکر ان دعووں کی تردید کیوں نہیں کرتا، اسامہ بن لادن نے بھی زندگی بھر نائن الیون کے سانحے کی کوئی تردید نہیں کی۔لیکن ان کے ہمدرد دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ امریکہ نے یہ حملے خود ہی اپنے آپ پر کر لیئے، چلو خود کر لیئے مگر اسامہ یا القاعدہ ان کی تردید تو کرتے۔ پاکستان میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا، کس نے کیا، کسی نے تو کیا۔حکیم اللہ کا جو کوئی جانشین مقرر کیا جائے گا، وہ سامنے آئے تو اس قتل و غارت سے انکار کرے۔اور خود بھی امن سے رہے اور ہمیں بھی امن سے رہنے دے۔

مشرف اور زرداری حکومت پر الزام تھا کہ وہ اندر سے امریکہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور اوپر سے امریکہ کے خلاف شور مچاتے ہیں۔کوئی یہ بھی کہتا تھا کہ فوج بھی دوہرا کردار ادا کر رہی ہے، شکر کی بات ہے کہ وزیر داخلہ نے اب فوج کے کردار کی کھل کر تعریف کی ہے مگر وہ امریکہ پر خوب برسے ہیں۔یہ بھی کہہ ڈالا کہ امریکہ سے تعلقات پر نظر ثانی کی جائے گی، ابھی چند روز پہلے ان کے وزیر اعظم نے امریکی صدر سے اپنی منڈیاں کھولنے کی درخواست کی ہے اور وزیر داخلہ امریکہ کو دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہیں، ٹی وی پر ان کی دھواں دھار تقریر سنتے ہوئے میں نے ایک پاکستانی امریکی سے کہا کہ اب آپ لوگ ہمارے مقابلے کے لیئے تیار ہو جاؤ، جواب ملا، جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔

محکمہ موسمیات والے پتا نہیں پاک امریکہ مڈبھیڑ کے سلسلے میں کیا پیش گوئی کر رہے ہیں۔میرا خیال ہے شانت رہنے کی۔(5نومبر2013ء)

ڈرون ٹھس ہو گیا

لو جی! ڈرون کی بحث ختم سمجھو۔ حکومت پاکستان نے پارلیمنٹ میں ڈرون کا نشانہ بننے والے افراد کی جو فہرست پیش کی ہے، اس کے بعد اعتزاز احسن نے ہنسی خوشی کہا کہ ایسے ڈرون حملے ہوتے رہیں، ان پر اعتراض کیسا۔ مگر پہلے تو آپ کو یہ پتا ہونا چاہیئے کہ اوبامہ نے نواز شریف اور ملالہ کی طرف سے ڈرون حملے ختم کرنے کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے گزشتہ روز ایک ڈرون حملہ اور کر دیا جس میں تین افراد نشانہ بنے۔ ملالہ اور نواز شریف نے جو درخواست نہیں کی تھی، وہ اوبامہ نے قبول کر لی، پاکستان کے لیئے رکی ہوئی امریکی امداد بحال کر دی گئی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ملالہ اور نواز شریف دونوں کے امریکی دورے بے حد کامیاب ہوئے۔ یا یہ کہ بے حد ناکام ہوئے۔

اور یہ بھی آپ نے پڑھ اور سن لیا ہوگا کہ حکومت پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان پر پانچ برسوں میں تین سو اٹھارہ ڈرون حملے ہوئے، ان میں کل 1991 دہشت گرد اور 67 عام شہریوں کی جان گئی۔ تعداد کے بارے میں آپ کنفیوژن کا شکار ہوں گے، میں بھی ہوں۔ لیکن نتیجہ ایک ہے کہ یہ جو ہم نے آسمان سر پہ اٹھا رکھا تھا کہ امریکہ ڈرون حملوں کے ذریعے بے گناہ پاکستانیوں کا قتل عام کر رہا ہے، اس پروپیگنڈے کے غبارے سے حکومتی اعداد و شمار نے ہوا نکال دی ہے۔ اگر حکومت یہی مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی، تو وہ ہو گیا۔ لیکن معاملہ اتنا آسان بھی نہیں۔

حکومت پاکستان کے پاس اعداد و شمار کہاں سے آ گئے، کیا سی آئی اے نے فراہم کیئے۔ اسی نے دیئے ہوں گے کیونکہ ڈرون کی نکیل اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی منتخب کانگرس کو بھی جوابدہ نہیں۔ تو پاکستان کو یہ اعداد و شمار کہاں سے مل گئے، کیسے مل گئے۔ آیئے ذرا حساب لگاتے ہیں۔

ڈرون طیارہ سی آئی اے کے کنٹرول میں ہوتا ہے، یہی ادارہ فیصلہ کرتا ہے کہ کہاں ٹارگٹ کرنا ہے اور کس کو کرنا ہے، اس ادارے کے پاس تمام زمینی معلومات موجود ہوتی ہیں، ڈرون طیارہ میزائل داغنے سے پہلے موقع کی تصویریں لیتا ہے اور تباہی کے بعد کے مناظر بھی ریکارڈ کرتا ہے، اس کے پاس زندہ انسانوں اور انسانی لاشوں کے انجر پنجر کا حساب ہوتا ہے۔ مگر یہ ادارہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، نہ کسی کو اعداد و شمار فراہم کرتا ہے، امریکی محکمہ دفاع، پینٹاگان کو بھی نہیں۔

اب اگر سی آئی اے نے حکومت پاکستان کو یہ اعداد و شمار دیئے ہیں تو کس لیئے، تاکہ ڈرون کی بحث ٹھس ہو جائے۔ ڈرون حملوں کا نشانہ بننے والے دو ہزار افراد کے بدلے میں پاکستان کے پچاس ہزار افراد کو شہید کیا گیا، ان میں سے صرف پانچ ہزار وہ لوگ تھے جن کا تعلق مسلح افواج یا سکیوریٹی اداروں سے تھا، ان کا جرم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ امریکی افواج کے حلیف تھے لیکن پینتالیس ہزار افراد عام پاکستانی شہری تھے، جنہیں گھروں، دفتروں، سڑکوں، اسکولوں، مسجدوں، مدرسوں، مزاروں، جنازوں، مارکیٹوں، جلسے، جلوسوں، چرچوں میں نشانہ بنایا گیا۔ ان کا جرم بھی یہی تھا کہ وہ ایک ایسے ملک کے باشندے ہیں جو امریکہ کا حلیف ہے۔ علاقے میں بھارت اور ایران نے پاکستان کی طرح امریکہ کا سرگرم ساتھ نہیں دیا، اس لیئے یہ دونوں ملک اور ان کے شہری مکمل امن میں رہے۔ اس حساب کتاب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر پاکستانیوں نے بھی امن کی زندگی گزارنی ہے تو امریکی حمایت ترک کر دیں۔ اس حمایت کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب صدر بش نے ایک لکیر کھینچ دی تھی اور خبردار کیا تھا کہ جو لکیر کے دوسری طرف ہے، وہ امریکہ کا دشمن ہے۔ پاکستان لکیر کے اس جانب لپکا جہاں امریکی حلیف کھڑے تھے اور ان میں ساری دنیا شامل تھی، سوائے دو چار ملکوں کے اور امریکہ نے باری باری ان کا فالودہ بنا دیا۔ اور فالودہ ہمارا بھی بن گیا۔

یہ سوال اہم نہیں کہ ڈرون حملوں میں کتنے مارے گئے اور وہ کون تھے، اگر دہشت گرد تھے تو ہمیں ان سے کیا واسطہ، پاکستانی تو بہت تھوڑے تھے، آٹے میں نمک کے برابر۔ اصل سوال یہ ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی سلامتی، آزادی اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو اسی طرح پامال کر رہے تھے جس طرح ایبٹ آباد اور سلالہ میں

امریکی فوجوں نے ہماری سلامتی کی دھجیاں بکھیر دیں۔حملہ ایک ہو یا سینکڑوں یا ہزاروں۔حملہ تو حملہ ہوتا ہے۔پہلا ڈرون حملہ ہی عزت، غیرت اور حمیت والے کے لیئے کافی ہونا چاہیئے تھا، جب ہم نے پہلا حملہ پی لیا تو پھر ہم باقی سینکڑوں حملوں کا کیا بگاڑ سکتے تھے، ایک ایبٹ آباد ہوا، اس کے بعد سلالہ بھی ہوا، ہم باغیرت بنتے ہیں، مگر اس مٹی کے نہیں بنے ہوئے جس سے سلطان میسور کا جسم گندھا ہوا تھا اور جس نے کہا تھا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی، گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے اور وہ اس اصول پر قربان ہو گیا، وہ ابد تک زندہ رہے گا اور اس کے سینے میں تلوار گھونپنے والا کسی بے نام ونشان قبر کی مٹی میں مٹی ہو چکا ہوگا۔ہم اس مٹی کے بھی نہیں بنے ہوئے جس سے طارق بن زیاد کا خمیر گوندھا گیا۔اس نے سمند پار کرنے کے بعد کشتیاں جلا دیں تھیں۔واپسی کا کوئی راستہ باقی نہ رہا اور اسپین میں پانچ سو سال تک مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد رکھ دی گئی۔یورپ کو نئی روشنی نصیب ہوئی۔وکیل بتاتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی ایک قرارداد ہے بلکہ کئی ہیں کہ کوئی ملک دہشت گردوں کو پناہ گاہیں مہیا نہیں کرے گا۔اس قرارداد کا یہ مطلب کہاں سے آ گیا کہ اگر کسی ملک میں مبینہ طور پر دہشت گرد ہوں گے تو امریکہ ان کو نشانہ بنا سکتا ہے۔کارروائی کرنی ہے تو اقوام متحدہ کرے۔امریکہ کیوں کرے۔اور اقوام متحدہ کی قراردادیں کشمیر پر بھی کئی ہیں، ان پر نہ اقوام متحدہ عمل کرواتا ہے، نہ امریکہ، نہ برطانیہ جس نے یہ مسئلہ پیدا کیا۔نواز شریف نے برطانوی وزیراعظم سے پوچھا تک نہیں کہ سرکار! یہ جو فساد چھوڑ آئے، اس کو ختم کون کرے گا۔

کیا نئے اعداد وشمار دیکھنے کے بعد عمران خاں کا جوش وجذبہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، کیا اب وہ ڈرون حملوں کے حق میں مظاہرے کرنے لگیں گے۔اور کیا حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سرکاری اعداد وشمار کی بازی گری سے قوم کو بیوقوف بنایا جا سکتا ہے۔اور وزیراعظم اب سکون سے میٹرو بس، انڈر گراؤنڈ ریلوے، موٹر ویز اور چین پاکستان طویل ترین تجارتی کوریڈور جیسے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر اپنی صلاحیتیں صرف کرنے لگیں گے۔کیا انہیں پی آئی اے، اسٹیل مل اور درجنوں سرکاری اداروں کو نیلام کرنے کی چھوٹ مل گئی ہے۔ہوسکتا ہے ان کا خیال درست ہو، مگر ملک کی سلامتی اور بقا کے ساتھ ہی سبھی کچھ وابستہ ہے۔ڈرون حملے ملک کی سلامتی اور آزادی کو تار تار کر رہے ہیں، ان میں دہشت گرد مریں یا عام شہری، یہ حملے پاکستان کے اقتدار اعلیٰ کے منافی ہیں۔چھ ستمبر 65 کی بھارتی جارحیت کی طرح۔جب ایوب خاں نے کہا تھا کہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔(3 نومبر 2013ء)

کشمیر کی بندر بانٹ اور رب کعبہ سے دعا

وزیر اعظم نے لندن میں ایک بار پھر کشمیر کی ثالثی کا ذکر چھیڑا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ساٹھ پینسٹھ سال میں تین جنگیں لڑ کے دیکھ لیا ہے، ان سے کچھ نہیں ملا، اب اس مسئلے کے حل کے لیئے ثالثی کا تجربہ کر کے دیکھ لینا چاہیے۔

ثالثی کا سیدھا مطلب ہے بندر بانٹ!!

لندن کے ماحول میں پتا نہیں کیا الرجی ہے کہ وزیر اعظم نے امریکہ جاتے ہوئے بھی یہیں پر کشمیر میں امریکی مداخلت کی بات کی تھی تا کہ یہ مسئلہ حل کیا جا سکے۔ اس پر بھارت بہت تلملایا تھا۔اس نے کہا تھا کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے، اس میں کسی غیر کو مداخلت کی جرات کیسے ہوگئی۔ بھارت نے یہ بھی کہا کہ شملہ سمجھوتے کی رو سے کشمیر پاکستان اور بھارت کے مابین دوطرفہ مسئلہ ہے۔اس لحاظ سے بھی تیسرے فریق کو مداخلت کا حق حاصل نہیں۔

یہ علم تو وزیر اعظم کو ہوگا کہ کیا امریکہ یا برطانیہ نے انہیں کوئی ایسی پیش کش کی ہے کہ وہ کشمیر کا مسئلہ حل کرانے میں کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں، امریکہ کا تو کھلا اعلان یہ ہے کہ برصغیر کے جھگڑے دوطرفہ بات چیت سے پرامن طور پر حل کیئے جائیں۔سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے جولائی 1999 میں وزیر اعظم نواز شریف کے ساتھ ایک ملاقات کے بعد جاری ہونے والے اعلان واشنگٹن میں کہا تھا کہ وہ کشمیر کے مسئلے کے

حل کے لیئے ذاتی کردار ادا کریں گے۔ تین ماہ بعد نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ گیا اور پھر کسی نے کلنٹن صاحب سے نہیں پوچھا کہ آپ کا ذاتی کردار کہاں گیا۔

وزیر اعظم نے ماضی میں ہونے والی جنگوں کو نتیجہ خیز قرار نہیں دیا۔ وہ ایک کاروباری پس منظر کے حامل شخص ہیں، اس لیئے نفع نقصان کا حساب بہی کھاتوں کی زبان میں کرنے کے عادی ہیں، لیکن اگر ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ ایک حقیقت ہے کہ 1948 میں کشمیر کا جو جہاد شروع ہوا، وہ اس قدر نتیجہ خیز تھا کہ مجاہدین سری نگر کے ہوائی اڈے تک پہنچ گئے تھے۔ بھارت اور کشمیر کے مابین یہ ہوائی اڈہ ہی واحد رابطہ تھا، اس لیئے بھارتی وزیر اعظم نہرو پھولے ہوئے سانس کے ساتھ سلامتی کونسل میں جا پہنچے اور سیز فائر کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے۔

1965 میں کشمیر کے حصول کے لیئے آپریشن جبرالٹر شروع کیا گیا اور پاکستانی افواج برق رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے اکھنور کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں کہ بھارت نے بین الاقوامی بارڈر پر حملہ کر دیا، اس کا خیال تھا کہ وہ لاہور پر قابض ہو جائے گا، اپنے بکتر بند ڈویژن کے ملے سے پسرور، چونڈہ، ظفر وال کو روندتے ہوئے جی ٹی روڈ کو گوجرانوالہ سے کاٹ دے گا لیکن سترہ دنوں کے بعد بھارتی لالے کی چیں بول گئی، پاکستانی فوجیں کھیم کرن سے پار جانے کے لیئے پر تول رہی تھیں مگر بھارتی لالہ ایک بار پھر جنگ بندی کی اپیل لے کر سلامتی کونسل میں جانے پر مجبور ہو گیا۔ 1971 میں لڑائی کشمیر کے لیئے نہیں تھی، مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی سازش کا حصہ تھی جس میں بھارت کو کامیابی مل گئی، اس لحاظ سے یہ جنگ بھی بدقسمتی سے نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ میں کارگل کا ذکر نہیں چھیڑتا، یہ ایک نازک رگ پر ہاتھ رکھنے والی بات ہے لیکن بھارت کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیئے کہ اس میں دشمن کے مرنے والوں کے لیئے تابوت کم پڑ گئے تھے اور بھارتی جرنیلوں اور اعلیٰ فوجی افسروں کا کورٹ مارشل ہوا۔ جنگ کا اور نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ امریکہ نے اس بار خود مداخلت کی، نواز شریف کو واشنگٹن طلب کیا، اور پاکستانی مجاہدین کو کارگل سے واپسی کے لیئے مجبور کیا، سیاچین میں بھارت نے جارحیت کی لیکن جس مقام پر پاکستان نے اسے للکارا، بھارت اس سے ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکا۔ سیاچین اور کارگل کی جنگوں نے کشمیر کے مسئلے کو عالمی سطح پر اجاگر کیا اور دنیا کو احساس دلایا کہ کشمیر کے تنازعے کی وجہ سے برصغیر میں ایٹمی تباہی کی نوبت آ سکتی ہے۔ اس امکان کو روکنے کے لیئے ٹریک ون، ٹریک ٹو، اور معلوم نہیں کیا کیا جتن کیئے گئے، اس سلسلے میں ایک مہم کی کمان ہمارے دوست عطا

الحق قاسمی کو سونپی گئی ہے، وہ امن کی آشا کو پروان چڑھانے کے لیئے پاک بھارت قلم کاروں، دانشوروں کی ایک دوستانہ محفل الحمرا میں سجانے کے لیئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، اللہ کرے اس محفل میں کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے۔ امریکہ اور برطانیہ تو ثالثی کے لیئے تیار نہیں ہیں، قاسمی صاحب کی ثالثی سے کشمیریوں کا کام بن جائے تو ہم ان کو ڈھیروں دعائیں دیں گے۔

وزیراعظم جب ثالثی کی بات کرتے ہیں تو وہ اپنے فارن آفس سے ضرور صلاح مشورہ کرلیا کریں کیونکہ جب آپ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے خود ہی ہٹنے کا اشارہ دیں گے تو بھارت پہلے ہی ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک چکا ہے۔

ثالثی کا مطلب کشمیریوں کو زندہ درگور کرنا ہے۔

میرا لب ولہجہ بعض حلقوں کو ناگوار گزرتا ہے، اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم لڑکھڑا نہ جائیں، اور میرے قلم میں لکنت نہ آجائے۔ اس لیئے قارئین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میری ایک دعا میں شریک ہو کر آمین کہیں۔

زندگی کے اس طویل سفر میں میرے کچھ نظریات پختہ اور مستحکم ہو گئے ہیں، میرے گھر کا پس منظر، میرے اساتذہ کی شفقت اور سب سے بڑھ کر محترم ڈاکٹر مجید نظامی کی رہنمائی۔ میں بعض نظریات سے دست بردار نہیں ہوسکتا، ان کے اظہار میں کبھی کبھار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس دعا کے لیئے میں نے محمود شام کی ایک نظم کا سہارا لیا ہے۔ مجھے جب کبھی ٹھوکر لگتی ہے تو مجھے ایک نیا سبق ملتا ہے۔ اور میں نئے حقائق کو پرکھنے کی کوشش اور جستجو میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔

میری دعا یہ ہے:

اس سے پہلے کہ شب تار کو دن لکھنے لگوں
اس سے پہلے کہ گھٹن کو بھی سکوں لکھنے لگوں
اس سے پہلے کہ میں حالات کا دم بھرنے لگوں
اس سے پہلے کہ ستم گر کا بھرم رکھنے لگوں
رب کعبہ! مرے ہاتھوں سے قلم لے لینا
انگلیاں شل ہوں مری، جسم سے دم لے لینا

اس سے پہلے کہ عقیدوں کی تجارت سیکھوں
اس سے پہلے کہ میں طاقت کی عبادت سیکھوں
اس سے پہلے کہ حقائق کی خیانت سیکھوں
اس سے پہلے کہ تعلق میں رذالت سیکھوں
رب کعبہ! مرے ہاتھوں سے قلم لے لینا
انگلیاں شل ہوں مری، جسم سے دم لے لینا
اس سے پہلے کہ میں الفاظ کی حرمت بیچوں
فکر کا سودا کروں، ذات کی عزت بیچوں
اس سے پہلے کہ میں ادراک کی دولت بیچوں
رب کعبہ! مرے ہاتھوں سے قلم لے لینا
انگلیاں شل ہوں مری، جسم سے دم لے لینا

میری یہ دعا، میرے دل کی آواز ہے، یہ حکمرانوں والا سیاسی نعرہ نہیں کہ اے طائر لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی۔ (یکم نومبر 2013ء)

امریکی دورے کا حاصل، مایوسی گناہ ہے

وزیراعظم کے دورہ امریکہ کو ہر کوئی لاحاصل قرار دے رہا ہے، لیکن مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔

دورے کا ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ وزیراعظم ایک دو روز کے لیئے پاکستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمائیں گے اور پھر لندن کے سرکاری دورے پر روانہ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا سری لنکا اور تھائی لینڈ کا دورہ شروع ہو جائے گا۔ امریکی دورے کی برکت ہے کہ خادم اعلیٰ چین کی طرف چلے گئے ہیں۔ اب کوئی یہ نہ پوچھے کہ چین کا دورہ ہفتے بھر کا تو وہ پہلے ہی کر چکے اور اس میں درجنوں معاہدوں کی خوشخبری بھی سنا چکے تو اب کیا لینے گئے ہیں، بھئی دورہ، دورہ ہوتا ہے، ضروری نہیں کوئی لین دین بھی ہو، خیر سگالی کے لیئے دورے بھی تو ہوتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اتنے دورے کیئے، سوائے ہر جگہ ایک نکاح رچانے کے اس نے کیا تیر مارا، صرف ایک سفرنامہ ابن بطوطہ۔ امریکی صدر اور سرمایہ کاروں نے پاکستان کے توانائی بحران کے حل میں مدد دینے میں دلچسپی ظاہر کی، اسی دلچسپی کا نتیجہ ہے کہ ملک میں آنے والی سردی کے مہینوں میں گھروں کو گیس صرف اس وقت ملے گی جب کھانا پکانے کا وقت ہوگا۔ اگر قوم نے اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونا ہے تو اسے یہ قربانی تو دینا ہوگی۔ اور واضح رہے کہ اگر بے وقت مہمانوں کے آنے کا خدشہ ہو تو اس کا ذمے دار امریکی دورہ نہیں، یہ آپ کی اپنی کم عقلی ہے۔ عقل سے کام لیا جائے تو مہمانوں کے لیئے بھی کھانا پکا کر رکھا جا سکتا ہے، البتہ انہیں ٹھنڈا ہی کھانا پڑے گا۔

کھانا پکانے کے لیئے آٹا، دال، گوشت، سبزی اور دیگر الم غلم چیزیں بھی چاہیئں، اور یہ اس قدر مہنگی ہیں کہ تنخواہ دار تو شاپنگ کا متحمل نہیں ہوسکتا، سو اگر آپ کے پڑوس میں کوئی ہذا من فضل ربی والا گھر ہو تو اس کی ہانڈی کی خوشبو پر گزارا کرنا سیکھیئے اور مشام جاں کو معطر کیجئے۔

دورے کے فائدے اس قدر ان گنت ہیں کہ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں سے شروع کروں۔ چلیئے ڈرون حملوں کی بات کر لیتے ہیں، یہ کیا کم ہے کہ وزیر اعظم کے بقول انہوں نے یہ معاملہ شدومد سے اٹھایا۔امریکیوں نے تو سرکاری لائین کے مطابق جواب دینا تھا اور یہ سرکاری لائن صدر اوبامہ کئی ماہ قبل ایک پالیسی میں واضح کر چکے ہیں۔انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان اور یمن پر ڈرون حملے جاری رہیں گے اور ان کا کنٹرول حسب معمول سی آئی اے کے پاس رہے گا۔باقی ملکوں میں بھی ڈرون حملے ہوتے رہیں گے تاہم ان کا کنٹرول پینٹاگان کو منتقل کر دیا گیا ہے۔اس باریک سے فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ جو حملے سی آئی اے کرے گی، اس کی معلومات امریکی کانگرس کو بھی نہیں مل سکتیں، لیکن پینٹاگان جو حملے کرے گا، اس کے لیئے وہ کانگرس کو جواب دہ ہوگا۔ جواب دہی کی تعریف یہ ہے کہ وہ بتانے کے پابند ہوں گے کہ کس حملے میں کون مارا گیا اور کولیٹرل نقصان کتنا ہوا، سی آئی اے کی طرف سے کیئے جانے والے حملوں کی تفصیلات تک کسی کو رسائی نہیں ہوسکتی، اس لیئے پاکستان کو صرف ٹیوے ہی لگانے ہوں گے کہ کس ڈرون نے کس کو مارا اور کیوں مارا۔سوال یہ ہے کہ اس واضح پالیسی کے ہوتے ہوئے ہمارے وزیر اعظم نے کلمہ حق کہنے کی جرات تو کی۔اب ڈرون رکیں یا نہ رکیں، ان کی بلا سے، وہ حق وصداقت کی آواز بلند کرنے کا فریضہ ادا کر آئے۔

ہم کہتے ہیں کہ ڈرون حملے پاکستان کی خودمختاری کے منافی ہیں اور امریکہ آگے سے پوچھتا ہے کہ جو غیر ملکی دہشت گرد آپ کے ہاں اڈے قائم کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ کونسی خودمختاری کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ وہ باقاعدہ ویزوں پر تو نہیں آتے۔ یہ سوال سن کر ہمیں چپ سی لگ جاتی ہے۔

ہم نے اوبامہ سے ڈاکٹر عافیہ کی واپسی کا مطالبہ کیا، انہوں نے جواب میں ڈاکٹر شکیل آفریدی کی واپسی کا مطالبہ داغ دیا۔ہم میزائل چلاتے ہیں، امریکہ میزائل شکن میزائل چلا دیتا ہے۔ہمارے وزیر اعظم کے دورے کا ایک حاصل یہ ہے کہ ہم نے شکیل آفریدی کو دبوچ کر رکھنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔امریکہ اسامہ کو لے اڑا، ریمنڈ ڈیوس کو بھی اچک کر لے گیا مگر اب دیکھتے ہیں کہ وہ شکیل آفریدی کے لیئے تڑپتا ہی رہ

جائے گا۔ ہمارے وزیر اعظم کو عافیہ کی رہائی کا مطالبہ بہت مہنگا پڑا، اس لیئے کہ شکیل آفریدی کے علاوہ اوبامہ نے حافظ محمد سعید اور ممبئی سانحے میں انکے ساتھ شریک ملزموں کو بھی مانگ لیا۔ اس پر ہمارے وزیر اعظم کو کہنا پڑا کہ ہمیں پہلے اپنے گھر کو ٹھیک کرنا ہے، اس کام کی ابتدا کراچی سے ہو چکی ہے۔ اب تو صرف اس کا دائرہ وسیع کرنا ہے۔ اور اسے چوبرجی، مریدکے اور مظفر آباد تک محیط کرنا ہے۔ امریکی دورے کے نتیجے میں اگر ہم اپنے جہادی گروپوں کو نکیل ڈال سکیں تو یہ اس دورے کی بڑی کامیابی شمار ہوگی۔ ممبئی سانحے کے بعد بھارت نے سرجیکل اسٹرائیک سے یہ کام کر لینا تھا مگر ہمارے چند سرفروش اور سر پھرے ہوا بازوں نے بھارتی طیاروں کو لاہور اور مریدکے کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیا۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم سست الوجود ہیں اور ہر کام کرنے میں دیر کر دیتے ہیں، لیکن اس کی ذمے دار ماضی کی حکومت ہے۔ اب میاں نواز شریف اپنے گھر کو ٹھیک کر کے رہیں گے۔ یہ ہے وہ عزم جو انہیں دورہ امریکہ سے ملا۔

وزیر اعظم نے اوبامہ کے سامنے کشکول نہیں پھیلایا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں مدد کی ضرورت نہیں، ہمارے ساتھ تجارت کیجئے اور اپنی منڈیوں تک پاکستانی مصنوعات کو رسائی دیجئے۔ ایڈ نہیں ٹریڈ، یہ ایک نعرہ ہے۔ اوبامہ نے اس مطالبے کو سر آنکھوں پر رکھا اور مہمان شریف کو بتایا کہ دنیا بھر میں پاکستان جس ملک کے ساتھ سب سے زیادہ تجارت کر رہا ہے، اس ملک کا نام امریکہ ہے۔ اسے کہتے ہیں ترت جواب مگر یہ تو اسحٰق ڈار کا فریضہ تھا کہ وزیر اعظم کو اعداد و شمار سے آگاہ کرتے تا کہ ایک ایسا مطالبہ جس پر پہلے ہی عمل ہو رہا ہے، نہ کرنا پڑتا۔ چلیئے وزیر اعظم کی معلومات میں اضافہ تو ہوا اور وہ بھی امریکی دورے کی برکت سے۔ گھر بیٹھ کر اس قدر علم تو حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس تجزیے سے اتفاق کر لیا جائے کہ وزیر اعظم کے حالیہ دورہ امریکہ بلکہ دونوں امریکی دوروں سے کچھ نہیں ملا، تو یہ بھی ایک مثبت علامت ہے۔ دورے کیئے بغیر تو یہ ناکام نہیں کہے جا سکتے تھے اور یاد رکھیئے نپولین بونا پارٹ نے نصیحت کی تھی کہ بار بار کوشش کیجئے۔ وزیر اعظم کو اپنے دورے جاری رکھنے چاہیئں، کوئی نہ کوئی دورہ تو تکا لگنے سے کامیاب ہو ہی جائے گا۔

امریکی دورے کا واحد حاصل دال قیمہ ہے جس کی دعوت اوبامہ کو دی گئی ہے۔ مجھے دال قیمے کا آج کا بھاؤ تو کوئی بتائے۔ کیا دال قیمہ کشمیری ڈش ہے، شاید نہیں، اس لیئے کہ مشترکہ اعلامیہ میں کشمیر کے لفظ کا کہیں استعمال نہیں ہوا۔ (26 اکتوبر 2013ء)

اوباما کے منہ میں بھارت کی زبان

نواز شریف کے سفرِ امریکہ کے محاسن کا تذکرہ تو ان کے دیہاڑی دار کالم نویس کریں گے۔ مجھے ان قصیدہ نویسوں سے ہمدردی ہے کہ ان پر سرکاری مناصب کی نوازشات نہیں ہوئیں لیکن پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ، یہ لوگ قلم گھسائی میں پورے انہماک سے مگن ہیں۔

میں نے اتنی بے چینی سے اخبارات کا کبھی انتظار نہیں کیا، اسی بے چینی میں رات کے دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹی وی آن کیا۔ اوباما اور شریف آمنے سامنے بیٹھے تھے، اوباما صاحب کے لب و لہجے میں بے اعتنائی تھی، ان کی باڈی لینگوئج بھی اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ کسی ایسے سین میں پھنس گئے ہیں جس میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ شریف صاحب کے ہاتھ میں ایک بے ڈھنگی سی نوٹ بک تھی جو عام طور پر ہمارے اخباری رپورٹروں یا دفتری اسٹینوگرافروں کے استعمال میں رہتی ہے، ان کی نظریں اسی پر جمی رہیں اور وہ کسی کی آنکھ سے آنکھ ملائے بغیر بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

وزیر اعظم شریف نے امریکی صدر اوباما سے ملاقات کے دوران تو انگریزی میں گفتگو کی، اور یہ نوے منٹ پر محیط تھی، اپنے اپنے اسٹیمنا پر منحصر ہے۔ بعد میں میڈیا کیساتھ اردو کا استعمال کیا۔ امریکی میڈیا کو بتانے کے لیئے ان کے پاس کچھ ہوتا تو وہ لازمی طور پر انگریزی کا سہارا لیتے، مگر اردو میڈیم اخبار نویسوں کو زیادہ سہارے کی ضرورت تھی۔

صدر اوباما نے وزیر اعظم شریف سے کچھ وقت تو اپنی زبان میں بات چیت کی لیکن زیادہ تر وہ بھارتی زبان میں بولتے رہے۔ کوئی پوچھے کہ اگر کشمیر کے مسئلے میں امریکہ یا کوئی تیسرا ملک مداخلت کرنے کا حق

نہیں رکھتا تو ممبئی سانحے کی تحقیقات میں وہ ٹانگ کیسے اڑا سکتا ہے۔

مگر اوبامہ صاحب نے مداخلت ضروری سمجھی، یہ پٹی انہیں بھارتی وزیر اعظم ان سے حالیہ ملاقات میں پڑھا آئے تھے۔ اوبامہ نے کٹھ پتلی کی طرح وہ سب کچھ اگل دیا۔ اور وزیر اعظم شریف سے استفسار کیا کہ حافظ سعید اور ممبئی سانحے کے دیگر ملزموں کو کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچایا گیا۔

اوبامہ صاحب نے ایک سو اسی ڈگری پر ٹرن لیتے ہوئے مہمان سے یہ بھی سوال کیا کہ وہ امریکہ کے خادم خاص ڈاکٹر شکیل آفریدی کو کیفر کردار تک کیوں پہنچانا چاہتے ہیں اور اپنے نام کا لحاظ کرتے ہوئے انتہائی شرافت سے شکیل آفریدی کو امریکہ کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔

اس ملاقات میں قوم کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ کا بھی ذکر ہوا، مگر کس پیرائے میں اور طے کیا ہوا، اس پر خاموشی طاری ہے۔ وہ کب تک امریکی جیلوں میں گلتی سڑتی رہے گی اور ڈاکٹر شکیل، ریمنڈ ڈیوس کی طرح کب اڑنچھو ہو جائیں گے، اس پر جو بھی فیصلہ ہوا، اس کا ذکر دونوں ملاقاتیوں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا۔ مشترکہ اعلامیہ بھی اس پر خاموش ہے۔ جانے کو تو ملالہ بھی چلی گئی بلکہ لے جائی گئی، آپریشن تو پاکستان میں ہو گیا تھا اور کامیاب رہا تھا، اسکے پیچھے اس کا باپ بھی چلا گیا اور ساتھ زخمی ہونے والی کائنات بھی۔ پیچھے کون رہ گیا۔ وہ جنہوں نے ملالہ اور کائنات کو نشانہ بنایا۔ ہم ان سے مذاکرات کریں گے اور ملالہ وزیر اعظم بننے کے لیئے واپس آئے گی، پوری طرح تجربہ کار ہو کر۔

نواز شریف کے پاس ایک ہی ترپ کا پتا تھا کہ صدر کلنٹن کے دستخطوں سے جاری ہونے والے اعلان واشنگٹن کی رو سے جناب اوبامہ سے اصرار کرکے کہتے کہ کشمیر کا مسئلہ حل کرانے کے لیئے ذاتی طور پر مداخلت کریں۔ میں نے مشترکہ اعلامیہ کو محدب عدسے کے ذریعے کھنگال مارا ہے، مجھے اس میں کشمیر کا لفظ تک نہیں ملا۔ البتہ اس میں انڈیا کا لفظ تین بار استعمال ہوا ہے۔ پہلے تو اس گیس پائپ لائن کا ذکر ہے جو ترکمانستان، افغانستان، پاکستان سے ہوتی ہوئی بھارت پہنچے گی، ساتھ ہی اسی نوع کے ایک بجلی کے ترسیلی نظام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اعلامیہ کے اختتامی پیراگراف میں پاک انڈیا دوطرفہ تعلقات میں بہتری لانے پر زور دیا گیا ہے اور اعلامیہ کی آخری سطر میں ایک بار پھر پاک بھارت معاشی تعلقات کے فروغ، بھارت سے پاکستان کو بجلی اور گیس کی فراہمی، ویزا کے اجرا میں نرمی، تجارت کو وسیع کرنے کی

ضرورت پر زور دیا گیا ہے، اس پر اعلامیہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ اعلامیہ پاکستان اور امریکہ کی قیادت کے درمیان ملاقات کے بعد جاری ہوا ہے یا پاکستان اور بھارت کی قیادت کی ملاقات کے بعد سامنے آیا ہے، یہی باتیں کہنا تھیں تو ان کے لیئے نواز شریف کو دوبارہ عازم امریکہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ تو بھارت کی وہ ضد کہاں گئی کہ پاک بھارت معاملات میں کسی تیسرے فریق کو مداخلت کا حق نہیں۔

اور امریکہ کا وہ موقف کہاں گیا کہ پاکستان اور بھارت تمام معاملات باہم مل بیٹھ کر طے کریں۔ اگر یہ اصول بائبل کی طرح مقدس تھا تو پاکستان سے کیوں پوچھا جا رہا ہے کہ ممبئی سانحے کے ملزموں پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا جاتا۔ کون کہتا ہے یہ مقدمہ نہیں چلا۔ پاکستان کی عدالتوں میں چلا اور حافظ سعید کو اس میں بری کیا گیا۔ پاکستانی عدلیہ کے فیصلوں کا احترام کیوں نہیں کیا جاتا، نہ بھارت کی طرف سے، نہ امریکہ کی طرف سے۔ بھارتی عدالت اجمل قصاب اور افضل گورو کو پھانسی کی سزا سنائے تو برحق اور پاکستانی عدالت کوئی فیصلہ دے تو اسے جوتی کی نوک پر رکھا جاتا ہے۔ واہ رے امریکہ بہادر! اپنا مرتبہ دیکھ اور بھارت کا جثہ دیکھ۔ اس کے رعب میں کیوں آ گئے ہو۔ اس بھارت کو تو روس نے بھی گھاس نہیں ڈالی اور من موہن کو چند روز قبل ماسکو کے دورے میں انرجی ٹیکنالوجی پر ٹھینگا دکھا دیا، چین نے بھی بھارت کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دی اور اپنی مرضی کے معاہدوں پر من موہن سنگھ سے انگوٹھے لگوا لیئے۔ پتا نہیں، امریکہ کو بھارت سے کیا عشق ہے۔ امریکی دورے نے نواز شریف کے بھارت کے ساتھ عشق کی وجوہات بھی صیغہ راز میں نہیں رہنے دیں، ہماری خام خیالی تھی کہ نواز شریف اپنے مفادات کے تحت بھارت کے عشق میں مبتلا ہیں، اب پتا چلا ہے کہ وہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو پیا چاہتا ہے۔ اور پردے کے پیچھے امریکہ تاریں ہلا رہا ہے اور ہمارے وزیر اعظم کٹھ پتلی بنے نظر آتے ہیں۔ پاکستان کا مفاد ایران سے گیس پائپ لائین میں ہے، اس کا ذکر وزیر اعظم شریف نے نہیں کیا۔ اگر وائٹ ہاؤس سے جاری ہونیوالے مشترکہ اعلامیے کے ساتھ ہی ایک حقائق نامے کو دیکھا جائے تو اس میں امریکہ نے پاکستان پر اس قدر احسانات گنوائے ہیں کہ ہمیں اس تنقید پر شرم محسوس ہوتی ہے جو ہم امریکہ پر کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے نواز شریف انہی احسانات کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ میں کسی کی مایوسی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا مگر کیا کروں پورے مشترکہ اعلامیہ میں ڈرون کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔ (25 اکتوبر 2013ء)

کشمیر، بھارت کا نہیں، پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے

وزیراعظم کی زبان پر کشمیر کا ذکر لندن میں آیا، انہوں نے مسئلے کے حل کے لیئے امریکہ سے مداخلت کی تجویز پیش کی، یہ سن کر بھارت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔حکومت اوراپوزیشن دونوں نے ہم زبان ہوکر کہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔

پورے پاکستان میں وزیراعظم کی حمایت میں صرف ایک آواز اٹھی اور وہ بھی فارن آفس کے کسی اہل کار کی، یہ اس کی سرکاری ذمے داری تھی۔

کیا ہم کشمیر کو بھول چکے، کیا پارلیمنٹ کی کوئی کشمیر کمیٹی نہیں جو وزیراعظم کی تائید کرتی یا بھارت کو منہ توڑ جواب دیتی، کیا کوئی وزیرامور کشمیر موجود نہیں جو اس مسئلے پر زبان کھولتے۔اور کیا بیسیوں سیاسی پارٹیوں کے رہنما گونگے یا بہرے ہوگئے۔

قبرستان کی اس خاموشی میں میرے قائد کی آواز گونج رہی ہے، کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔تو آؤ ان کی آواز میں آواز ملاکر کہیں کہ کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے، رہے گا اور بنے گا۔

بھارت نے جس منطق کی رو سے کشمیر کے مسئلے پر بیرونی مداخلت کو بلاجواز قرار دیا ہے، اس کی رو سے بھارت کی حکومت اوراپوزیشن دونوں نے یہ تو مان لیا کہ یہ پاکستان اور بھارت کے مابین ایک مسئلہ ہے اور شملہ سمجھوتے کے مطابق اسے دوطرفہ بات چیت سے حل کیا جانا ہے۔یہی بھارت ہمیشہ کہتا رہا ہے کہ کشمیر کا تو کوئی سرے سے مسئلہ ہی نہیں۔اس کا نام بھی نہ لومگر اب اس نے خود ہی مان لیا کہ مسئلہ تو ہے مگر دوطرفہ۔

ہمارے فارن آفس کے ترجمان نے بھارت کو یاد دلایا ہے کہ دوطرفہ معاہدے سے سلامتی کونسل کی

قراردادوں کا وجود ختم نہیں ہو جاتا، وہ اپنی جگہ پر ایک اٹل حقیقت ہیں اور بھارت کو ان پر عمل درآمد کرنا پڑے گا، جلد یا بدیر کہ مسئلے کا حل یہی ہے۔

کشمیر پاکستان کا اٹوٹ انگ کیسے ہے، اس فارمولے کی رو سے جو آزادی ہند اور تقسیم ہند کے لیئے تمام فریقوں نے قبول کیا۔ اس میں طے کیا گیا تھا کہ پاکستان اور بھارت سے ملحقہ ریاستیں آبادی کی اکثریت کے اعتبار سے دونوں میں سے کسی کا حصہ بنیں گی، یعنی اگر کسی ریاست کی آبادی کی اکثریت ہندو ہے تو وہ بھارت کو ملے گی اور اگر کسی ریاست کی آبادی کی اکثریت مسلمان ہے تو پاکستان کا حصہ بنے گی۔ کشمیر میں غیر مسلم حکمران نے اکثریتی مسلم آبادی والی ریاست کا الحاق بھارت سے کرنے کا اعلان کیا تو بھارت نے اس پر عمل درآمد کے لیئے کشمیر میں فوج داخل کردی۔ پاکستان کے قبائلی لشکر نے بھارتی فوج کو للکارا اور قریب تھا کہ وہ پٹھان کوٹ کا رابطہ کاٹ دیتے اور سری نگر ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیتے کہ بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو بھاگم بھاگ سکیوریٹی کونسل جا پہنچے، جہاں جنگ بندی اور استصواب کی قرارداد منظور کی گئی، بھارت نے اس قرارداد کو تسلیم کرنے کا اعلان تو کیا مگر پھر بھولے سے اس پر کبھی عمل نہیں کیا۔ پاکستان نے 65 میں آپریشن جبرالٹر کے ذریعے کشمیر میں پیش قدمی کی تو بھارت نے بین الاقوامی سرحدوں پر جارحیت کردی۔ اگر یہ لڑائی صرف کشمیر کے متنازعہ علاقے تک محدود رہتی تو کشمیر کے قضیئے کا فیصلہ اس جنگ سے ہو جاتا مگر ایک بار پھر بھارت نے سلامتی کونسل سے رجوع کیا اور سیز فائر کی بھیک مانگی۔

89 میں دیوار برلن ٹوٹی اور مشرقی یورپ کے راستے دنیا میں تبدیلی کی تیز رفتار ہوائیں چلیں تو کشمیریوں کا لہو بھی گرم ہوا اور وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر سڑکوں پر نکل آئے، بھارت نے ان کے جذبہ حریت کو کچلنے کے لیئے اپنی فوجی نفری بڑھانا شروع کردی، آج یہ تعداد سات لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور پچھلے تیس برس میں بھارتی غاصب افواج ایک لاکھ کشمیری نوجوانوں کو شہید کر چکی ہیں۔

نائن الیون کے بعد بھارت کو موقع مل گیا کہ وہ کشمیر میں جاری جنگ آزادی پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کردے۔ امریکہ سے کہلوا کر پاکستان کی آزادی پسند تحریکوں پر پابندی لگوادی گئی۔ پاکستان پر دہشت گردی کے الزامات میں اضافہ کرنے کے لیئے کبھی بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کا ڈرامہ رچایا گیا، کبھی سمجھوتہ ایکسپریس کو بموں سے اڑایا گیا۔ کبھی سانحہ ممبئی کا سوانگ رچایا گیا اور پھر پاکستان کی آئی ایس آئی اور لشکر طیبہ

کے خلاف الزامات کا طوفان کھڑا کر دیا گیا، جنرل اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں تو بھارتی وزیر اعظم نے پاکستان کو دہشت گردی کا منبع کہہ ڈالا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم لوگوں نے منہ میں گھنگھنیاں ڈال رکھی ہیں اور چپ شاہ بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے لبوں پر صرف امن کی آشا ہے۔ جبکہ بھارت نے کنٹرول لائن پر گولہ باری اور قتل غارت کی انتہا کر دی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ صرف یہ کہ کون ہے جو بھارت کو لگام دے سکے۔ وہ بین الاقوامی بارڈر پر بھی ہمیں للکار رہا ہے۔

بھارت سے ہمارا ایک ہی جھگڑا ہے، وہ ہے کشمیر پر بھارت کے جارحانہ قبضے کا، امن کی آشا والے یہ قبضہ چھڑا دیں، بھارت سے تجارت کو فروغ دینے کے خواہش مند سری نگر کی بیٹیوں کو بھارتی فوج کی ہوسناک نگاہوں سے محفوظ کر دیں تو بھلے وہ بھارت سے تجارت کا شوق پورا کرتے رہیں۔

مسئلہ کشمیر صرف دو طرفہ نہیں، اگرچہ گزشتہ روز امریکی ترجمان نے کہہ دیا کہ بھارت جانے اور پاکستان جانے، وہ دونوں مل بیٹھ کر یہ مسئلہ طے کرتے رہیں لیکن شاید یہ امریکی ترجمان نہیں جانتا کہ جولائی 99 کو امریکہ کے یوم آزادی پر صدر کلنٹن نے میاں نواز شریف سے ملاقات کے بعد ایک اعلامیہ واشنگٹن جاری کیا تھا جس میں کلنٹن نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو حل کرانے میں ذاتی کردار ادا کریں گے۔ کوئی بھارت اور اب امریکہ کے نئے ترجمان سے پوچھے کہ اگر کشمیر کا مسئلہ دو طرفہ تھا تو پھر صدر کلنٹن نے ذاتی مداخلت کا کیسے وعدہ کر لیا۔ اور ہمارے وزیر اعظم کو بھی اپنی یادداشت بہتر بنانی چاہیئے، انہوں نے جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہہ ڈالا کہ کشمیر کا مسئلہ اعلان لاہور کی روشنی میں حل کیا جائے اور اعلان لاہور کہتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ شملہ سمجھوتے کی رو سے دو طرفہ بنیادوں پر حل کیا جائے گا۔ وزیر اعظم ایک سانس میں متضاد باتیں کہہ جاتے ہیں، کوئی ان کے ارد گرد ایسا مشیر بھی ہے جو انہیں حقائق سے باخبر رکھے۔

ہمیں خود ہی مسئلہ کشمیر کو بلڈوز نہیں کرنا چاہیئے۔ کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے، بنے گا اور رہے گا۔

حافظ سعید جی! آپ ہی یہ نعرہ گلے کی پوری قوت سے لگا دیں۔ کشمیر کے لیئے بدنام ہیں تو زبانی کلامی ہی کشمیر کا نام تو زبان پر لائیں۔ (23 اکتوبر 2013ء)

اوباما شریف فوٹو سیشن

بس چلتا تو نواز شریف اپنے بیرونی دوروں کی اننگز کا آغاز بھارت کے سفر سے کرتے۔ پاکستانی حکمران عام طور پر پہلے پہل سعودیہ جانے کی خواہش رکھتے ہیں جہاں روحانی بیٹری بھی چارج ہو جاتی ہے اور جیب بھی گرم ہو جاتی ہے۔ نواز شریف کی دونوں خواہشیں ادھوری رہ گئیں۔

اس کے لیئے اگر کسی کو موردالزام ٹھہرایا جا سکتا ہے تو وہ امریکی وزیر خارجہ جان کیری ہیں جو کئی ملکوں کے سفر پر نکلے لیکن پاکستان کو نظر انداز کرتے ہوئے نئی دہلی جا پہنچے۔ نواز شریف نے اس توہین کا بدلہ اتارنے کے لیئے چین کے دورے کا پروگرام بنا لیا۔ اس طرح پاک امریکہ تعلقات ابتدا ہی میں پٹڑی سے اتر گئے۔

دوسری طرف چار پانچ ماہ کے اقتدار میں نواز شریف ابن بطوطہ بن گئے۔ چین، سعودیہ، ترکی، امریکہ کے دوروں کے بعد وہ پھر عازم امریکہ ہو گئے ہیں، وہاں سے واپسی پر لندن کا دورہ ان کا منتظر ہے۔ عام پاکستانی کو معلوم نہیں کہ ان دوروں کا ملک اور اس کے عوام کا کیا بھلا ہوا۔

چند ہفتے قبل ہمارے وزیر اعظم امریکہ ہی میں تھے، پاکستان اور امریکہ کے مابین تعلقات معمول کے مطابق ہوتے تو اوبامہ، شریف ملاقات جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر ہی ہو جاتی، پچھلے دور میں صدر کلنٹن سے شریف کی دو ملاقاتیں یکے بعد دیگرے جنرل اسمبلی کے اجلاسوں کے دوران ہی ہوئیں۔ کلنٹن سے ایک ملاقات کارگل میں جنگ بندی کے لیئے ہنگامی طور پر کرنا پڑی۔ سولہ برس بعد امریکی صدر نے سرد

مہری کا مظاہرہ کیا، اس کی وجہ پاکستان کے نئے وزیراعظم نہیں بلکہ خود امریکہ کا پاکستان سے وہ سلوک ہے جو ایبٹ آباد اور سلالہ میں پاکستان کے ساتھ روا رکھا گیا۔ ڈرون حملے بھی دونوں ملکوں کے درمیان خلیج وسیع کرنے کا باعث بنے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ پاکستان کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گیا۔ اوپر سے افغانستان کی جنگ میں پاکستان کو ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے بعد کابل کا مستقبل بھارت کے حوالے کیا جا رہا ہے۔

اوبامہ صاحب نے جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے ملاقات کے لیئے خاص طور پر وقت نکالا۔ اور نواز شریف کو وعدہ فردا پر ٹرخا دیا۔

اس پس منظر میں کوئی باغیرت پاکستانی حکمران واشنگٹن کے ناز نخرے اٹھانے کے لیئے تیار نہیں ہوسکتا تھا۔ نواز شریف کو امریکہ کے ساتھ جو رویہ اختیار کرنا پڑا، وہ ان کی مجبوری تھی۔

اگلے چند روز میں اوبامہ، شریف فوٹو سیشن تو ہو جائے گا مگر یہ سعی لاحاصل ہے، امریکہ اور پاکستان دونوں کے لیئے۔

پاکستان کو کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ درپیش مسائل کے لیئے امریکہ کوئی چارہ گری کرے گا۔ توانائی کا بحران، ڈرون حملے، دہشت گردی۔ یہ تین بڑے مسائل ہیں لیکن امریکہ کے پاس پاکستان کے لیئے کوئی سوغات موجود نہیں۔

امریکہ کو پاکستان سے سردست کیا درکار ہے، افغان فوجوں اور جنگی سامان کی واپسی کے لیئے طالبان سے بات چیت کا ڈرامہ کر کے ایک سازگار ماحول اور فاٹا میں موجود انتہا پسندوں کی بیخ کنی۔ امریکہ کی ایک دیرینہ خواہش یہ بھی ہے کہ علاقے میں بھارتی بالادستی کو پاکستان قبول کر لے۔ عام حالات میں نواز شریف اس کے لیئے تیار تھے مگر کنٹرول لائن پر پاکستانی فوجیوں اور آزاد کشمیری شہریوں کی شہادت، بلوچستان میں دہشت گردی کی سرگرم سرپرستی جس کا دائرہ پورے پاکستان میں پھیل چکا ہے اور شہباز شریف کی ناک تلے ، لاہور کی پرانی انار کلی تک میں بم دھماکوں کی ذمے داری بلوچ قوم پرست قبول کر رہے ہیں جنہیں بھارت کی شہ حاصل ہے۔ وزیراعظم نواز شریف کے بس میں نہیں کہ بھارت کی اس خون گردی کو فراموش کر سکیں۔

تو پھر اوبامہ، شریف ملاقات کا ایجنڈا کیا ہوگا۔ امریکہ نے جو دینا تھا، اس کا اعلان تو خاموشی سے کر

دیا۔اور یہ نواز شریف کے دورے کی کامیابی کی علامت نہیں بلکہ امریکہ کی اس امر کے لیئے کوشش ہے کہ پاکستان کی نئی حکومت ممنونیت (مطلب صدر ممنون نہیں) میں امریکی احکامات پر بلا چون و چرا عمل کرتی رہے۔ایک اعشاریہ چھ بلین ڈالر کی امداد کی غرض وغایت اور کوئی نہیں۔

دیکھا جائے تو خود نواز شریف نے بھی امریکی دورے کو کامیاب بنانے کے لیئے کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی، نہ کوئی وزیر خارجہ ہے جو اس پر کام کرتا، نہ واشنگٹن میں کوئی سفیر تعینات کیا گیا، یہ دارالحکومت اس قدر بھی غیر اہم نہیں تھا، معاملہ واشنگٹن کا ہے، کھٹمنڈو کا نہیں۔امریکہ اور پاکستان کے معاملات کا بڑا پہلو دفاعی نوعیت کا ہے لیکن نہ جنرل کیانی کا کوئی جانشین نامزد کیا گیا ہے، نہ جائنٹ چیف کی خالی کرسی پر کسی کو بٹھانے کی ضرورت سمجھی گئی۔امریکہ میں پینٹاگان کو کچھ معلوم نہیں کہ اسے راولپنڈی کے جی ایچ کیو میں کس ٹیم کے ساتھ کام کرنا ہے۔تو نواز شریف جو خود ہی وزیر اعظم ہیں، خود ہی وزیر دفاع اور خود ہی وزیر خارجہ بھی، کیا امریکہ اس ایک فرد کے ساتھ معاملات طے کرے گا، ہاں وہ کر لیتا اگر نواز شریف چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے سیاہ وسفید کے مالک ہوتے۔

امریکہ سے اکیلے پاکستان کے تعلقات میں دوری نہیں آئی، سعودی عرب بھی اس کی پالیسیوں پر بر افروختہ ہے اور اس نے احتجاج کے طور پر سلامتی کونسل میں جیتی ہوئی نشست سنبھالنے سے فی الوقت معذرت کر دی ہے۔ایران کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کا احیا ضرور ہو رہا ہے لیکن اس سے عرب دارالحکومت بپھر گئے ہیں۔امریکہ کی کمزور پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے روس کے صدر پوتن نے بھی للکارا مار دیا ہے۔اور تو اور امریکی کانگرس کے تیور بھی بگڑے ہوئے ہیں اور اس نے بجٹ کی نامنظوری سے دو ہفتوں تک اپنی حکومت کو مالی طور پر شل کر کے رکھ دیا تھا۔

صدر اوباما اس زخمی حالت میں کمزور اقوام پر جھپٹنے کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔پاکستان معاشی طور پر بے دست و پا ہو چکا ہے، دہشت گردی کے عفریت نے جسدِ قومی کی رگوں سے لہو نچوڑ لیا ہے۔ہمارے پاس ایک ایٹمی قوت بچی ہے جس پر امریکہ، اسرائیل اور بھارت کی حریصانہ نظریں جمی ہیں۔نواز شریف کو امریکی صدر کی آنکھوں میں جھانک کر ان کے عزائم پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر رتی بھر شبہ پڑے تو وہ واپس آ کر قوم کو درپیش خطرات کے مقابلے کے لیئے تیار کریں۔

اگلے برس تک بھارت میں بھی ایک دہشت گرد اور انتہا پسند شخص نریندر مودی وزیراعظم بن سکتا ہے، یہی وہ سال ہے جب کابل سے امریکی اور نیٹو افواج بھی رخصت ہو جائیں گی اور پاکستان کی پشت بھی ننگی ہو جائے گی۔نواز شریف کو دور بینی اور دور اندیشی کے ذریعے ان حالات سے نپٹنے کی کوشش کرنا ہوگی۔اگر شہباز شریف، اسحٰق ڈار، حمزہ شہباز، سلمان شہباز یا شریف خاندان کے کسی فرد میں ان قیامتوں کو ٹالنے کی صلاحیت ہوتی تو آئین پاکستان میں جمہوری نظام کو اپنانے کی پابندی نہ ہوتی۔قوموں کو لاحق خطرات کا مقابلہ ایک قومی قیادت ہی کرسکتی ہے، یہ کسی ایک خاندان کے بس کی بات نہیں۔

پاکستان کو عالمی استبداد سے محفوظ کرنا ہے تو ملک میں خالص اور طاقتور جمہوری نظام لانا ہوگا اور پوری قوم کو قیادت کے پیچھے کھڑا کرنا ہوگا۔امریکی صدر سے فوٹو سیشن ہوگیا، اب وزیراعظم، ملک میں عوام کے ساتھ بھی فوٹو سیشن کریں۔(21 اکتوبر 2013ء)

اعلان کیانی کے بعد

افترا پرداز اب بھی باز نہیں آئے، وہ کیانی سے نجات چاہتے تھے، وہ مل گئی، ان کی خواہش تو تھی کہ اس مثالی سپاہ سالار کی عزت خاک میں ملائیں۔ وال اسٹریٹ جرنل کے مورچے میں بیٹھے سازشی صاف پہچانے جاتے ہیں۔ روگ آرمی کا اشتہار چھپا تھا تو ہر کسی کو پتا تھا کہ اس کے پیسے کس نے دیئے ہیں، مگر اعلان کیانی نے کئی سازشوں اور سازشیوں کے آگے بند باندھ دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنی عزت اور اپنے وقار کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔

ویسے حکومت کے پاس اب بھی موقع ہے کہ وہ انہیں قبل از وقت ریٹائر کر دے۔ ن لیگ سے تعلق رکھنے والے مشاہداللہ نے تو کہا ہے کہ کیانی کا اعلان کافی نہیں، اصل فیصلہ تو حکومت نے کرنا ہے، مشاہداللہ کسی روز ٹی وی پر چیف جسٹس کی ذات اور ان کے مستقبل پر اس طرح منہ کھول کر دکھائیں۔ دن میں تارے نہ نظر آ جائیں تو میرا نام بدل دیں، ایک آرمی اور اس کا سربراہ ہی ایسے ہیں کہ ہر کوئی منہ اٹھا کر ان کی درگت بنانا شروع کر دیتا ہے۔ آئی ایس آئی کو امریکہ اور بھارت گلا پھاڑ کر گالیاں نکالتے ہیں اور ہم بھی اس قومی ادارے کو صلواتیں سنانے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

لگتا ہے حکومت کو کوئی جلدی نہیں ہے، وہ فوجی عہدوں کے امیدواروں کو تھکا تھکا کر ہلکان کرنا چاہتی

ہے، کوئی رائے ونڈ کے چکر لگاتا رہے، میڈیا الگ سے قیاس کے گھوڑے دوڑاتا رہے، وزیراعظم نے تو کہہ دیا ہے کہ سوچ سمجھ کر فیصلے کا اعلان کروں گا۔ میاں نواز شریف کو صرف بارہ اکتوبر ننانوے کو ہی جلدی تھی، اس دن ان کی ذات کا مسئلہ تھا، اب کہتے ہیں کہ ملکی مفاد کا مسئلہ ہے۔ اور ملکی مفاد کے بارے میں ہر کسی کو علم ہے کہ اسوقت ملک کا کوئی مفاد نہیں، نہ کسی کو پتا ہے کہ لڑنا ہے تو کس سے لڑنا ہے۔ مذاکرات کرنے ہیں تو کس سے کرنے ہیں۔ وار آن ٹیرر امریکہ کی جنگ ہے یا ہماری جنگ ہے، ڈرون حملے دہشت گردی کا سبب ہیں یا دہشت گردوں کو ڈرون حملوں میں ٹارگٹ کیا جاتا ہے، ڈرون حملوں پر پچھلی حکومتوں کی تقلید میں خالی خولی احتجاج کرنا ہے یا انہیں مار گرانے کا حکم بھی دینا ہے، بھارت ہمارا دوست ہے یا دشمن، ملکی پالیسی عجب چوں چوں کا مربہ بن کر رہ گئی ہے۔ ہم ایک مخمصے کا شکار ہیں، ہماری سمت واضح نہیں، ہم اپنی ترجیحات نہیں جانتے۔

ملک اگر وزیر دفاع کے بغیر چل سکتا ہے، وزیر خارجہ کے بغیر چل سکتا ہے، بلوچستان کا صوبہ کسی کابینہ کے بغیر چل سکتا ہے، پنجاب کا نظام حمزہ میاں چلا سکتے ہیں۔ واشنگٹن اور لندن میں سفیروں کے بغیر کام چل رہا ہے اور پتا نہیں کتنے سرکاری محکموں کو سیکرٹری میسر نہیں، کتنے ہسپتالوں میں ڈاکٹر نہیں، کتنے اسکولوں میں ٹیچر نہیں تو فوج بھی کچھ دیر آرمی چیف یا جائنٹ چیف کے بغیر گزارا کرے۔

کسی نے فون پر پوچھا ہے، کیا صرف فوج کے افسر ہی ایکس ٹینشن لیتے ہیں۔ لاہور کی پریس کلب کے سامنے ایک پبلک سروس کمیشن ہے، اس میں کتنے ہی اعلیٰ سرکاری افسر ریٹائرمنٹ کے بعد مزید تین برس کے لیئے تعینات کر دیئے جاتے ہیں، عبدالرؤف صاحب ابھی وفاقی سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں انہیں نیب کے لیئے تریاق خیال کیا جاتا ہے، کیانی پر بات کرتے ہوئے تو اعتراض کیا جاتا ہے کہ افراد نہیں، ادارے ناگزیر ہیں تو کسی ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ کو ناگزیر کیوں خیال کیا جاتا ہے، اگر حاضر سروس افسروں میں سے کوئی نیب نہیں چلا سکتا تو ان سب کو گھر بھجوا دینا چاہیئے۔ کیانی کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو بار توسیع لے چکے تو صاحب! نواز شریف کو تیسری مرتبہ لانے کیلیئے آئین میں ترمیم کیوں کی گئی، ایسی ترمیم فوج کے سربراہ کے لیئے بھی کر لی جائے۔ اگر حکومت کے لیئے کوئی ایک فرد ناگزیر ہو سکتا ہے تو ملکی دفاع کے لیئے ایک جرنیل کیوں نہیں۔ ویسے اس نے اس امکان کو سرے سے مسترد کر دیا ہے، وہ کہتا ہے وقت پر ریٹائر ہو جاؤں گا، کوئی اور عہدہ بھی نہیں لوں گا، آپ تو سجدہ شکر ادا کریں کہ رستہ صاف ہو گیا، اب

کوئی مرضی کا آرمی چیف لے آئیں یا ناوے والے چند گھنٹوں کے لیئے چیف، جنرل ضیاالدین بٹ کو پھر سے عہدہ دے دیں، اس طرح صدر تارڑ کی بحالی کا رستہ بھی نکل آئے گا، عدلیہ نے بعض فیصلوں میں وائڈ ے ایب اینشیو کی اصطلاح استعمال کی ہے۔حکومت بھی کہہ دے کہ مشرف کو ہٹا دیا گیا تھا، بارہ اکتوبر کے بعداس کے دور کو وائڈ ے ایب اینشیو سمجھا جائے اور کھیل وہیں سے شروع کیا جائے جہاں بارہ اکتوبر کو معطل ہوا تھا، مطیع اللہ جان نے دو قسطوں میں اس روز کا ٹی وی کا نقشہ کھینچا ہے، لگتا ہے کسی بنا ناری پبلک کی کہانی ہے یا گھر میں سوتنوں کی لڑائی مار کٹائی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔وزیر اعظم کے لیئے نئے فوجی عہدوں کے اعلان کے لیئے مناسب دن بارہ اکتوبر ہے اور یہ زیادہ دور نہیں، اس روز وہ ٹی وی پر عین پانچ بجے ایک تقریر فرمائیں، ماضی کے فوجی جرنیلوں کو جی بھر کے کوسیں اور نئے فوجی ماتحتوں کا اعلان کریں۔اس طرح ان کے جذبات کو کچھ تو آسودگی میسر آسکے گی۔انگریزی میں اسے کتھارسس کہتے ہیں۔

بارہ اکتوبر کو جمہوریت کی تجدید کے طور پر منایا جائے۔

مگر میں نے فوجی ماتحت کی اصطلاح غلط طور پر استعمال کی ہے۔کیا سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹر کسی وزیر اعلیٰ کے ماتحت ہوتے ہیں، کیا وزیر اعلیٰ ان کو حکم دے سکتے ہیں کہ وہ ایمر جنسی میں مریضوں کو چیک نہ کیا کریں، آپریشن بند کر دیں، کیا اسکول ٹیچروں کو حکومت کہہ سکتی ہے کہ وہ بچوں کو پڑھانے نہ آئیں، ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو یقین جانیئے کہ آرمی چیف بھی کسی وزیر اعظم کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ کنٹرول لائن پر مورچے میں بیٹھا ہوا عام فوجی بھی اپنے کسی افسر کا ماتحت نہیں ہوتا، اس پر بھارتی فوج ایک گولی چلائے گی تو وہ افسران بالا کی اجازت کا محتاج نہیں، اسے اختیار ہے کہ اپنے دفاع میں دس گولیاں چلائے۔مگر ہم نے کچھ عرصے سے اپنی فوج اور اس کے چیف کو ایک کلرک سے زیادہ بے اختیار بنا دیا ہے، امریکہ ایبٹ آباد پر حملہ کرتا ہے، ہم آرمی چیف کو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا حکم دیتے ہیں، آرمی چیف کے بچے سلالہ میں امریکی فوج ذبح کر دیتی ہے، ہم اپنے آرمی چیف کو تحمل سے کام لینے کا حکم دیتے ہیں۔آرمی چیف کی آنکھوں کے سامنے قوم ہر روز ذبح ہوتی ہے مگر ہم اے پی سی کا جرگہ بلا کر اسے مجبور کرتے ہیں کہ امن کو ایک موقع دیا جائے۔اس حال میں کون ہے جو آرمی چیف کی کرسی سے چمٹے رہنے کو ترجیح دے گا، کیانی نے غیرت کا شاہنامہ رقم کر دیا ہے۔(9اکتوبر 2013ء)

اعلان کیانی

نواز شریف نے چار سال قبل کہا تھا کہ جنرل کیانی کو توسیع نہیں ملنی چاہیئے، پرویز رشید نے اس اتوار کو کہا کہ جنرل کیانی کو توسیع نہیں دیں گے۔ چند گھنٹوں بعد آئی ایس پی آر کی طرف سے ایک پریس ریلیز سامنے آ گئی جس کا مطلب تھا کہ کیانی کوئی توسیع نہیں چاہتے۔اب آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔

ریٹائر کرنا یا نہ کرنا حکومت کا اختیار ہے مگر کیانی نے یہ اختیار خود استعمال کیا۔اور حکومت منہ دیکھتی رہ گئی۔

جنرل آصف نواز حادثاتی موت سے ہمکنار ہوئے تو میں نے کچھ لوگوں کو قہقہے لگاتے دیکھا اور سنا۔

جنرل کیانی کی ریٹائرمنٹ کے اعلان پر انہی لوگوں نے گزری ہوئی شب، شب برات کے طور پر منائی ہو گی۔

جنرل کیانی جیسا بھلا، آرمی چیف کس کو ملے گا، پانچ وزیر اعظم بھگتائے، کسی کو تنگ نہیں کیا، ہاں ایک موقع پر گیلانی نے ضرور کہا کہ ریاست کے اندر ریاست نہیں چلنے دوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے آرمی چیف کو مخاطب کیا تھا یا صدر زرداری کو۔

کیانی کو اتوار والے فیصلے پر پہنچانے کے لیئے ملکی میڈیا نے مئی ہی میں دباؤ بڑھا دیا تھا۔کیانی خود بھی زیادہ ہی شریف آدمی ہیں، ابھی نواز شریف وزیر اعظم نہیں بنے تھے کہ ان کے پاس ماڈل ٹاؤن چلے آئے۔ یار لوگوں نے سوچا ہو گا کہ یہ تو ایک کمزور شخص ہے۔پھر نثار اور شہباز بریگیڈ نے گھیرا ڈالا، آخر میں اکیلے شہباز دوبدو ہوئے، غیر ملکی میڈیا بھی بیحد متحرک تھا۔وال اسٹریٹ جرنل نے بھی اتوار کو ایک خبر شائع کی۔نثار اور شہباز کیا چاہتے تھے، ملکی اور غیر ملکی میڈیا کیا چاہتا تھا، میرا اندازہ ہے کہ سب کا مقصد ایک تھا کہ کیانی سے

نجات حاصل کی جائے۔

میں حالات سے براہ راست باخبر نہیں ہوں مگر مجھے یوں لگا کہ یوم شہدائے گیاری پر تقریر جنرل کی الوداعی تقریر ہے، میں نے اسی لیئے لکھا کہ وہ جاتے جاتے قوم کو رلا کیوں رہے ہیں، یہ میری طرف سے کیانی کو خدا حافظ تھا۔ اگر کیانی یہ چاہتے تھے کہ افواہیں دم توڑ جائیں تو یہ خواہش پوری نہیں ہوئی، پیر کے روز کے اخبارات مزید افواہوں سے بھرے ہوئے ہیں کہ کیانی کو کوئی نئی نوکری مل سکتی ہے، قومی سلامتی کا مشیر یا واشنگٹن میں سفارت۔ مجھے شبہ ہے کہ جب تک کیانی صاحب ایک بریف کیس اور لیپ ٹاپ اٹھائے بیرون ملک لیکچر دینے روانہ نہیں ہو جاتے، افواہ سازان کا تعاقب کرتے رہیں گے۔

کیانی نے تو جانے کا فیصلہ سنا دیا، ان کی جگہ کون لے رہا ہے، میڈیا بعض امیدواروں کی خوبیاں گنوا رہا ہے، ایک امیدوار کے بارے میں تو یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ رائے ونڈ کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ اب ان صاحب کی عزت کیا رہ گئی۔ مسئلہ آرمی چیف کے انتخاب کا ہے، جاتی عمرہ کے محلات کے سکیوریٹی چیف کا نہیں۔

مگر ملکی اور غیر ملکی میڈیا دنیا کی ایک بہترین دفاعی فوج اور اس کے سپاہ سالار کی درگت بنانے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتا۔

ادھر میاں نواز شریف کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ وہ چھاچھ بھی پھونک کر پیتے ہیں۔ وہ جنرل اسلم بیگ، جنرل وحید کاکڑ، جنرل آصف نواز اور جنرل مشرف کا سلوک نہیں بھولے، اس لیئے وہ ایسا آرمی چیف لائیں گے جو ان کا ذاتی وفادار ہو، مگر آئین میں آرمی چیف کے لیئے ایسی کسی خوبی کا ذکر نہیں، کہنے کو تو چیف جسٹس کی بحالی کے لیئے میاں صاحب نے ہی آخری زور لگایا لیکن یہی چیف جسٹس اب ان کی حکومت کے عوام دشمن اقدامات کا ازخود نوٹس لے رہے ہیں۔ تو کیا اگلا چیف جسٹس بھی وفاداری کے معیار پر پرکھا جائے گا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری بیوروکریسی کو تو دم ہلانے کی عادت سی ہو گئی ہے، حکومت وقت کو ایک سے ایک بڑھ کر وفادار دستیاب ہے، مگر شاید کوئی آرمی چیف اور چیف جسٹس آئندہ اس معیار کا نہ ملے۔ اب اس ملک میں کچھ روایات نئی بھی قائم ہو چکی ہیں، میں تو روزانہ ن لیگ کے تنخواہ یافتہ کالم نویسوں کو پہلے پڑھتا ہوں مگر ان میں سے کوئی بھی ان کا دل و جان سے دفاع کرتا نظر نہیں آتا۔ یا شاید انہیں بروقت اور حسب منشا

تنخواہ نہیں ملتی۔

کارحکومت کوئی کارخانہ چلانے کے مترادف نہیں کہ بنکوں سے قرضہ لیا اور ہڑپ کر گئے۔اور ملکی دفاع تو اس سے بھی بڑھ کر مشکل ہے۔امریکہ جیسا ملک ہانپ گیا ہے، بھارت جیسی منی سپر پاور پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتی تو یقین مانو کہ یہ ایک انوکھا فن ہے۔پاکستان کی سرحد پر بی آر بی نہر کس نے اور کیوں بنوائی اور لاہور کے بیچوں بیچ گزرنے والی نہر پر دفاعی مورچے کس نے تعمیر کیئے، شاید آج کے کئی جرنیلوں کو بھی یہ معلوم نہ ہو، اور سیاستدانوں میں تو چوسنی گروپ کی اکثریت ہے جو چوہڑ ہڑپال کے واقعہ کو بھی نہیں جانتے۔اکثر سیاستدانوں کے بیوی بچے بیرون ملک ہیں، اسحاق ڈار عید لندن میں اپنے بچوں کے ساتھ منائیں گے، وزیراعظم کے بیٹے لندن میں ہیں، زرداری کی اولاد باہر ہے، عمران کی اولاد باہر ہے، الطاف حسین خود باہر بیٹھ کر سیاست کرتے ہیں، کیا ملک کے دفاع کرنے والوں کی فیملی بھی بیرون ملک مقیم ہے، اگر ہے تو ان سے سرحدوں کے دفاع کی امید عبث ہے۔وہ کس کے لیئے قربانی دیں گے۔ قربانی دی جاتی ہے تو ماں بہن بیٹی، بیٹے کی شکل ذہن میں لاکر۔حکمرانوں کی اولاد اور ان کا کاروبار اور بینک بیلنس باہر ہو تو انہیں غریب کی کٹیا کی فکر کیوں ہوگی، وہ تو چھوٹی سے چھوٹی سوزوکی کار کا ٹیکس جبری طور پر وصول کریں گے، ایک بلب جلانے والے کو ہزاروں کا بل بھیجیں گے۔

اعلان کیانی نے حکومت کے لیئے سب راستے کشادہ کردیئے ہیں۔اب نئی فوجی تقرریوں کا مسئلہ آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ (8 اکتوبر 2013ء)

امن کا لاشہ

مجھے اپنے وزیراعظم کی عزت بے حد عزیز ہے۔

بھارتی انتہا پسند لیڈر نریندر مودی نے بھی اپنے وزیر اعظم کا شدومد سے دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ نواز شریف کو ان کا مذاق اڑانے کا حق نہیں دے سکتے۔ یہ نریندر مودی کی منافقت ہے۔ انہوں نے رنجیت سنگھ کی خالہ والا لطیفہ دہرایا ہے جس نے شرط لگائی تھی کہ وہ سردار جی کے منہ پر انہیں کانا کانا کہے گی، مودی صاحب نے بھی اسی طرح من موہن کو درجنوں بار ایک دیہاتی گنوار عورت کہہ ڈالا۔

جس وزیراعظم کی اپنے ملک میں کوئی عزت نہیں، جس کی پارٹی کا نائب صدر اور شہزادہ راہول گاندھی وزیراعظم کے آرڈی ننس کے بارے میں کہے کہ اسے کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا جائے، ہمارے وزیر اعظم اسے ملنے کو بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ ابھی الیکشن کا رزلٹ نہیں نکلا تھا کہ انہوں نے فرمادیا کہ وہ من موہن کو اپنی تقریب حلف برداری میں مہمان خصوصی کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ کوئی بلائے یا نہ بلائے، بھارت کا دورہ ضرور کروں گا اور پھر فرمایا کہ پاکستان کے ووٹروں نے انہیں بھارت سے قیام امن کا مینڈیٹ دیا ہے۔

جنرل مشرف کو بھی بھارت کا دورہ کرنے کی بے تابی تھی مگر جب وہ آگرہ کے ہوٹل سے نکلے تو کوئی بھارتی

لیڈر رات کی تاریکی میں انہیں الوداع کہنے کے لیئے نہیں آیا۔

میں اپنے وزیر اعظم کی بہت عزت کرتا ہوں مگر وہ خود بھی تو اپنی عزت کا خیال رکھتے، کیا یہی ملاقات تھی جس کے لیئے وہ مہینوں سے ترس رہے تھے۔

ایک پھپھے کٹنی، گنوار، دیہاتی عورت کی طرح امریکی صدر اوبامہ کو شکائیتیں لگانے والے وزیر اعظم من موہن سنگھ کے ساتھ نواز شریف نے مل کر دیکھ لیا، اپنا سارا شوق پورا کر لیا۔

مجھے افسوس ہے کہ وزیر اعظم کو حالیہ الیکشن میں عوام نے جس امن کے قیام کا مینڈیٹ دیا تھا، وہ اس امن کا لاشہ اٹھائے نیویارک سے واپس آرہے ہیں۔

ہمارے وزیر اعظم کے اردگرد کوئی تو ایسا ہو جوان کو بتائے کہ بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید اور بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کا یہ الزام غلط اور بے سروپا ہے کہ پاک فوج اور آئی ایس آئی امن کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ پاکستان کے سٹیٹ اور نان سٹیٹ ایکٹرز اس امن کے قیام کے دشمن نہیں، بلکہ پوری کی پوری بھارتی ذہنیت پاکستان سے امن نہیں چاہتی، بھارت کی فوج پاکستان سے امن نہیں چاہتی۔ ان دنوں پاک فوج سانحہ گیاری کے شہدا کی یاد منا رہی ہے، نواز شریف نے ایک سال قبل کہا تھا کہ دونوں ملکوں کو سیاچین سے فوج واپس بلا لینی چاہیئے تو کیا کسی کو یاد ہے کہ اس کی مخالفت میں کس نے آواز اٹھائی تھی، کسی اور نے نہیں بلکہ سابق بھارتی آرمی چیف جنرل سنگھ نے جو آج نریندر مودی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے جلسوں میں کھڑے ہیں، جن کی ایکس سروس مین سوسائٹی نے اپنے ارکان پر زور دیا ہے کہ وہ بی جے پی کی حمایت میں آگے بڑھیں، جنرل سنگھ نے انکشاف کیا ہے کہ کشمیری لیڈروں کا دل جیتنے کے لیئے بھارتی فوج 1947 سے پیسہ بانٹ رہی ہے، اسی جنرل نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ انہوں نے ایک کشمیری وزیر کو گیارہ کروڑ روپے نوجوانوں میں بانٹنے کے لیئے دیئے، جس وقت میں یہ تحریر لکھ رہا ہوں، مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی میں اس جرنیل کے خلاف قرارداد استحقاق پیش ہو چکی ہے۔ جنرل سنگھ کے انکشافات نے بھارت میں لرزہ طاری کر دیا ہے اور بھارتی ذہنیت کو ننگا کر دیا ہے کہ کس طرح لشکر طیبہ کے سربراہ حافظ محمد سعید کو شہید کرنے کے لیئے پاکستان میں بھارتی کمانڈو داخل ہو گئے۔ ہمارا ایک عدالتی کمیشن بھارت سے ابھی ابھی واپس آیا ہے جسے ممبئی سانحے پر عدالتی جرح کے دوران یہ پتا چلا کہ نہ صرف ممبئی سانحہ بلکہ سمجھوتہ ایکسپریس دھماکہ، مالی گاؤں قتل عام، دلی

پارلیمنٹ حملہ اور امرناتھ یاترا پر حملوں میں بھارتی را ملوث تھی اور یہ سب حادثات بھارتی سٹیٹ ایکٹرز کی ذہنیت کا شاخسانہ تھے۔

میاں نواز شریف اگر یہ حقائق از بر کر لیتے تو وہ جنرل اسمبلی میں زیادہ زور دار تقریر کر سکتے تھے اور دیہاتی، گنوار، پھپھے کٹنی کو اوبامہ سے ملاقات کے باوجود جنرل اسمبلی میں تقریر کے دوران پاک فوج پر الزامات لگانے کی جرات نہ ہوتی۔ نہ بھارت کے وزیر خارجہ سلمان خورشید آئی ایس آئی پر برستے۔ میاں صاحب کی ٹیم میں شامل وزیر خزانہ اسحاق ڈار اور وزیر ریلوے خواجہ آصف نے ان الزامات کا کیا جواب دینا تھا۔

رہی سہی کسر ناشتے کی میز پر نکل گئی، اور یہ ناشتہ بھی نصیب میں نہیں لکھا تھا، دنیا کے ہر وزیر اعظم کا دستر خوان میاں نواز شریف کی طرح وسیع نہیں ہوتا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ بھارت کے وزیر اعظم کا تو دل بھی بہت چھوٹا نکلا، انہوں نے تو مصافحہ بھی بے دلی سے کیا، اور پوری ملاقات کے دوران وہ اپنے مہمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے قابل بھی نہیں تھے، جس وزیر اعظم کی ساری سیاست اور سفارت کی بنیاد ہی جھوٹ پر مبنی ہو، وہ اپنے ہمسایوں کا سامنا کیسے کر سکتا ہے۔

میاں صاحب، آپ نے دیکھ لیا کہ من موہن سنگھ کی اوقات کیا ہے۔

امن کی آشا کی جگہ امن کا لاشہ تڑپ رہا ہے۔

بھارت کے لیئے موسٹ فیورڈ نیشن کا مرتبہ، واہگہ کے راستے تجارتی ٹرکوں اور کنٹینروں کی قطاریں، لاہور، اسلام آباد، پشاور موٹروے کی وسط ایشیا تک تجارتی راہداری، یہ تھے وہ خواب جو ہمارے وزیر اعظم کے ذہن میں رچے بسے ہوئے تھے۔

مگر بھارت کو صرف ایک فکر ہے اور اس نے وزرائے اعظم ملاقات سے اگر کچھ حاصل کیا ہے تو صرف یہ کہ وہ کشمیر کو کیونکر غلام بنائے رکھ سکتا ہے۔ اس کے لیئے دونوں ملکوں کے ڈی جی ایم او آپس میں بات کریں گے تاکہ سیز فایر پر مکمل عمل ہو اور بھارت کی چھ سات لاکھ فوج کو کشمیر میں جارحانہ کارروائیاں کرنے اور کروڑوں روپے بانٹنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

میں پاک فوج پر تابڑ توڑ حملے کرنے والوں کے سامنے بھارتی فوج کی جمہوری روایات کی پاسداری کا

ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ بھارت کی ملٹری انٹیلی جنس کے پہلے سربراہ نے لندن میں متعین بھارتی ہائی کمشنر کرشنا مینن کی جاسوسی میں برطانوی ایم آئی فائیو کی مدد کی۔ اس لیئے کہ برطانوی حکومت کو کرشنا مینن کی سرگرمیوں پر اعتراض تھا۔ ایم آئی فائیو اسے سکیوریٹی کے لیئے سنگین خطرہ قرار دیتی تھی، اور یہ جاسوسی کسی اور نے نہیں، خود بھارتی فوج کے انٹیلی جنس ادارے نے کی، جو فوج اپنوں کو معاف نہیں کرتی، وہ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔

ہمارے وزیراعظم کچھ دن مزید اقتدار میں گزاریں گے تو انہیں پتا چل جائے گا کہ صرف بلوچستان ہی میں نہیں، پاکستان میں ہر جگہ بھارتی فوج دہشت گردی میں ملوث ہے۔ (یکم اکتوبر 2013ء)

مسئلہ کشمیر کے حل کے بغیر امن، ہماری لاشوں پر

میں وزیراعظم کی جنرل اسمبلی میں کی گئی تقریر کی تعریف کرنے سے اس لیئے قاصر ہوں کہ ایک طرف وہ کشمیر کے مسئلے کا حل چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسے 1999 کے اس اعلان لاہور سے جوڑتے ہیں جو انہوں نے دوستی بس میں سوار ہو کر آنے والے بھارتی وزیراعظم واجپائی کے ساتھ کیا تھا۔اس تاریخی اور یادگار اعلان میں پاکستان اور بھارت نے شملہ سمجھوتے پر حرف بحرف عمل کرنے کا عہد کیا اور کشمیر سمیت تمام مسائل کو دوطرفہ بات چیت سے طے کرنے پر اتفاق کیا۔شملہ سمجھوتے نے کشمیر پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔بھٹو پر ساری تنقید یہی کی جاتی ہے مگر نواز شریف نے اعلان لاہور کے ذریعے بھٹو کے طے کردہ معاہدے پر انگوٹھا ثبت کر دیا۔پیپلز پارٹی اور ن لیگ میں مک مکا کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

جنرل اسمبلی میں وزیراعظم نے اپنی حالیہ تقریر میں کشمیر پر ایک متضاد موقف کا اظہار کر کے پاکستان اور کشمیریوں کے کیس کو کھوہ کھاتے میں ڈال دیا۔

اب تک وزیراعظم کا بھارتی ہم منصب سے ہاتھ ملانے کا شوق ناشتے کی میز پر پورا ہو چکا ہو گا اور وزیر اعظم یہ حقیقت جان چکے ہوں گے کہ چند ماہ کے مہمان بھارتی وزیراعظم سے مل کر انہوں نے اپنا وقت ضائع

ہی کیا ہے۔اس وزیر اعظم کو تو ان کی اپنی پارٹی کا نائب صدر اور بھارت کے شاہی خاندان کا چشم و چراغ راہول گاندھی بھی پرکاہ کے برابر اہمیت دینے کے لیئے تیار نہیں۔اور تو اور بھارت کے صدر نے بھی اس وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کے منظور شدہ اس بل پر تحفظات کا اظہار کر دیا ہے جس کے ذریعے عدلیہ کے ہاتھوں مجرم قرار پانے والے اراکین پارلیمنٹ کی سیٹوں کو تحفظ دینے کی کوشش کی گئی ہے، کرپشن کی سرکاری سرپرستی صرف دنیا کا ایک ملک کھل کر، کر رہا ہے اور وہ بھارت ہے۔

منموہن نے جنرل اسمبلی کی تقریر میں پاکستان کو ریاستی دہشت گردی کے لیئے مورد الزام ٹھہرایا ہے۔انہوں نے دھمکی دی ہے کہ پاکستان دہشت گردی کی یہ مشین بند کرے۔پتا نہیں ہمارے وزیر اعظم نے ناشتے کی میز پر بھارت کی ریاستی دہشت گردی کا کچا چٹھا ان کے سامنے کھول کر رکھا یا نہیں۔سرتاج عزیز کے ہوتے ہوئے میں پر امید ہوں کہ یہ حساب چکا دیا گیا ہوگا۔ویسے سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے شرم الشیخ میں اسی من موہن کے سامنے بلوچستان میں بھارتی دہشت گردی کے سارے ثبوت رکھ دیئے تھے۔

پاکستان پر ریاستی دہشت گردی کا الزام صدر کلنٹن نے بھی اسلام آباد آ کر ایک نشری تقریر میں لگایا تھا۔اس نے ہمیں وارننگ دی تھی کہ آج کے دور میں طاقت کے بل پر سرحدیں تبدیل نہیں کی جاسکتیں۔قوم صدر مشرف کو برے لفظوں میں یاد کرتی ہے،لیکن اس روز اس کے اندر کا فوجی اور ایک سچا پاکستانی بیدار ہو گیا تھا، اس نے بھی جوابی تقریر کی اور صاف کہا کہ کشمیریوں پر بھارتی فوج ظلم ڈھائے گی تو وہ آزاد کشمیر اور پاکستان بھر میں پھیلے ہوئے کشمیریوں اور ان کے ہمدردوں کو کنٹرول لائن پار کرنے سے روکنے پر قادر نہیں ہیں۔

کاش! آج نواز شریف بھی بھارت کو ترکی بہ ترکی جواب دیں۔اسے بتائیں کہ اس نے ریاستی دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہوئے جونا گڑھ پر قبضہ کیا، کشمیر میں بھی ریاستی دہشت گردی کا تجربہ دہرایا گیا، مٹھی بھر کشمیریوں کو دبانے کے لیئے بھارت کی سات آٹھ لاکھ فوج مسلسل چھیاسٹھ برس سے مصروف پیکار ہے، سری نگر میں شہیدوں کو دفنانے کے لیئے قبرستانوں میں جگہ نہیں رہی، ایک لاکھ سے زائد قبریں تو ان شہیدوں کی ہیں جو دیوار برلن کے انہدام کے بعد اپنی تقدیر بدلنے کے لیئے گھروں سے نکلے۔

بھارت نے کشمیر کو اٹوٹ انگ قرار دینے کے لیئے آئینی دہشت گردی کا بھی ارتکاب کیا۔اقوام متحدہ نے کشمیر میں استصواب کروانے کے لیئے کہا تھا مگر بھارت کبھی کبھار جو ریاستی انتخابات کروا دیتا ہے، انہی کو

استصواب کہنے پر مصر ہے۔ اس طرح وہ اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کا منہ چڑاتا ہے جن کو اس کے باپو، نہرو نے خود قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔

ہمیں بھی اپنے منہ پر تھپڑ مارنے کا شوق ہے اور ہماری شہ پا کر بھارت بھی کارگل کی مہم جوئی کی مذمت کرتا ہے مگر میاں نواز شریف کبھی بھارت سے پوچھیں کہ کارگل کے مجرم اعظم جنرل پرویز مشرف کا آگرہ میں استقبال کیوں کیا تھا، کس نے کیا تھا، اعلان لاہور پر دستخط کرنے والے واجپائی کی انتہا پسند بی جے پی کی حکومت سے جب جنرل مشرف نے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ پہلے حل کرو تو ایڈوانی جی کو سانپ کیوں سونگھ گیا تھا اور وہ مذاکرات کی میز سے فرار کیوں ہو گئے تھے۔ جب اعلان لاہور میں لکھا تھا کہ دوطرفہ مذاکرات کے ذریعے تمام مسائل کا حل نکالا جائے گا تو بھارت نے اپنی سرزمین پر ہونے والے دوطرفہ مذکرات کا بائیکاٹ کیوں کیا تھا۔ اب ممکنہ طور پر یہی بی جے پی پھر اگلے الیکشنوں میں اقتدار سنبھالے گی اور وہ شخص وزیراعظم بنے گا جس کے ہاتھ گجرات کے مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، ایک مسلمہ ریاستی دہشت گرد جب پورے ملک کی عنان حکومت سنبھالے گا تو میاں نواز شریف اس سے خیر کی کیا توقع رکھتے ہیں۔

وزیراعظم کو سیاچین کی فضول جنگ بری لگتی ہے، اگلے ماہ وہ امریکی صدر سے ملیں تو انہیں یاد کرائیں کہ ان کے پیش رو صدر کلنٹن نے کس طرح پاکستان کو مجبور کیا تھا کہ وہ کارگل کے فضول محاذ سے اپنے فوجی واپس بلائے، اسی طرح اوبامہ کو چاہیئے کہ وہ بھارت سے کہیں کہ سیاچین سے اپنی جارح فوج کو واپس بلائے، بھارت وہاں سے نکل جائے گا تو پاک فوج کو واپس آنے میں کوئی تردد نہیں ہوگا۔

بھارت نے ہمیں تو کہہ دیا کہ ہم اپنی دہشت گردی کی مشین کو بند کریں تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم بھی بھارت سے کہیں کہ وہ بھی پاکستان کے خلاف اپنی ہر طرح کی ریاستی دہشت گردی کی مشین کو کباڑ خانے کی نذر کرے۔ اپنی جارح افواج کو اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرتے ہوئے کشمیر سے بھی واپس بلائے اور پھر بیٹھ کر طے کر لے کہ استصواب کے لیئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا تا کہ مسئلہ کشمیر وہاں کے عوام کی امنگوں اور آزادی کے ایجنڈے کی روح کے مطابق حل ہو۔

مسئلہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈال کر امن قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو ہر پاکستانی پکار اٹھے گا کہ اوور مائی ڈیڈ باڈی! (30 ستمبر 2013ء)

مذاکرات کا راستہ

سری لنکا نے تین عشروں تک خون بہانے والوں سے لڑائی جاری رکھی اور بالآخران کا صفایا کر کے دم لیا۔ میں جنگوں کی تاریخ میں ذرہ بھر مہارت نہیں رکھتا اور یہ کالم لکھتے ہوئے مختصر سے وقت میں، میرے لیئے یہ حساب لگانا ممکن نہیں کہ ویت نام اور آئر لینڈ کی جنگ کتنا عرصہ جاری رہی۔ مگر امریکہ یا برطانیہ میں سے کسی نے بھی دس، بیس، تیس سال بعد بھی مذاکرات کا راستہ اختیار نہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کتنا عرصہ جاری رہی اور کیسے ختم ہوئی اور دوسری جنگ عظیم کیسے شروع ہوئی اور کس طرح امریکہ نے دو ایٹم بموں سے تباہی پھیلا کر حریف کو امن کی بھیک مانگنے پر مجبور کیا، اس کہانی کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔۔ بھارت میں کئی درجن علاقوں میں شورش برپا ہے مگر اس ملک نے ہر جگہ فوجی طاقت سے اسے کچلنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے، کشمیر میں بھارتی فوج کے جبر کو چھیاسٹھ برس ہو چلے ہیں۔ اور بھارت میں کسی ایک شخص نے کبھی کشمیریوں سے مذاکرات کی بات تک نہیں کی، بس آئین میں ترمیم کر کے اسے اپنا اٹوٹ انگ بنا لیا اور چھ سات لاکھ فوج چھوٹی سی وادی میں گھسیڑ دی۔ ہمارے پڑوس میں یہ ہے مزاحمت پر قابو پانے کا طریقہ۔ وہاں کوئی نہیں کہتا کہ فوج نے اپنے ہی عوام پہ چڑھائی کر رکھی ہے۔ نائن الیون کے بعد ہماری کم بختی آئی۔ اس سانحے سے پاکستان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر امریکہ نے ہمارے خطے کو تاراج کرنے کا فیصلہ کیا اور پاکستان وار آن ٹیرر کی زد میں آگیا۔ ہر پاکستانی کی جان اور مال غیر محفوظ ہوگئی۔ اب امریکہ اس جنگ سے نکلنا چاہتا ہے اور ہماری بھی

خواہش ہے کہ ہمیں امن مل جائے۔ اے پی سی میں یہ فیصلہ ہوا کہ قیام امن کے لیئے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ مگر اپر دیر میں ہمارے ایک جرنیل کو شہید کر دیا گیا اور اب پشاور میں مسیحی قتل عام کا سانحہ پیش آ گیا ہے، اس بنا پر یہ بحث شروع ہوگئی ہے کہ مذاکرات کیئے جائیں یا نہ کیئے جائیں۔ جنرل کیانی نے سوات کے دورے میں کہا کہ ٹارگٹڈ آپریشن جاری رکھا جائے، اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ فوج لڑائی کو طول دینا چاہتی ہے اور مذاکرات نہیں چاہتی، جنرل کیانی کا مطلب کیا تھا اور کیا نہیں تھا، اس پر عوامی بحث کے بجائے بہتر ہوتا کہ وزیر دفاع ان سے وضاحت طلب کر لیتے، یہ محکمہ وزیراعظم کے پاس ہے، اس طرح من مانی تشریح کا رستہ بند ہو جاتا۔

پاکستان کو وار آف ٹیرر کا حصہ بننا چاہیئے تھا یا نہیں، اس پر قوم کی دو آرا نہیں، ہر ایک کا خیال ہے کہ نہیں بننا چاہیئے تھا اور اس جرم کا ارتکاب سابق صدر اور سابق آرمی چیف جنرل مشرف نے کیا، یہ صاحب ان دنوں قید میں ہیں، ان پر غداری، دہشت گردی اور قتل وغیرہ کے مقدمات چل رہے ہیں، بہتر ہوگا کہ ان پر جنگی جرائم کے تحت بھی کارروائی کی جائے بشرطیکہ آئین یا پاکستان پینل کوڈ میں اس کی کوئی گنجائش ہو۔ جنرل کیانی نے اس جنگ کو جاری رکھا، وہ اب ریٹائر ہو رہے ہیں، حکومت انہیں یا آنے والے آرمی چیف کو حکم دے سکتی ہے کہ وہ انتہا پسندوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے اور فوج سیز فائر کی اسی طرح پابند ہوگی جیسے کشمیر کی کنٹرول لائن پر سابق وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی کے حکم کے تحت اسے ہتھل کر کے رکھ دیا گیا۔

ملک کی موجودہ حکومت صدق دل سے امن کی حامی ہے اور اس کے نزدیک یہ امن، مذاکرات سے قائم ہو سکتا ہے تو اسے، اے پی سی نے اس کا مکمل اختیار دے دیا ہے۔ مذاکرات کے سرگرم حامیوں میں عمران خان، منور حسن اور فضل الرحمن ہیں۔ پیپلز پارٹی کی لیڈر، وار آف ٹیرر کی بھینٹ چڑھیں تاہم یہ پارٹی بھی مذاکرات کے عمل کی حمایت کر رہی ہے۔ اے این پی زخم خوردہ ہے، پر اس نے بھی مذاکرات کی حمایت کر دی ہے۔ اب اتنے بڑے امن بریگیڈ کے ہوتے ہوئے قوم کو کس بات کا انتظار ہے، کیا چند مزید جرنیلوں کی شہادت، چند مزید گرجا گھروں پر خودکش حملے، کچھ مزید مسجدوں، جنازوں اور مارکیٹوں میں قتل وغارت۔

اس امن بریگیڈ کو انتہا پسندوں کے ایک ایک گروپ کے مقابل میز پر بٹھا دیا جائے، کوئی صاحب سوات میں میز بچھا لیں، کوئی شمالی وزیرستان میں سفید عمامہ لہراتے ہوئے داخل ہو جائیں، کوئی ڈیورنڈ لائن پار کریں

اور کنڑ میں مورچہ زن گروپوں سے بات چیت کریں، اب وقت ضائع کیوں کیا جارہا ہے، وزیراعظم کو خود تو یہ کام نہیں کرنا، وہ مختلف امن بریگیڈز کو مختلف محاذوں پر لانچ کریں اور خود دنیا میں گھوم پھر کر ملک کے باقی مسائل کا حل تلاش کریں۔لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، بیماری، جہالت، بے روزگاری، کاروباری اور صنعتی بدحالی ،کوئی ایک روگ ہو تو اس کا نام لیا جائے۔کسی ملک میں پہلی بار ایسے ہو رہا ہے کہ جس سے مذاکرات کرنے کی خواہش ہے، اس کا کوئی اتا پتا نہیں، تو کیا ہوا سے باتیں کریں گے۔اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک قوم صرف پانچ چھ برس کے اندر نڈھال ہوگئی۔تو کیا یہ سرنڈر کے مترادف نہیں ہے، ہم نے ایک سرنڈر ڈھاکہ میں کیا، اس سے ہمیں سر جھکانے کی عادت سی ہوگئی۔مگر سری لنکا میں دہشت گردوں کو سرنڈر پر مجبور کیا گیا۔اس کی فوج کو ہماری فوج نے لڑنے کی ٹریننگ دی۔ چلیئے، مذاکرات کا فیصلہ ہوگیا تو یہ ہچر مچر کیا، یہ لیت و لعل کیا، پیش رفت میں تاخیر کیوں، اگر پشاور میں چرچ پہ حملہ نہ ہوتا، کسی مسجد پر ہوتا تو وزیر داخلہ نے یہ بھی نہیں کہنا تھا کہ یہ کون ہیں جو عورتوں اور بچوں کو مارتے ہیں۔جرنیل کی شہادت پر تو کسی نے مگرمچھ کے آنسو بھی نہیں بہائے، کہتے ہیں، وہ تو سرحد کے آس پاس سفر کر رہے تھے۔جیسے سرحد پر شہید ہونے والے کا کوئی دکھ نہ ہو۔

امن معاہدے ہم نے بہت کیئے۔پہلی افغان جنگ کے خاتمے کے بعد انہی وزیراعظم نے اسلام آباد میں قرآن پر معاہدہ کروایا، ایک معاہدہ مکہ مکرمہ میں ہوا، مگر کسی کا پاس لحاظ نہ کیا گیا۔پچھلی حکومت کے دور میں سوات میں امن معاہدہ ہوا اور پھر اسی شہر کے چوکوں میں لوگوں کے گلے کاٹے گئے، کئی معاہدے فاٹا کی مختلف ایجنسیوں میں ہوئے۔کتنے معاہدے اور ہوں گے تو پتا چلے گا کہ ان معاہدوں سے امن قائم نہیں ہو سکتا۔پھر بھی کسی کی خواہش ہے اور کسی کو یقین ہے کہ امن کا راستہ یہی ہے تو بسم اللہ! آگے بڑھیں اور قوم کو امن کی نوید دیں، جینے کا حق دیں، چرچ میں، مسجد میں، امام بارگاہ میں، عبادت کی آزادی دیں۔دفتروں اور دکانوں میں کاروبار کی ضمانت دیں، سڑکوں پر زندگی کو محفوظ بنائیں۔قوم کو اور کیا چاہیئے۔لڑائی کے حق میں کوئی نہیں، آیئے، شانتی شانتی کھیلیں۔امن اور ہر قیمت پر، کسی بھی قیمت پر۔

امن کی آشا اب پوری ہو جانی چاہیئے۔اس پر بہت پیسہ لگ گیا، اس بھاری سرمایہ کاری کا کوئی تو پھل ملنا چاہیئے۔ (26 ستمبر 2013ء)

منور حسن کا غصہ اور جنرل کیانی کا غصہ

مصر اور شام کے مسلمانوں کی صورت حال کا ذکر ہو گا تو لازمی طور پر ہر مسلمان غصے سے بھڑک اٹھے گا کہ عراق، افغانستان، لیبیا کے بعد اب ان دو ملکوں میں مسلمانوں کا خون کیوں بہ رہا ہے۔ قبلہ منور حسن کے لیئے بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے راہنماؤں کو پھانسی کی سزائیں بھی غصہ دلانے کے لیئے کافی ہیں۔ مگر ستم بالائے ستم یہ کہ پنجاب یونیورسٹی کے قائد اعظم ہوسٹل سے چند دہشت گرد پکڑے گئے، میڈیا کے مطابق وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے مہمان تھے۔ اس پر منور حسن کا سیخ پا ہونا ایک فطری بات ہے۔ اور انہوں نے غصے غصے میں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کو لتاڑا۔ وائس چانسلر تو اپنے دفاع میں بولے ہیں اور یونیورسٹی کے اساتذہ نے منور حسن کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے مگر بری فوج کے سربراہ نے منور حسن کے ان الزامات کا جواب نہیں دیا کہ انہیں دیر کے موجودہ حادثے پر غصہ آیا مگر سلالہ میں ان کے چھبیس جوانوں اور افسروں کو ذبح کر دیا گیا، ڈرون حملوں میں بے گناہ شہید ہوتے رہے، لیکن کیانی صاحب اس قدر غصے میں نہیں آئے۔

شام اور مصر کی صورت حال کا ماتم کرتے ہوئے منور حسن نے دیر سانحے اور سلالہ کا ذکر کیسے چھیڑ دیا، ان کا آپس میں کیا ربط بنتا ہے۔ مصر میں جماعت اسلامی کی حلیف اخوان المسلمین کی حکومت کا تختہ وہاں کی فوج نے الٹ دیا جسے مبینہ طور پر امریکہ کی شہ حاصل تھی، جبکہ شام میں امریکہ، صدر بشار الاسد کے خلاف لڑنے والوں کی مکمل پشت پناہی کر رہا ہے، انہیں اسلحہ اور ڈالر فراہم کر رہا ہے اور ان کے لیئے آخری چارہ کار کے طور پر شام کے خلاف جارحانہ حملہ کی تیاری بھی کر رہا ہے۔

منور حسن یہ تو بتائیں کہ وہ مصر میں امریکہ کے مخالفوں کے ساتھ ہیں، شام میں امریکہ کے حامیوں کے

ساتھ ہیں، وہ اصل میں کس کے ساتھ ہیں۔ یا سب کے ساتھ ہیں تو کیسے!

مجھے یہ بھی پتا نہیں کہ منور حسن کے پاس غصہ ماپنے کا پیمانہ کیا ہے۔ سلالہ کے بعد تو کیانی اور صرف کیانی ہی تھے جنہوں نے نیٹو سپلائی کو نومبر 2011 سے جولائی 2012 تک بند رکھا اور امریکی جرنیلوں سے ملاقاتیں ترک کر دیں۔ غصہ اور کسے کہتے ہیں۔ عالمی امور کے ماہرین حیران تھے کہ پاکستان کو یکا یک کیا ہوگیا کہ پاک امریکہ تعلقات تاریخ کے بدترین دور میں داخل ہو گئے، اس سے زیادہ دوری اور خلیج دونوں ملکوں کے درمیان پہلے دیکھنے میں نہیں آئی۔ امریکہ نے اس پر باضابطہ معافی مانگی۔

جماعت اسلامی کو جنرل یحیٰی خاں کا ساتھ دینے میں قباحت محسوس نہیں ہوئی۔ میاں طفیل محمد نے تو ایک روز یہ بیان بھی داغ دیا کہ یحیٰی خاں کا بنایا ہوا آئین وہ دیکھ آئے ہیں، یہ عین اسلامی ہے۔ صد حیف! اس آئین کو دن کی روشنی نصیب نہ ہوسکی۔ جنرل ضیا الحق نے افغان جہاد میں جماعت اسلامی کو پورا پورا حصہ دیا اور کشمیر جہاد کے لیئے بھی ہر سہولت فراہم کی جبکہ کیانی نے افغان جہاد میں صرف اور صرف فوج کو استعمال کیا اور کشمیر جہاد ایم ایم اے کی حکومت کے دور میں جنرل مشرف نے ختم کیا جس پر منور حسن نے کبھی غصے کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم حزب المجاہدین کا بستر بوریا کیوں گول ہوا، اس تنظیم کے نوجوان کشمیر کے جہاد میں شریک ہوتے رہے اور قاضی حسین احمد ان کے جنازے پڑھاتے رہے۔ جماعت اسلامی کے کئی رہنماؤں کے جوان بیٹے بھی کشمیر جہاد میں شریک ہو کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ خدا ان کے مرتبے بلند کرے، ان کے والدین نے جس استقامت اور صبر کا مظاہرہ کیا، وہ قابل رشک اور قابل تعریف تھا۔ آج کشمیر کا جہاد بظاہر بند ہے، دنیا ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی مگر بھارت پھر بھی الزام لگا رہا ہے کہ پاکستان کے دراندازکنٹرول لائن پار کر رہے ہیں اور ایسے ہی مواقع پر دوطرفہ فائرنگ کی نوبت آتی ہے۔ منور حسن، حزب المجاہدین کو منظم کریں اور کشمیر پر چڑھ دوڑیں، دیکھتے ہیں، انہیں کون روکتا ہے۔

موجودہ افغان جہاد کی ہیت ترکیبی کو سمجھنا مشکل ہے۔ ایک جہاد تو افغانستان کے اندر ہو رہا ہے جو جارح اور قابض افواج کے خلاف ہے، دوسرا جہاد پاکستان کے طول و عرض میں ہو رہا ہے جس کا نشانہ پاک فوج ہے اور پاکستان کے عام شہری، مسجدیں، مزار، مارکیٹیں، سرکاری دفاتر، جنازے، امن جرگے، غرضیکہ جہاں بم

پھٹ سکتا ہے، وہاں بٹن دبا دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ڈرون حملوں کا ردعمل ہے لیکن کسی دل جلے نے سوال اٹھایا ہے کہ کیا ڈرون طیارے بری امام، داتا دربار، رحمان بابا کے مزار یا جامعہ نعیمیہ سے اڑتے ہیں۔

یہ صورت حال انتہائی پیچیدہ ہے، زیادہ تر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور بھارت کی طرف سے دہشت گردی کی سرپرستی ہو رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ عناصر ایسے بھی ہوں جو پاکستان کو امریکی حلیف ہونے کی سزا دے رہے ہوں لیکن اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ ریاست کے خلاف لڑ تو رہے ہیں اور ان سے ہماری فوج کو بھی لڑنا پڑتا ہے۔ کچھ عناصر وہ بھی ہیں جو پاکستان کے آئین کو، اس کی پارلیمنٹ کو اور اس کی سپریم کورٹ کو نہیں مانتے۔

دیر میں موجودہ سانحہ اے پی سی کے بعد رونما ہوا، اے پی سی میں فیصلہ ہوا تھا کہ دہشت گردی کی جنگ کو ختم کرنے کے لیئے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا جائے گا، فوج نے اس عمل کی حمایت کی۔ اور یہ فیصلہ اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ اے پی سی میں شامل کسی فریق نے مذاکرات سے انکار نہیں کیا جبکہ ماضی قریب میں طالبان نے مذاکرات سے صرف اس لیئے انکار کر دیا تھا کہ ڈرون حملے میں ان کا ایک لیڈر نشانہ بنا۔ یہ ڈرون حملہ پاکستان نے نہیں کیا تھا لیکن کہا گیا کہ امریکہ نہیں چاہتا کہ مذکرات ہوں، اب پاک فوج کی قیادت کو دیر میں کس نے نشانہ بنایا ہے اور کون چاہتا ہے کہ مذاکرات کے ماحول کو خراب کیا جائے، کیا یہ سانحہ بھی امریکہ کی شرارت ہے، اگر ایسا ہے تو پھر تحریک طالبان نے اس حملے کی ذمے داری کیوں قبول کی ہے اور اگر انہوں نے ہی یہ حملہ کیا ہے جس میں ہمارے ایک جرنیل، ایک کرنل اور ان کے ساتھی شہید ہوئے تو پھر مذاکرات کے راستے میں کون رکاوٹ بنا ہے۔ اگر اس سانحہ پر جنرل کیانی کو غصہ آیا ہے اور میرا خیال ہے کہ غصے کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی رنجیدہ بھی ہوئے ہوں گے لیکن ان کے بیان میں تو پھر بھی صبر کا پہلو غالب ہے اور میں نے لکھا تھا کہ یہ صبر اور حوصلہ جنرل کیانی کی محکمانہ مجبوری ہوسکتا ہے، پاکستانی قوم کی مجبوری نہیں اور وہ شہیدوں کے تابوت وصول ہونے پر سخت سیخ پا ہے، ٹھیک ہے منور حسن نہیں ہوں گے مگر میں جس جس سے ملا ہوں، اسے غصے اور رنج کی حالت میں دیکھا ہے۔

منور حسن اپنے قد کاٹھ کو ماپیں پھر کسی کے غصے کو ماپیں۔ پھر وہ خود بھی غصے کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے۔ غصہ تھوک ڈالیئے صاحب! (21 ستمبر 2013ء)

اوباما اور نواز شریف کا مخمصہ

امریکی صدر کو شام پر جارحیت کا شوق چرایا ہے۔اس کے لیئے اسے اقوام متحدہ کی اجازت درکار ہے یا اپنی منتخب کانگرس کی۔مگر وہ عالمی حلیفوں کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے، روس میں جی ٹوئنٹی کے اجلاس نے اس کے مذموم عزائم کی حمایت نہیں کی، برطانوی پارلیمنٹ میں بھی حکومت کو شام کے خلاف جارحیت کی قرارداد پر شکست ہوگئی ہے۔روسی صدر پوتوں نے تو واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ شام میں کیمیاوی اسلحے کا استعمال صدر بشار لاسد نے نہیں، بلکہ امریکی اور نیٹو کی حمایت یافتہ اپوزیشن نے کیا ہے۔

امریکی صدر اوبامہ ایک مخمصے کا شکار ہے، اس کا بس چلتا تو وہ شام کا تورا بورا اور فلوجہ بنا چکا ہوتا۔لیکن وہ فیصلے کی قوت سے عاری نظر آتا ہے۔ملکی آئین کے تحت وہ کانگرس کے فیصلے کا پابند ہے۔

پاکستان میں 11 مئی کو عام انتخابات منعقد ہوئے جن میں ایک نیا حکومتی سیٹ اپ سامنے آیا۔ہر منتخب حکومت کی طرح اس حکومت کو بھی ہر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔یہی عوام کا مینڈیٹ ہے۔عوام نے کسی اے پی سی کو ایسا کوئی مینڈیٹ نہیں دیا۔عوام،قومی اسمبلی اور سینیٹ یا صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کو منتخب کرتے ہیں۔قوم کی قسمت کا کوئی فیصلہ اکیلے حکومت کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو تو وہ پارلیمنٹ میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔پھر بھی مسئلے کا کوئی حل نہ نکلتا دکھائی دے تو آئین میں ریفرنڈم کا راستہ تجویز کیا گیا ہے، ملک کے موجودہ آئین میں جرگہ شاہی کے نظام کی قطعی گنجائش نہیں۔آل پارٹیز کانفرنس کا ہتھیار محض ٹال مٹول کے لیئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔کوئی افتاد سر پر آن پڑے تو قومی اتفاق رائے کی کوششیں ضرور ہوتی رہیں۔1965 میں بھارت نے ننگی جارحیت کا مظاہرہ کیا تو فیلڈ مارشل ایوب خان کو

قومی لیڈروں نے آشیرباد سے نوازا۔ بھٹو نے شملہ کا رخ کیا تو ایک بار پھر قومی قیادت نے متحد ہو کر اسے ایئر پورٹ سے رخصت کیا۔ پہلی افغان جنگ کے خاتمے کے وقت جنیوا معاہدے کے مسئلے پر وزیراعظم جونیجو نے صدر ضیاالحق کے موقف کے خلاف آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی۔ پچھلے دور حکومت میں بعض سنگین مسائل پر پارلیمنٹ کے اندر اور باہر قومی اتفاق رائے کے لیئے کئی کوششیں کی گئیں مگر ان میں جو فیصلے ہوئے، ان پر عمل کی نوبت نہ آسکی۔

تو یہ نئی آل پارٹیز کانفرنس کا جھنجھٹ کیا ہے۔ مجھے اس کی کوئی توجیح سمجھ نہیں آئی، نہ جمہوری نظام میں پارلیمنٹ سے باہر فیصلوں کا کوئی جواز موجود ہے۔ ن لیگ کی قیادت کی شہرت یہ ہے کہ وہ تو اپنی کابینہ سے میل جول کی روادار بھی نہیں، میاں شہباز شریف اور میاں نواز شریف سارا حکومتی بوجھ تنہا اپنے شانوں پر اٹھانے کے عادی ہیں، پنجاب اسمبلی میں کتنی بار شہباز میاں نے شرکت کی یا پچھلے تین ماہ میں نواز شریف نے پارلیمنٹ کے اجلاسوں کو کیا اہمیت دی، اس کے لیئے کسی محقق کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں، وہ فرد واحد کی طرح حکومت چلانے کے عادی ہیں۔ ماضی میں قومی اسمبلی سے منظوری کے لیئے ایک ایسی آئینی ترمیم کا مسودہ تیار کرلیا گیا تھا جس کے تحت ہمارا ملکی حکومتی نظام، بادشاہت اور مطلق العنان حکمرانی سے ملتا جلتا ہو۔

مگر آیئے، مان لیتے ہیں کہ اب ان کا رویہ تبدیل ہو گیا ہے، اور وہ وسیع تر مشاورت سے نظام حکومت چلانے کے حق میں ہیں مگر کیا وہ چین میں اپنے ساتھ سندھ اور خیبر پختون خواہ کے وزرائے اعلیٰ کو لے کر گئے۔ چین کے ساتھ بجلی، تعلیم اور مواصلات وغیرہ کے منصوبوں پر ایم او یوز کیئے گئے جن کا تعلق ان دو صوبوں سے بھی اتنا ہی ہے جتنا پنجاب اور بلوچستان کا، ویسے چینی قیادت کے ساتھ کتنی ملاقاتوں میں بلوچستان کے وزیراعلیٰ کو بھی شرکت کا موقع دیا گیا جو وفد کا حصہ تھے۔ پنجاب میں وزیراعلیٰ کے پاس کتنے محکمے ہیں اور وفاق میں وزیراعظم نے کتنے محکمے سنبھال رکھے ہیں، کیا پنجاب اسمبلی اور پارلیمنٹ میں ان محکموں کو چلانے کے لیئے کوئی باصلاحیت فرد موجود نہیں یا قصہ یہ ہے کہ دونوں بھائی کسی دوسرے کو فیصلہ سازی میں شریک کرنا پسند نہیں کرتے۔ اپنے پرانے ساتھیوں کے ساتھ ان کا سلوک کیا ہے، کوئی سید غوث علی شاہ یا عطاء الحق قاسمی سے پوچھے، قاسمی صاحب کو اللہ نے قلم دیا ہے وہ لکھ لیتے ہیں اور انہوں نے لکھ دیا ہے کہ وہ تکبر کا جواب تکبر سے اور عاجزی کا جواب عاجزی سے دیں گے مگر غوث علی شاہ اور شجاعت عظیم کے

پاس چارہ کار کیا ہے سوائے اس کے کہ بیرونی ملکوں کی ٹکٹیں کٹوائیں اور غم غلط کرنے کی کوشش کریں۔

کراچی میں پچھلے دنوں کیا ہوا۔ وفاق کا بحری بیڑا وہاں لنگر انداز ہی نہ ہو سکا۔ ارادے تو یہ تھے کہ صوبے کے معاملات کو ہتھیا لیا جائے، گورنر، چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کو تبدیل کر دیا جائے، سرکاری ٹی وی نے تبادلوں کی خبریں نشر کر دیں مگر چند لمحوں کے اندر سب کچھ واپس ہو گیا۔ اس سے وفاق کی بھد اڑی۔ ان محکموں پر تعیناتی کا ایک طریق کار ہے جسے اختیار نہیں کیا گیا۔ اس سے یوں لگا جیسے شب خون مارا جا رہا ہو۔ اتنا تو میں مانتا ہوں کہ وزیر اعظم نے صبر اور دانش مندی کا مظاہرہ کیا اور واپس چلے آئے۔ وہ اڑے رہتے تو سارا حکومتی نظام دھڑام سے نیچے گر جاتا۔ مگر کون جانتا ہے کہ وزیر اعظم کے دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ کراچی کا مسئلہ سنگین ضرور ہے لیکن اسے حل کرتے ہوئے یہ تاثر دینا اچھا نہیں کہ سب کچھ تجارتی طبقے کے مفاد میں کیا جا رہا ہے۔ کراچی میں عام آدمی بھی ہے، اس کے بھی مفادات ہیں، اس کو بھی اعتماد میں لیا جانا ضروری ہے کہ اس کے جان و مال کا تحفظ کیا جا رہا ہے مگر صاحبو! امن و امان ایک صوبائی مسئلہ ہے، پنجاب نے پانچ برسوں میں گیلانی اور راجہ کی ایک نہیں سنی اور رحمٰن ملک کو صوبے کے امور پر زبان تک کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ وہ پنجابی طالبان کا ذکر کر بیٹھے اور رانا ثنا اللہ برسوں ان کے لتے لیتے رہے، اب وزیر اعظم اور وفاقی وزیر داخلہ کراچی میں یوں براجمان ہوئے جیسے وہاں ان کی اپنی پارٹی کی حکومت ہو، یہ تو گورنر اور وزیر اعلیٰ کی بھلے مانسی ہے کہ ان کے ساتھ میٹنگ میں آن بیٹھے۔ کراچی میں وفاقی حکومت کو آپریشن کرنا ہے تو اس کے لیئے پہلے آئین میں تبدیلی کر کے اس شہر کو وفاقی علاقہ قرار دینا ضروری ہے یا امن و امان کو صوبائی اختیار سے خارج کر دیا جائے۔ آخر آئین بھی کوئی چیز ہے۔

ملکی سلامتی کی پالیسی کے لیئے اب آل پارٹیز کانفرنس کا راستہ، چہ معنی دارد! آئین میں وفاقی حکومت خارجہ معاملات اور فاٹا کو چلانے کی مکلف ہے، آل پارٹیز کانفرنس کو کسی آئین نے کوئی اختیار تفویض نہیں کیا۔ اور صوبوں سے اندرونی سلامتی کا اختیار سلب نہیں کیا جا سکتا، تو پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔

براہ کرم پارلیمنٹ کو بائی پاس نہ کیا جائے، اس میں تشریف لے جایئے اور قومی اتفاق رائے کا اعلامیہ شوق سے جاری کروا لیجیے۔ کئی مشترکہ اعلامیے پہلے بھی ماضی کی گرد میں اٹے پڑے ہیں۔

(10 ستمبر 2013ء)

بنگلہ ماڈل کے بعد ترکی ماڈل

ترکی میں سابق آرمی چیف کو بغاوت کے جرم میں عمر قید کی سزا سنادی گئی ہے۔ان کے ساتھ سینکڑوں فوجیوں، وکلا اساتذہ حتی کہ صحافیوں کو بھی بغاوت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

ترکی کے ایک پروفیسر نے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا آج کوئی جانتا ہے کہ سقراط پر مقدمہ چلانے والے پانچ سو ججوں کا نام کیا تھا۔جن ججوں نے سابق ترک آرمی چیف کو سزا سنائی ہے، وہ بھی تاریخ کے کوڑے دان کی نذر ہو جائیں گے۔ یہ ہے جدید ترکی کا وہ ماڈل جس کی بھونڈی نقل ہمارے ہاں بھی امپورٹ کرنے کا خدشہ ہے۔فوج اور سول سوسائٹی کا تصادم تیسری دنیا کا ایک نا ختم ہونے والا المیہ بن گیا ہے۔ایک وقت آتا ہے کہ فوج عوام کے لیئے نجات دہندہ ٹھہرتی ہے اور پھر دوسرا منظر سامنے آتا ہے، یہی فوج کٹہرے میں کھڑی ہوتی ہے۔پاکستان میں جنرل مشرف پر کتنے مقدمے چل رہے ہیں، کوئی شخص ایک سانس میں نہیں گنوا سکتا۔ یہ رہا ترکی ماڈل کہ فوج کو رگڑا کیسے دینا ہے۔

مگر پہلے بنگلہ ماڈل کی بات ہو جائے۔اس ضمن میں چار باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلا یہ کہ ایک ملک کی تخلیق کے لیئے جدو جہد کی جاتی ہے، دوسرا منظر یہ کہ اس ملک کو توڑا جاتا ہے، تیسرا یہ کہ فوج اور عدلیہ کے گٹھ جوڑ سے جمہوریت کی گاڑی کو پٹری پر نہیں چڑھنے دیا جاتا اور چوتھا یہ کہ جس پاکستان کے قیام کے لیئے خود بنگالی مسلمانوں نے جدو جہد کی، اس کو توڑنے کی سازش کا توڑ کرنے والی فوج کے حامیوں کو قید و بند کی

سزائیں سنائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں اس ماڈل کو کاپی پیسٹ کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اس لیئے کہ یہاں فوج اور عدلیہ کے درمیان نیا گٹھ جوڑ نہیں ہو سکا۔ یہ گٹھ جوڑ اس وقت تک تو دیکھنے میں آیا جب اکیلے فوج نے اقتدار پر قبضہ جما لیا تو عدلیہ نے اس کے غیر آئینی اقدام کو سند جواز عطا کر دی۔ مگر اب عدلیہ نے اپنی چین آف کمانڈ الگ تشکیل دے لی ہے۔ پاکستان کے بعض سیاستدانوں کو ترکی کا نیا ماڈل بڑا دلکش لگتا ہے۔ ترک فوج ایک عرصے تک ملک کی مدار المہام بنی رہی۔ اب اس کی طاقت کے جن کو بوتل میں بند کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، سابق آرمی چیف کو سزا اسی کھیل کا حصہ ہے۔ دیکھیئے پاکستان میں سابق آرمی چیفس کو سزائیں سنانے کا عمل کب شروع ہوتا ہے، ابھی تو نوبت ٹرائل تک ہی پہنچی ہے۔

فی الحال پہلا مرحلے میں فوج کو سول کے تابع لانے کا منصوبہ ہے۔ سابق دور میں آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کرنے کا نوٹی فی کیشن جاری ہوا جو اسی عجلت میں واپس لے لیا گیا۔ موجودہ حکومت نے نوٹی فی کیشن جاری کرنے کے بجائے عملی اقدام کیا، وزیر اعظم، ایک صوبے کے وزیر اعلی اور وفاقی وزیر داخلہ کو ساتھ لیئے، آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر جا پہنچے۔ اس بریفنگ کا استحقاق وزیر اعظم کو آئینی طور پر حاصل ہے مگر وفاقی وزیر داخلہ اور ایک صوبائی چیف منسٹر کسی لحاظ سے بھی اس ادارے کے معاملات میں دخیل نہیں ہو سکتے۔

موجودہ آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ میں چار ماہ پڑے تھے، ان کے جانشین کا فیصلہ ستمبر کے آخری دنوں میں ہو سکتا تھا لیکن ایک اخبار میں کسی سیکشن افسر کی تیار کردہ سینیارٹی لسٹ شائع کروا دی گئی جس کی بنیاد پر ہر کوئی قیافے لگا رہا ہے کہ کون بنے گا آرمی چیف۔ میاں نواز شریف کے پہلے دور میں یہی کام جنرل اسلم بیگ کے ساتھ ہوا، ان کی ریٹائرمنٹ میں چھ ماہ باقی تھے کہ جانشین کا علان کر دیا گیا، اس وقت شبہ یہ تھا کہ اسلم بیگ کوئی شرارت کرنے والے ہیں لہذا ان کے پر کاٹنے ضروری تھے۔ مگر اب جنرل کیانی نے تو اپنی دو ٹرموں میں ایک لمحے کے لیئے شرارت کا تاثر نہیں ہونے دیا، پھر کیا قیامت آ گئی ہے کہ ان کے جانشین کو محدب عدسوں کی مدد سے تلاش کیا جا رہا ہے اور جی ایچ کیو کے ہر جرنیل کے کوائف کا پلندہ بھرے چوکوں میں الٹ پلٹ کر دیا گیا ہے۔ میاں صاحب جب یہ اصول طے کر چکے ہیں کہ وہ سینیئر موسٹ کا تقرر کریں گے تو پھر یہ ساری تکا فضیحتی کس لیئے، میڈیا کیوں چسکے لے رہا ہے۔ وزیر اعظم نے تو جنرل مشرف کے بارے میں بھی کہا تھا کہ وہ ان کو معاف کر چکے مگر اب مقدموں کا ایک انبار لگا دیا گیا ہے۔ شروع میں تو

مشرف کوایک کچہری سے دوسری کچہری اور ایک تھانے سے دوسرے تھانے تک گھسیٹا گیا۔اس پر مشرف کے کٹرمخالفین بھی چیخ وپکار کراٹھے کہ مقدمے شوق سے چلاؤ، مگر تذلیل کا ہے کو۔

اصل میں یہ سب ترکی ماڈل کی نقل ہے، ترکی سے صرف میٹرو بس ہی نہیں ملتی، فوج کو تھلے لگانے کا ہنر بھی ملتا ہے، اسرائیل کو جن دوایک اسلامی ملکوں نے تسلیم کررکھا ہے، ان میں ترکی سرفہرست ہے۔مگر یہ ترکی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا دعویدار بنتا ہے۔دوسری طرف یہی ترکی نیٹو کا سرگرم اور فعال رکن ہے اور افغانستان میں اس کی فوجیں پہلے دن سے موجود ہیں اور امریکی اور برطانوی فوجیں نکل بھی جائیں تو ترک فوج افغانستان میں موجود رہے گی، کیا یہ ترکی کسی دوسرے ملک کی فوج کو انقرہ میں اترنے کی اجازت دے گا۔میں فوج کے آئینی حدود سے تجاوز کے حق میں نہیں۔لیکن اگر اس پر مقدمے چلانا ہیں تو ان سب پر مقدمے چلانے ہوں گے جو اس کی آمریت میں شریک رہے، عدلیہ جس نے ہر مارشل لا کو جائز قرار دیا، سیاستدان جو اس کی گود میں پلے بڑھے، جنہوں نے آمر کو ڈیڈی کہا یا کسی آمر نے ان کو اپنی زندگی عطیہ کردی یا انہوں نے آمر کے قلم تحفے میں مانگے۔شیشے کے گھر پر پتھر وہ پھینکے جو خود اس کے اندر نہ بیٹھا ہو۔اور میڈیا بھی صوفی نہ بنے، ایک حمید نظامی تھے جو آمریت کی گھٹن میں خالق حقیقی سے جا ملے، اور ایک ڈاکٹر مجید نظامی ہیں جنہوں نے آمر سے کہا تھا کہ جمہوریت کا کیڑا میرے دماغ میں بھی ہے مگر کتنے ایڈیٹر تھے جو بھاگ کر وزارتوں میں جا بیٹھے یا ان کے چیلے چانٹے وزارتوں کے مزے کرتے رہے۔

فوج کا نمدا کسنے کا جنون تو کئی لوگوں پر طاری ہے، کیری لوگر بل میں تو اس کے لیئے باقاعدہ شہ دی گئی ہے۔امریکہ بھی بڑی عجب چیز ہے، کبھی اسے پاکستانی فوج کا اقتدار اچھا لگتا ہے اور کبھی وہ جمہوریت کا نقیب بن جاتا ہے۔اب اس کی کوشش ہے کہ دنیا کی اس بہترین فوج کے کس بل نکالے جائیں، اس کے ایٹمی دانت خدانخواستہ توڑ دیئے جائیں۔

میں امید رکھتا ہوں کہ نئے وزیراعظم امریکی چالوں سے ہوشیار رہیں گے، انہوں نے تو امریکی دھمکیوں کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دی تھی اور ایٹمی دھماکے کیئے تھے، انہیں تو اس فوج کے مفادات کا پہریدار ہونا چاہیئے۔یہی پاکستان کے مفادات کا تقاضا ہے۔ (18 اگست 2013ء)

جنرل کیانی کی اذان

جنرل کیانی کا چل چلاؤ ہے، وہ سول حکمران کی طرح نہیں ہیں جو آخری وقت تک سیکرٹ فنڈ بانٹتا ہے یا صوابدیدی بجٹ ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے یا سینکڑوں قیمتی پلاٹوں کی بندر بانٹ میں مصروف رہتا ہے۔ یا بھتیجے بھانجوں اور سالوں بہنوئیوں کو اعلیٰ مناصب پر فائز کرتا ہے۔ اس نے جاتے جاتے اذان دینے کی کوشش کی ہے، قوم کو اور اس کے حکمرانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

کسی نے کہا کہ جنرل تڑھیاں لگائے گا۔ کسی نے کہا کہ سخت وارننگ جاری کرے گا، کسی نے کہا، بس فیصلہ ہوا ہی چاہتا ہے، ایک تقریر ہو لینے دو، اور یہ تقریر ہو گئی، مگر کوئی وارننگ نہیں جاری ہوئی، کسی کو تڑھی نہیں لگی، اور کوئی فیصلہ کن معرکہ شروع نہیں ہوا۔ بس ایک درددل کا اظہار تھا۔ قوم کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی گئی کہ پاکستان ایک قطعہ اراضی کا نام نہیں، ایک فلاحی ریاست کے خواب کو عملی تعبیر دینے کا نام ہے، ہمارے اسلاف نے اسی کے لیئے قربانیاں دی تھیں۔ اور یہ کہ ملک یونہی اتفاق سے نہیں بن گیا، ایک طویل اور جانگسل کشمکش اس کے پیچھے ہے، ایک عظیم قائد کی حوصلہ مند جدوجہد نے اس کی تخلیق ممکن بنائی۔

جنرل کیانی نے قائداعظم کا اتحاد کا سبق بھی یاد دلایا۔ قومی یک جہتی ہی ہمیں اس قابل بنا سکتی ہے کہ ہم تمام درپیش مسائل سے نبٹ سکیں۔ دہشت گردی، معاشی عدم استحکام اور ناہمواری یا توانائی کا بحران ہمارے اتحاد اور اتفاق سے ہی حل ہوسکتا ہے۔ جنرل کیانی کے اس نکتے سے بھی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ مسائل کو حل کرنا ہے تو کوئی ایک ادارہ کامیاب نہیں ہوسکتا، اس کے لیئے مربوط کوششیں کرنا ہوں گی اور قوم کو کامل

یک سوئی اور اتفاق رائے سے کام لینا ہوگا۔

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ دہشت گردی کے ناسور پر ہم یک سو نہیں ہیں، کوئی اسے امریکی جنگ سمجھتا ہے، کوئی اسے عین جہاد قرار دیتا ہے۔ کوئی اسے پاکستان کی جنگ کہتا ہے، جتنے منہ اتنی باتیں۔ جنرل کیانی نے یوم شہدا کی تقریر میں بھی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا کہ اس مسئلے پر جس طرح رائے عامہ تقسیم ہے، اس سے میدان جنگ میں لڑنے والے سپاہی کا دماغ لڑکھڑا سکتا ہے، ظاہر ہے یہ صرف فوج کی جنگ نہیں ہے، مگر جو کوئی زبان کھولتا ہے، وہ یہی کہتا ہے کہ فوج اپنوں کو مار رہی ہے۔

مذاکرات کے حق میں بھی بولنے والے بہت ہیں۔ دہشت گردوں نے بھی دانہ پھینکا ہے اور بعض پاکستانی شخصیتوں کو ضامن مان لیا ہے۔ پھر انکاری ہو گئے، سوات میں بھی مذکرات کا ڈرامہ ہوا اور کئی صلح نامے لکھے گئے، اس سے انتہا پسندوں کو وقت مل گیا اور پھر جب پانی پلوں کے اوپر سے بہنے لگا تو فوج کو ہی حرکت میں آنا پڑا مگر قیام امن کی بھاری قیمت چکانا پڑی۔ اب پھر مذاکرات کی گردان کر کے دہشت گردوں کو منظم ہونے کا موقع دیا جا رہا ہے۔ اگر مذاکرات ہی سے مسئلہ حل کرنا ہے تو میاں نواز شریف بسم اللہ کریں اور بٹھائیں دہشت گردوں کو سامنے میز پر۔ مولانا فضل الرحمٰن بھی ان کو آمنے سامنے بٹھائیں، اور قبلہ منور حسن تو روز کہتے ہیں کہ میں مذکرات کراتا ہوں تو وہ کس دن کا انتظار کر رہے ہیں۔ پچاس ہزار پاکستانی تو مارے گئے، اتنے دہشت گرد تو نہیں مارے گئے۔ ڈرون حملے بھی ہمارے اقتدار اعلیٰ کے خلاف ہیں، ان کے خلاف یو این او کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے بھی زبان کھولی اور ڈرون سے مرنے والوں کے لیئے معافی بھی مانگی مگر جو انتہا پسندوں کے ہاتھوں مارے گئے، کسی کے گلے کٹے، کسی کی لاش کا مثلہ ہوا، کسی کے بدن کے چیتھڑے اڑے، کسی مسجد کو شہید کیا گیا، کسی مزار کو نشانہ بنایا گیا اور زیارت میں قائد ریذیڈنسی کو بھی خاکستر کر دیا گیا، ان پر کون معافی مانگے گا۔ جنرل کیانی نے صحیح کہا ہے کہ آپ دہشت گردی سے نبٹنے کی حکمت عملی پر تو اختلاف کر سکتے ہیں لیکن دہشت گردی کے سامنے جھکنا تو کوئی حل نہیں، جنرل کیانی نے قوم کے حوصلوں کو سلام پیش کیا ہے کہ وہ دس سال سے دہشت گردی کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں اور حالیہ الیکشن کے موقع پر ہر قسم کی دھمکی ملنے کے باوجود قوم نے دلیری کا مظاہرہ کیا اور ملکی تاریخ میں سب سے بڑا ٹرن آوٹ دیکھنے میں آیا۔

پتا نہیں حکومت کو کس بات کا انتظار ہے، یہ رٹ روز لگائی جاتی ہے کہ سکیوریٹی پالیسی بنائی جا رہی ہے، مگر وہ دن طلوع ہی نہیں ہوتا جب حکومت اس کے لیئے کسی میز پر بیٹھے، ایک عمران خان کے انتظار میں اس کو ملتوی کیا جا رہا ہے، عمران نہ ہوا، ہرفن مولا ہوا کہ اس کے بغیر پاکستان کو چلانا ممکن نہیں۔ یہ نری بہانہ سازی ہے۔ جو کام نہ کرنا ہو، اس کے لیئے اجلاس طلب کر لیئے جاتے ہیں، کمیٹیاں بٹھا دی جاتی ہیں، کمیشن قائم کر دیئے جاتے ہیں، قومی اتفاق رائے کی پخ لگا دی جاتی ہے، کالا باغ ڈیم کے ساتھ بھی یہی بدمعاملگی ہوئی، اب سکیوریٹی پالیسی اس کی بھینٹ چڑھ رہی ہے۔ آئی ایم ایف سے قرضہ لیتے وقت تو کسی سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ بجلی اور پٹرول کے نرخوں میں اضافے کے لیئے بھی کسی سے مشورہ نہیں مانگا گیا۔ بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی پالیسی پر بھی قومی اتفاق رائے حاصل نہیں کیا گیا۔ اور تو اور، گورنر ہاؤس مری اور بھوربن کو ایوان وزیر اعظم بنانے میں گورنر سے رائے بھی کس نے لی۔

نجانے مجھے جنرل کیانی کے وہ الفاظ کیوں یاد آتے ہیں جو انہوں نے یوم شہدا کے موقع پر کہے کہ ہم اب بھی اس منزل سے دور ہیں، جس کا خواب قائداعظم اور اقبال کی قیادت میں ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ آمریت ہو یا جمہوریت، عوامی مفاد کو فوقیت نہ دی جائے تو حکمرانی صرف شخصی مفادات کے تحفظ اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

دنیا ایک اسٹیج ہے، ہر شخص اپنا کردار ادا کرتا ہے اور اسٹیج سے اتر جاتا ہے۔ جنرل کیانی کو ایک دن رخصت ہونا ہے، مگر ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی کہ کوئی بتائے اگر ایک گروہ پاکستان کے آئین اور قانون سے بغاوت کرتے ہوئے اپنے غلط نظریات ہم پر جبری طور پر مسلط کرے اور اس مقصد کے لیئے ہر قسم کی خونریزی کو جائز سمجھتا ہو تو کیا اس کا قلع قمع کرنا کسی اور کی جنگ ہے۔

جنرل کیانی نے یہ جنگ پاکستان کی جنگ سمجھ کر لڑی، اس میں کامیابی حاصل کی، انہوں نے دنیا میں بھی قیام امن کی جنگیں لڑیں اور اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے پاکستان آکر پاک فوج کو کامیابی کا پہلا نمبر دیا۔ اب ملک کی باگ ڈور میاں نواز شریف، عمران خان اور ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنا کمال دکھائیں اور ملک کے اندر امن قائم کریں۔ (17 اگست 2013ء)

بھارت سے امن کی بھیک

جنرل ضیاالحق جب چاہتے ، جہاز پکڑتے اور عمرہ کرنے چلے جاتے۔لوگ کہتے کہ وہ اپنی بیٹری چارج کروانے گئے ہیں۔میاں محمد نواز شریف بھی عمرہ کر آئے ہیں۔آتے ہی انہوں نے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں برصغیر پر منڈلانے والے خطرات کا جائزہ لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ قیام امن کے لیئے اگلے ماہ وہ نیویارک میں بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ سے ملاقات کے منتظر ہیں۔

سمجھوتہ بس کو امرتسر میں بلوائیوں نے روک لیا، یہ بس بھارت کی ملکیت ہے، پاکستان کی ملکیت سمجھوتہ بس نئی دہلی کھڑی ہے جس کی حفاظت کے لیئے پاکستان نے بھارت کو ذمے دار ٹھہرایا ہے۔نئی دہلی ہی میں پاکستان کے ہائی کمشن پر حکمران کانگرس کے غنڈوں نے حملہ کیا، ہمارے دفتر خارجہ نے بھارت سے کہا ہے کہ وہ ہمارے ہائی کمشن کی حفاظت کا فریضہ ادا کرے۔بھارت نے آزاد کشمیر کے تتہ پانی سیکٹر میں بلااشتعال فائرنگ کر کے ایک شہری کو شدید زخمی کر دیا ہے، بھارت کا الزام ہے کہ پاک فوج نے پونچھ سیکٹر میں جنگ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سات ہزار راؤنڈ فائر کیئے، بھارت کو بھی جوابی فائرنگ کرنا پڑی۔اور اس کی فوج نے پانچ ہزار راؤنڈ فائر کیئے۔بھارت نے کنٹرول لائن کی نئی خلاف ورزی سیالکوٹ کے بجوات سیکٹر میں کی ہے۔بھارت نے نچلی سطح کے مذاکرت کا سلسلہ معطل کر رکھا ہے اور بھارتی میڈیا نے ملک کے اندر جنون کی کیفیت طاری کر دی ہے۔من موہن سنگھ پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ نواز شریف سے مجوزہ

ملاقات نہ کریں۔

چودہ اور پندرہ اگست کی نصف شب کو کلدیپ نائر کی قیادت میں بھارتی صحافی واہگہ بارڈر پر شمعیں روشن کرتے ہیں، بھارت میں دونوں جانب کے صحافی، ادیب اور دانشور امرتسر میں امن میلہ منعقد کرتے ہیں، یہ سلسلہ پندرہ برس سے جاری ہے لیکن بھارتی حکومت نے پہلی بار اس پاکھنڈ کی اجازت دینے سے انکار کردیا ہے۔ بھارت کے ایک گرو گھنٹال بابا رام دیو نے مطالبہ کیا ہے کہ مرنے والے پانچ بھارتی فوجیوں کے بدلے پاک فوج کے پچاس جوان شہید کر کے انتقام کی پیاس بجھائی جائے۔اس کا نعرہ ہے ایک کے بدلے پانچ۔شیوسنا کے فلم ونگ نے بھارتی فلم سازں کو دھمکی دی ہے کہ وہ پاکستانی آرٹسٹوں اور گلوکاروں کا بائیکاٹ کریں ورنہ شیوسنا اپنے طریقے سے نپٹے گی۔

یہ سارا شوروغل پانچ بھارتی فوجیوں کی ہلاکت کی پیداوار ہے۔ان میں سے چار کے تابوت بہار کے شہر پٹنہ پہنچے۔ریاست کے وزیراعلیٰ ستیش کمار نئی دہلی کے دورے پر تھے، اخبار نویسوں نے بہار کے ایک وزیر بھیم سنگھ سے پوچھا کہ ریاست کے کسی وزیر نے ایئرپورٹ پر تابوت موصول کرنے کی زحمت کیوں نہیں کی۔وزیر نے ترت جواب دیا کہ لوگ فوج اور پولیس میں مرنے کے لیئے جاتے ہیں، ان کی لاشوں کے استقبال کی کیا ضرورت ہے۔اخبار نویس تو اس کے گلے پڑ گئے، اس نے پھر کہا کہ فوجیوں کو مرنے کے لیئے تنخواہ ملتی ہے۔اخبار نویسوں نے مزید شور ڈالا تو اس نے کہا کہ تم لوگ بھی گھروں میں بیٹھے ہوتے اگر تمہیں اخباری ڈیوٹی کے لیئے تنخواہ نہ مل رہی ہوتی۔اس نے اخبار نویسوں سے پوچھا، کیا تمہارا باپ ایئرپورٹ گیا تھا۔کیا تمہاری والدہ نے وہاں جا کر بین ڈالے تھے۔یہ الگ بات ہے کہ اس کے بیان پر بھارت میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، اور ریاستی وزیراعلیٰ ستیش کمار نے لوگوں کے جذبات ٹھنڈا کرنے کے لیئے اپنے وزیر کو معذرت پر مجبور کیا۔

اب ذرا اس بیان پر پھر نظر ڈال لیجئے جو بھارتی وزیر دفاع نے بی جے پی کے دباؤ میں آ کر دیا۔اس کا کہنا ہے کہ کنٹرول لائن پر پاک فوج کے خصوصی دستوں نے کارروائی کی ہے جنہیں پاک فوج کی مدد حاصل تھی۔ پہلے بیان میں کہا گیا تھا کہ بیس لوگ کنٹرول لائن کے اندر گھس آئے جن کو پاک فوج کی وردی میں ملبوس افراد کی معاونت حاصل تھی۔کیا دونوں بیان ایک جیسے نہیں ہیں۔دوسرے بیان میں یہ کہنا کہ پاک فوج کے

خصوصی دستوں کو پاک فوج کی معاونت حاصل تھی، اس سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ جب خصوصی دستے بھی پاک فوج کے تھے تو پھر ان کو مزید فوجی معاونت کی کیا منطق ۔ وزیر دفاع نے بیان بدلے بغیر یہ تاثر دیا ہے کہ اس نے بیان بدل لیا ہے۔ الفاظ کے ہیر پھیر سے اس نے اپنی اپوزیشن کو تو بیوقوف بنا لیا ہے لیکن عالمی مبصرین کو وہ گمراہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، امریکی ردعمل میں بھی کہا گیا ہے کہ پاک فوج اس واقعہ میں ملوث نہیں، کم از کم بھارت یہ ثابت نہیں کر سکا۔

تو پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ امن کی خواہش کا اظہار صرف ہمارے وزیر اعظم کی طرف سے ہے۔ اور ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار والا معاملہ ہے۔ اوپر سے امریکہ بہادر کا دباؤ ہے کہ مذاکرات کریں۔ ضرور کریں لیکن کوئی مذکرات کے لیئے تیار تو ہو۔ اندرا گاندھی کو موقع ملا تو اسنے پاکستان کو دولخت کر دیا اور یہ اعلان بھی فخر سے کیا کہ نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا۔ ان کی لاڈلی بہو سونیا گاندھی کا کہنا ہے کہ اب بھارت کو پاکستان پر جارحانہ یلغار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم نے پاکستان کو ثقافتی میدان میں سرنڈر پر مجبور کر دیا ہے۔ راہول گاندھی سینہ چوڑا کر کے کہتے ہیں کہ میری دادی نے پاکستان کا (خدا نخواستہ) کریا کرم کر دیا۔ اس سوچ والے ملک کے ساتھ میاں نواز شریف مذاکرات کرنے چلے ہیں تو ضرور کوشش کر دیکھیں۔

بھارت پھنکار رہا ہے۔ ہم نے ابھی تک کابینہ کی دفاعی کمیٹی کا اجلاس تک منعقد نہیں کیا۔ اور جو اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا بھی ہے، اس کا حاصل یہ کہ نیویارک والی ملاقات ضرور ہونی چاہیئے ۔ یہ ملاقات اسی صورت ہوگی جب بھارتی اپوزیشن بی جے پی اور حکمران کانگرس کی عقابی سیاست نرم پڑے گی ۔ پاکستان میں وزیر اعظم کو کوئی بتائے کہ حضور! ملک کا مفاد کیا ہے۔ عمران خان بھی اسی وکٹ پر کھیل رہے ہیں۔ پی پی کا داؤ نہیں لگا ورنہ پاکستان کو بھارتی چوکھٹ پر سجدہ ریز کر دیتی۔ کوئی کسر باقی ہے تو اب پوری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت بھارت سے امن کی بھیک مانگ رہی ہے۔ (13 اگست 2013ء)

امن کی چتا

جمعرات کی صبح بہار اور مہاراشٹر میں پانچ چتاؤں کو آگ دکھائی گئی تو بھارت کے پانچ فوجیوں کی لاشوں کے ساتھ امن کی آشا اور ٹریک ٹو ڈپلومیسی بھی جل کر راکھ ہوگئی۔ مجھے پاکستان میں بھارتی شردھالوؤں اور سی آئی اے کے کنٹریکٹر دانشوروں، صحافیوں، شاعروں اور اینکروں سے دلی ہمدردی ہے۔

بھارت میں بہت کچھ ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں حکمران زیادہ ہیں اور اپوزیشن بھی بافراط پائی جاتی ہے۔اس کے برعکس پاکستان میں اگر کچھ نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں گنے چنے حکمران ہیں اور وہ ملک میں موجود نہیں تھے، وزیراعظم عمرے کے لیئے سعودیہ گئے ہوئے تھے اور پنجاب کے چیف منسٹر جو اپنے بڑے بھائی کے فرائض رضا کارانہ طور پر ادا کرتے ہیں، اپنے طبی معائنے کے لیئے لندن میں تھے۔ وزیر خزانہ بھی حرمین شریفین میں عبادت میں مصروف رہے۔اس خلا میں ایک وزیر داخلہ باقی بچے تھے جنھوں نے وزیر دفاع اور وزیر خارجہ کے فرائض ادا کرنے کی کوشش کی۔

کنٹرول لائن پر ایک عرصے سے کشیدگی ہے۔ پیر کو رات گئے پونچھ سیکٹر کے چھکن داباغ سیکٹر میں بھارت کے دسویں ڈویژن کے پانچ فوجی مارے گئے اور ایک زخمی ہوا۔ان میں سے چار کا تعلق اکیسویں بہار رجمنٹ سے ہے جن کے تابوت، پاکستانیوں کے چہیتے، بہار کے چیف منسٹر نتیش کمار کی راجدھانی میں اترے۔

بھارت میں جو منظر دیکھنے میں آیا، اس پر طوائف الملوکی کا گمان گزرتا ہے۔ بھارتی فوج نے حسب معمول اس سانحے کی ذمے داری پاک فوج پر عائد کی مگر بھارتی وزیر دفاع انتھونی نے پارلیمنٹ کو بتایا کہ اس

واردات میں بیس مسلح افراد ملوث ہیں جن کے ساتھ پاک فوج کی وردی میں ملبوس کچھ لوگ بھی تھے۔ بھارت میں اس بیان پر ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ راجیہ سبھا میں پاکستان مردہ باد(خدانخواستہ) کا نعرہ لگا۔ بی جے پی نے عوام کی ہمدردی جیتنے کے لیئے دوطرفہ محاذ کھول دیا، بی جے پی کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ حکمران کانگرس پارٹی ، پاکستان کے عشق میں مبتلا ہے اوراس نے نہ صرف فوج کو اپنا ابتدائی بیان بدلنے کے لیئے مجبور کیا بلکہ خود بھی پاکستان کو رعایت دینے کے لیئے ایک نرم سا بیان گھڑ لیا۔ بی جے پی کے ایک وفد نے وزیر اعظم منموہن سنگھ سے ملاقات کی، اس میں ایل کے ایڈوانی، راج ناتھ سنگھ، سشما سوراج اور ارون جیتلے شامل تھے، حکومت نے تنقید سے بچنے کے لیئے بیچ کا رستہ نکالا اور یہ اعلان کیا کہ بھارتی آرمی چیف جنرل بکرم سنگھ، جموں میں حالات کا جائزہ لینے گئے ہیں، ان کی رپورٹ کی روشنی میں وزیر دفاع اصل صورت حال بیان کریں گے۔

بھارتی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور وزیر اعظم پر دباؤ بڑھایا کہ وہ اگلے ماہ نواز شریف سے ہرگز ملاقات نہ کریں، میڈیا نے ایک ہی رٹ لگائی کہ جارحیت اور مذاکرات ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ بی جے پی نے الزام لگایا کہ وزیر دفاع نے فوج کو اپنا ابتدائی بیان بدلنے پر مجبور کیا ہے۔ بی جے پی کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ وزیر خارجہ سلمان خورشید نے بیان بدلوایا ہے، کسی نے بیان بدلنے میں قومی سلامتی کے مشیر شوشنکر مینن کو موردالزام ٹھہرایا۔ کسی نے کہا کہ ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز نے اپنی فوج کے ابتدائی بیان کی اصلاح کی ہے، کسی نے کہا کہ سیکرٹری خارجہ سوجاتھا سنگھ نے بیان میں نرمی پیدا کی ہے۔ ایڈوانی نے کہا کہ من موہن نے نواز شریف سے ملاقات کی تو بھارت کے طول وعرض میں اشتعال پھیلے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ کانگرس پارٹی، پاکستان سے نرمی کا سلوک کر رہی ہے۔ جواب میں کانگرس نے طعنہ دیا کہ پاکستان کے ساتھ نرمی کس نے برتی، کیا واجپائی کا سفر لاہور یاد نہیں جس میں وہ امن اور دوستی کے گیت گاتے رہے اور پاکستان نے اس کا جواب کارگل میں دیا۔

حکومت اپنے سائز سے بڑی ہو اور بے قابو اور شتر بے مہار بھی ہو تو ایسا ہی انتشار دیکھنے کو ملتا ہے۔

ایک طرف اپوزیشن اور اس کی دیکھا دیکھی میڈیا نے شوروغوغا مچا رکھا تھا تو دوسری طرف حکمران کانگرس نے بھی اپنی حکمت عملی تشکیل دی، چنانچہ کانگرس کے یوتھ ونگ کو حرکت میں آنے کا اشارہ ملا اور اس کے مشتعل غنڈوں نے نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن کی عمارت پر ہلہ بول دیا۔ کانگرس کا یہ دوہرا طرز عمل پہلی

بار سامنے نہیں آیا، صدر زرداری بھارت کے دورے پر گئے تو سرکاری دعوت میں سونیا گاندھی نے شرکت نہیں کی۔ کانگرس نے کہا کہ سونیا کو سیاسی مائن فیلڈ سے بچ کر رہنا چاہیئے۔ مصر کے شہر شرم الشیخ میں من موہن سنگھ اور یوسف رضا گیلانی سے ملاقات کے بعد اعلان جاری ہوا جس میں بلوچستان میں بھارتی مداخلت کا ذکر تھا، حکمران کانگرس پارٹی نے اس بیان پر اپنے وزیر اعظم کی حمایت نہ کی۔

آج بھی بھارت میں پاکستان دشمنی کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔

لیکن تضادات ملاحظہ ہوں۔

پہلا بیان: پاک فوج نے لائن آف کنٹرول پر پانچ فوجیوں کو نشانہ بنایا۔

دوسرا بیان: پاک فوج نے لائین آف کنٹرول پار کر کے کارروائی کی۔

تیسرا بیان: بیس مسلح افراد نے پاک فوج کی وردی میں ملبوس افراد کی حمایت سے ہلہ بولا۔

چوتھا بیان: پاک فوج کے خصوصی دستوں نے قتل عام کیا۔

تازہ ترین حکم واشنگٹن سے جاری ہوا ہے کہ پاکستان اور بھارت اپنے تمام مسائل مذاکرات کے ذریعے حل کریں، جبکہ خود امریکی صدر نے ایک جاسوس سنوڈن کو پناہ دینے کی آڑ میں روسی صدر سے ملاقات منسوخ کر دی ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف یکہ و تنہا ہیں، نہ کوئی وزیر دفاع، نہ وزیر خارجہ، نہ سر دست چھوٹے بھائی کی معاونت میسر، نہ قومی سلامتی کا کوئی مشیر، نئے آرمی چیف کی تلاش کا عمل جاری۔ ایوان صدر میں اپنا جیتنے والا امیدوار ابھی کراچی کے سیلاب زدہ گھر میں۔

بھارت کا مسئلہ غیر ضروری طور پر پھیلی ہوئی اور بے قابو جمہوریت نے بگاڑا اور پاکستان میں سکڑی ہوئی، غیر متحرک اور غیر فعال جمہوریت مسئلہ پیدا کر رہی ہے۔ حد سے زیادہ بے اعتنائی بحرانوں کی ماں ہے۔ وزیر اعظم حیران ہیں کہ بھارت سے دوستی کا سفر کیسے شروع ہوگا۔ بھارتی شردھالو بھی آس کی نیا ڈبونے کی فکر میں غلطاں ہیں۔ جان کیری آئے اور چلے گئے لیکن وہ ایک خون آلود برصغیر اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

بھارت نے براہ راست پاک فوج پر جارحیت اور دہشت گردی کا الزام لگا دیا ہے، پاکستان میں اپنی فوج کا دفاع کون کرے گا۔ (10 اگست 2013ء)

جنرل کیانی کی میراث

بحث یہ نہیں ہونی چاہیے کہ جنرل کیانی کا وارث کون۔ بحث تو یہ ہونی چاہیئے کہ جنرل کیانی کیا میراث چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

ایک کہکشاں ہے جو تاریخ کے راستے اجالتی رہے گی۔

ایک مینارہ نور ہے جو روشنیاں بکھیرتا رہے گا۔

جنرل کیانی نے تاریخ کو نیا رخ دیا ہے، اس کا دھارا بدلا ہے۔

اس نے فوجی بغاوتوں کے متلاطم سمندر کے آگے مضبوطی سے بند باندھ دیا ہے۔

اس نے عہد و پیمان کی کہانی کو لازوال بنا دیا ہے۔ پہلے دن قوم سے کہا کہ اب فوج سیاست اور حکومت سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی۔ اور یہ عہد پورا کر دکھایا۔

کئی روایات ہیں جن کی شروعات جنرل کیانی کے ہاتھوں ہوئیں اور ان کی تکمیل بھی۔

ہماری جمہوریت کبھی اتنی توانا نہیں تھی، اتنی پر اعتماد نہیں تھی، اتنی رعنائی اور زیبائی کی مالک نہ تھی، جنرل کیانی کے دم قدم سے جمہوریت کے آنگن میں نئی بہاریں مسکرائیں۔ نئی قوس قزح افق تا افق رنگ بکھیرنے لگی۔

اسے وار آن ٹیرر ورثے میں ملی تھی۔ معطل اور مفلوج عدلیہ اور نحیف و نزار جمہوریت بھی اس کے بہی کھاتے کا حصہ تھی۔ وار آن ٹیرر دم توڑ رہی ہے، عدلیہ کب کی بحال ہو چکی اور جنرل کیانی کے ثالث بالخیر کا کردار ادا کرنے سے بحال ہوئی اور جمہوریت کی حالت سنبھل رہی ہے، ایک منتخب حکومت اپنی آئینی ٹرم پوری کر چکی ہے اور اب دوسری منتخب حکومت کا دور شروع ہے۔

اگلے آرمی چیف کو بھی جنرل کیانی کے طے کردہ راہنما اصولوں پر سختی سے عملدر آمد کرنا ہوگا۔ جمہوری اور سیاسی قوتوں کو اپنے اختلافات خود طے کرنا ہوں گے، فوج کی طرف سے مداخلت کا دروازہ بند ہو چکا، اس پر کیانی لاک لگ گیا۔ اس تالے کی چابی، آنے والے کسی آرمی چیف کے پاس نہیں ہوگی۔ سمجھیئے یہ چابی کہیں کھو گئی۔

وار آن ٹیرر کا میدان ایک کڑا امتحان تھا۔ جنرل کیانی کے لیئے اس سے نکلنا ممکن نہیں تھا کیونکہ امریکہ نے بڑی ہوشیاری سے اسے پاکستان کی جنگ بنا دیا تھا، محترمہ بےنظیر بھٹو کی شہادت کے بعد صرف سرنڈر کے ذریعے ہی اس جنگ سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔ اور اب تو مزید پچاس ہزار لاشیں گر چکی ہیں۔ مزاروں، مسجدوں، اسکولوں، گھروں، دفتروں، بازاروں اور جنازوں پر بم پھٹتے رہے۔ بلوچستان کا خونی کھیل سنگین نوعیت کا تھا۔ عالمی مہرے پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر کاری ضربِ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ فاٹا میں موجود انتہا پسندوں نے افغانستان میں امریکی استعمار کے مظالم کا بدلہ پاکستان سے لینے کی کوشش کی۔ لیکن جنرل کیانی نے اپنے مہرے نہایت احتیاط سے کھیلے۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے کہیں فوجی آپریشن نہیں کیا۔ سوات میں انتہا پسندوں نے غلبہ پانے کی کوشش کی تو ایک محدود مگر محکم آپریشن کر کے امن قائم کر دیا گیا۔ شمالی وزیرستان میں امریکی دباؤ کے باوجود جنرل کیانی نے آپریشن سے گریز کیا۔ مشرف کی طرح کوئی ،کیانی پر یہ الزام نہیں لگا سکا کہ وہ ڈبل گیم کر رہے ہیں، امریکی پیسہ بھی کھا رہے ہیں اور افغانستان میں امریکہ کا خون بہانے میں انتہا پسندوں کی مدد بھی کر رہے ہیں۔ جنرل کیانی نے وہی کچھ کیا جو پاکستان کی بساط میں تھا اور مفاد میں تھا۔ ایبٹ آباد میں کیا ہوا مگر وہ نہیں ہوا جو امریکہ چاہتا تھا۔ پاکستان نے اسامہ کو خود پکڑ کر امریکہ کے حوالے نہیں کیا بلکہ اسامہ کی تلاش میں مددگار ثابت ہونے والے ڈاکٹر شکیل آفریدی کو غداری میں سزا دلوا دی۔

شمالی اتحاد کے ساتھ پاکستان کی قربت اور دوستی کا ایک نیا باب کھلا ہے، یہ ورق جنرل کیانی نے پلٹا ہے۔اب افغانستان میں پاکستان کا کوئی چھپتا نہیں، سب فریق برابر ہیں۔طالبان مذاکرات کی میز پر ہیں تو امریکہ بھی ہے اور شمالی اتحاد بھی اپنا وزن مذاکرات کے پلڑے میں ڈال رہا ہے۔امریکہ کو اس افغان جنگ میں وہ کامیابی نہیں ہوئی جو پہلی جنگ میں ہوئی تھی کہ اپنے پیچھے ایک سلگتا ہوا افغانستان چھوڑ کر چلا گیا۔جنرل کیانی کی سفارتی اور تزویراتی مہارت کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ بھارت کو افغانستان میں اپنی سرمایہ کاری ڈوبتی نظر آتی ہے۔

جنرل کیانی نے پاکستان کے اسلامی جمہوری تشخص پر سختی سے پہرہ دیا ہے۔اسے کوئی شتروگھن سنہا عزیز نہیں ہے،اس نے بھارتی کرکٹ ٹیم کے دوروں کو پاکستان کے قومی مفادات پر ترجیح نہیں دی۔بھارت نے ممبئی سانحے کے بعد پاکستان کو آنکھیں دکھائیں تو جنرل کیانی نے ترت جواب دینے کے عزم کا اظہار کیا۔بھارت سرجیکل اسٹرائیک کرنا چاہتا تھا، جنرل کیانی ان مذموم ارادوں کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔بھارت کو منہ کی کھانا پڑی، وہ اپنی فوجیں چھاؤنیوں میں واپس لے گیا اور سرحدوں پر منڈلانے والے بھارتی طیارے بھی اپنے ہینگروں میں جا کھڑے ہوئے۔

جنرل کیانی کو آئے روز کنٹرول لائن سے اپنے بچوں کی لاشوں کے تابوت ملتے ہیں۔ابھی کل ہی سپاہی عاصم اقبال کا جنازہ پڑھا گیا۔مگر صبر و تحمل کا کوہ گراں جرنیل کسی اشتعال میں نہیں آتا، بھارت بار بار انگیخت کر رہا ہے، وہ کچوکے پر کچوکے لگا رہا ہے مگر کیانی کا حوصلہ لاشوں کے تابوت سے نہیں توڑا جا سکا۔بھارتی جارحیت کے سامنے اس کی فوج مورچوں میں ڈٹی ہوئی ہے۔

امریکہ نے بھی کیانی کے صبر و تحمل کو آزمانے کی کوشش کی، سلالہ چیک پوسٹ پر قتل عام، انسانی تاریخ کا ایک اندوہناک سانحہ تھا مگر کیانی نے ایک مدبر جرنیل کی طرح اپنی اسٹریٹجی کا توازن درہم برہم نہیں ہونے دیا۔وہ امریکہ سے جنگ نہیں چاہتا، یہ جنگ کسی کے مفاد میں ہے، نہ بس میں ہے لیکن اس نے امریکہ کو اپنی اطاعت کا غیر مشروط یقین بھی نہیں دلایا۔وہ امریکہ کا زرخرید ثابت نہیں ہوا۔

حالیہ انتخابات سے پہلے جنرل نے واضح کیا کہ اسلام اور جمہوریت پاکستان کی اساس ہیں۔اس نے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ گھروں سے نکلیں اور ووٹ ڈال کر اپنی قسمت کا فیصلہ کریں۔اسی یقین دہانی سے

حوصلہ پا کر عوام نے دہشت گردوں کا خوف ذہنوں سے نکال دیا۔ جمہوریت کی کھلی حمایت کا یہ ورثہ جنرل کیانی کے جانشین کے حصے میں آئے گا۔

وار آن ٹیرر میں کون کامیاب ہوا، وہ لوگ یقینی طور پر اپنے ارادوں میں شکست کھا گئے جو جمہوریت، پارلیمنٹ، اور آئین کے کھلے مخالف تھے۔ وہ سوات پر قابض ہوئے مگر پسپا ہوئے اور اسلام آباد اور کہوٹہ پر وار کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں ایسی جرات نہیں ہو سکی۔ امریکہ بھی میدان چھوڑ کر جا رہا ہے۔ مگر پاکستان کی پالیسی اور اس کے عزم و حوصلے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، یہ ہے وہ ورثہ جو جی ایچ کیو کی اگلی قیادت کو جنرل کیانی منتقل کر رہا ہے۔ اور اسے اپنے اس ورثے پر فخر ہونا چاہیئے۔

کیانی کو ملکی تاریخ میں مدتوں یاد رکھا جائے گا، وہ نئے شاہناموں کا موضوع بنے گا۔ وہ اٹل ارادے اور بے پناہ حوصلے والے جرنیل کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کو تو شہید کیا جا سکتا ہے مگر ان کی اولوالعزمی اور نا قابل تسخیر ہونے کی روایات کی چمک دمک کو گہنایا نہیں جا سکے گا۔ اور جنرل کیانی کی حب الوطنی، جمہوریت پسندی اور ثابت قدمی کی میراث اس کے ہر جانشین کے لیئے سرمایہ افتخار ٹھہرے گی۔ (30 جولائی 2013ء)

آرمی ان دی لائین آف فائر

پاک فوج اپنے سائز اور وسائل کے اعتبار سے اس قابل نہیں اور نہ اس کا ایجنڈا ہے کہ یہ بھارت کو فتح کرے، اس کی بنیادی ڈیوٹی ملک کا دفاع ہے۔ 1948 کی پہلی کشمیر جنگ میں پاک فوج نے بھارتی جارح فوج کے جبڑوں سے کشمیر کا کچھ علاقہ آزاد کروایا۔ 1965 میں پاک آرمی نے آپریشن جبرالٹر کے نام سے کشمیر میں بھارتی تسلط کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا، ہماری فوجوں نے چھمب جوڑیاں کی طرف فاتحانہ پیش قدمی کی تو بھارت نے بین الاقوامی سرحدوں کو پامال کرتے ہوئے لاہور اور سیالکوٹ بارڈر پر چوروں کی طرح حملہ کر دیا، بھارتی میڈیا نے خبریں نشر کر دیں کہ اس نے قصور پر قبضہ کر لیا ہے، لاہور میں اس کی فوج داخل ہو گئی ہے اور سیالکوٹ گوجرانوالہ کے درمیان سے جی ٹی روڈ کو کاٹ دیا گیا ہے۔ پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ بھارت سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ بھارت کی بڑی شکست نہیں تو چھوٹی شکست ضرور تھی کہ وہ پاکستان پر قبضے کے ناپاک عزائم کی تکمیل نہ کر سکا۔ اسی جنگ سے پہلے سر کریک میں بھارتی فوج کو پاک فوج نے ایسا پچھاڑا کہ شاستری کو دھمکی دینا پڑی کہ اب وہ اپنی پسند کا محاذ کھولیں گے۔ کھیم کرن، لاہور اور سیالکوٹ میں اپنی پسند کے محاذوں پر بھارتی فوج کا غرور چکنا چور کر دیا گیا۔ 1971 میں بھارت نے مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کروائی، پیسے اور پروپیگنڈے کے زور پر پاکستانی دانشوروں کو پاک فوج کے خلاف بھڑکایا، انہی دانشوروں کو بنگلہ دیش اب تمغے عنایت کر رہا ہے اور بھارت میں ان کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ مشرقی

پاکستان الگ کروادیا گیا اور پاک فوج کو تاریخ کا پہلا سرنڈر کرنا پڑا۔ مگر آئندہ کے لیئے اس خجالت سے بچنے کے لیئے پاک فوج نے ایٹمی صلاحیت کو اس قدر پروان چڑھالیا کہ اب بھارت کو پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات نہیں ہوسکتی۔

1986، 2002,2008 میں بھارت نے پاکستان پر چڑھائی کا بار بار ارادہ کیا۔

کاش! بھارت دلیری کا مظاہرہ کرتا اور اس بات کا فیصلہ ہوجاتا کہ برصغیر میں جارح کا حشر اور انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم تو نہ ہوتے لیکن دنیا بھارت کی تباہی کا نظارہ ضرور کرتی۔ اور ہر قوم آنے والی نسلوں کو بھی خبردار کر دیتی کہ کسی کو کمزور اور حقیر نہ سمجھا جائے۔ 1984 کے موسم بہار میں بھارت نے دنیا کے بلند ترین مقام پر جارحانہ پیش قدمی کی اور سیاچین پر قبضہ جمالیا، اس کا خیال تھا کہ وہ اس علاقے کو بیس کیمپ بنا کر پاکستان اور چین کو ملانے والی شاہراہ ریشم کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ پاکستان کے شیر دل جوان اور افسر 1984 سے کٹ مر رہے ہیں لیکن انہوں نے دنیا کی بلند ترین شاہراہ دوستی کو کاٹنے کا سہانا خواب، بھارت کے لیئے ڈراؤنے خواب میں بدل دیا۔ 2002 کے بعد سے دنیا وار آن ٹیرر کی زد میں ہے۔ ہمارے پڑوس کابل میں نیٹو اور امریکہ کی متحدہ افواج شکست کے بدنما داغ کے ساتھ علاقے سے رخصت ہونے والی ہیں، لیکن پاک فوج دہشت گردی کے سامنے سینہ سپر دکھائی دیتی ہے۔ دوسری طرف اسی فوج نے چار بار مارشل لا بھی لگایا، یہ حرکت بعض جرنیلوں نے کی، ان کی تائید ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ اور پارلیمنٹ نے کی۔ مارشل لا کا نفاذ گناہ تھا اور ضرور تھا تو اس میں ہماری اعلیٰ ترین عدلیہ، ہماری پارلیمنٹ اور ہماری سول سوسائٹی کا بڑا حصہ برابر کا شریک ہے، اس لیئے جو گالی فوج کے لیئے ضروری سمجھی جاتی ہے، وہ ان سب سول طبقات کا حق بھی ٹھہرتی ہے۔ میڈیا کے کچھ لوگ مارشل لا کے وزیر بنے، وہ کیسے پاک صاف ٹھہرے۔ یہ فوج اسلحہ بناتی ہے اور فروخت کرتی ہے، یہی فوج دلیہ بھی بناتی ہے اور فروخت کرتی ہے، یہی فوج پلاٹ بھی بیچتی ہے۔ حکومت کے تمام محکمے یہ سب کام کر رہے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑے بڑے کاروبار حکومتی افسران نے سنبھالے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے سرکاری اداروں کا جو حال کردیا ہے، وہ سب کے سامنے ہے، بجلی، ریلوے، پی آئی اے، سٹیل مل، سڑکیں، تعلیم، صحت، ٹیکنالوجی، کس کا نام لوں، کس کا نام نہ لوں، ہر طرف کھنڈر بکھرے ہوئے ہیں۔

پاک فوج ان دنوں، ان دی لائین آف فائر ہے، اس پر الزام یہ ہے کہ یہ کاروبار کرتی ہے، سی ڈی اے، ایل ڈی اے، ایف ڈی اے، کے ڈی اے، ایم ڈی اے بھی یہی کاروبار کرتے ہیں اور یہ سرکاری ادارے ہیں، پلاٹ بیچنا فوج کے لیئے جائز نہیں تو سوچنا پڑے گا کہ سول حکومت کے لیئے کیسے جائز ہو گیا، کیا برطانوی حکومت پلاٹ بیچتی ہے، کیا جاپانی حکومت پلاٹ بیچتی ہے، کیا امریکی حکومت پلاٹ بیچتی ہے۔ پاکستان میں جو جرم خاکی پوش افسر شاہی کر رہی ہے، وہی جرم سول افسر شاہی بھی کر رہی ہے اور بھونڈے طریقے سے کر رہی ہے۔اس سے کوئی ہسپتال نہیں چلتا، کوئی اسکول نہیں چلتا، کوئی ڈھنگ کا کالج نہیں چلتا، کوئی جہاز نہیں چلتا اور کوئی ریل نہیں چلتی تو فوج جو کچھ چلا رہی ہے، وہ چلتا نظر تو آتا ہے۔کون ہے جو آج ڈی ایچ اے کو چھوڑ کر وینس سوسائٹی میں گھر بنانے کو ترجیح دے گا، اس سوسائٹی کو جب سے ایل ڈے اے نے ٹیک اوور کیا ہے، وہاں الو بولتے ہیں، سبزی، گوشت، انڈے، ڈبل روٹی تک اس سوسائٹی میں دستیاب نہیں۔میں نے ایک سوسائٹی کی مثال دی ہے، سول اسکیموں کی حالت زار بیان کرنے کے لیئے ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔اور ڈی ایچ اے اگر جگ مگ کرتا دکھائی دیتا ہے تو اس کی انتظامیہ کو داد دینے کی ضرورت ہے۔میٹرو بس کے کناروں پر چند ہفتوں تک بتیاں جلی تھیں، اب وہاں رات کو اندھیروں کا راج ہوتا ہے۔ایک ڈی ایچ اے کیا، واپڈا، سوئی گیس،، سٹیٹ لائف، جوڈیشنل کالونی اور کس سرکاری محکمے کی ہاؤسنگ سوسائٹی نہیں ہے۔اوران کی ابتری پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔فوج پر لاپتا افراد کے لیئے بھی تنقید کی جاتی ہے، یہ لاقانونیت ہے، تو کیا امریکی ہوم لینڈ سکیوریٹی قانون کا لحاظ کرتی ہے، کیا ایم آئی فائیو اور ایم آئی سکس کسی آئین کے مطابق چلتی ہے۔کیا دنیا بھر کی ایجنسیوں کو پاکستان میں کھل کھیلنے کی اجازت دے دی جائے کہ وہ ہمارے ہی شہریوں کی برین واشنگ کر کے ہماری ہی سکیوریٹی کے لیئے خطرہ بن جائیں۔مشرقی پاکستان میں کیا مکتی باہنی کو کھلی چھٹی دے دی جاتی، کیا بلوچ لبریشن آرمی کو پاکستان کی سلامتی پر چڑھائی کی کھلی چھٹی ملنی چاہیئے۔کیا امریکہ اپنے اور دنیا بھر کے شہریوں کے فون، ای میل پیغامات کو ہیک نہیں کرتا، کیا یہ ڈاکہ نہیں ہے، کیا یہ ہماری نجی زندگی کے لیئے خطرہ نہیں ہے۔کیا یہ اقوام عالم کے اقتدار اعلیٰ پر ڈاکہ نہیں ہے۔ہم نے کبھی اسے تو چیلنج نہیں کیا۔خدا کے لیئے اپنی فوج کو اتنا ہی برا کہو جتنی یہ بری ہے اور اسے اتنا ہی اچھا سمجھو، جتنے خود ہم اچھے ہیں۔(27 جولائی 2013ء)

بیک چینل۔۔پیٹھ پیچھے چھرا۔۔ڈپلومیسی

وزیراعظم نے کہا ہے کہ بھارت سے بیک چینل ڈپلومیسی دوبارہ شروع کر دی گئی ہے۔انگریزی زبان کی اس اصطلاح کا بھارت میں یہ ترجمہ کیا جاتا ہے کہ پیٹھ پیچھے چھرا گھونپو۔ ہندو کی تو سرشت ہی یہ ہے کہ بغل میں چھری، منہ میں رام رام۔ چانکیہ اس نظریئے کا خالق ہے اور بھارت نے ہمیشہ اس پالیسی کو بڑے گھناؤنے انداز میں استعمال کیا ہے۔

یہ بیک چینل ڈپلومیسی ہی تو ہے کہ سمجھوتہ ایکسپریس کو اپنے فوجی افسروں کے ہاتھ آگ لگوا دو اور پھر اس کا الزام آئی ایس آئی پر دھر دو۔ یہی ناٹک بھارت نے اپنی پارلیمنٹ پر حملے کے لیئے کھیلا۔اس جرم میں تو ایک کشمیری لیڈر افضل گرو کو پھانسی بھی دے دی گئی ہے لیکن پارلیمنٹ پر حملے کا سارا الزام پاکستان پر عائد کیا گیا اور بدلہ لینے کے لیئے سرحد پر فوجیں متعین کر دیں۔ پاکستان کے لیئے اپنے دفاع میں اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ ایٹمی اسلحے سے لیس میزائل عین سرحد کے اوپر نصب کر دے تاکہ وہ اپنی مار کی حد سے ایک انچ بھی آگے پیچھے نہ گریں۔ ممبئی کے سانحے میں تو دنیا پر یہی ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یہ حملہ پاکستان کی آئی ایس آئی کی مدد سے لشکر طیبہ کے نوجوانوں نے کیا ہے لیکن بیک چینل ڈپلومیسی یہ تھی کہ اس کے اپنے آدمی اجمل قصاب نے یہ سارا ڈرامہ رچایا۔اب اس بیک چینل ڈپلومیسی کا بھانڈا ایک بھارتی انڈر سیکرٹری نے پھوڑ دیا ہے۔

پاکستان کو بھارت سے بہت عشق ہے، بھارت کو اس سے بھی زیادہ پاکستان سے عشق ہے اور وہ تو واہگہ کی لکیر کو غیر ضروری سمجھتا ہے۔ بھارت نے پیسہ پانی کی طرح بہا کر پاکستان میں بھی اپنے ہم نواؤں کا ایک

بہت بڑا ٹولہ اکٹھا کرلیا ہے جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، اور واہگہ بارڈر پر ہندوؤں کے ساتھ مل کر موم بتیاں روشن کرتا ہے، ان کے بس میں ہو تو وہ میرے گاؤں فتوحی والہ کے سامنے قیصر ہند پر بھگت سنگھ کا میلہ بھی مشترکہ طور پر منائیں لیکن وہاں خود بھارت نے ایسے مورچے تعمیر کررکھے ہیں جو دوسری جنگ عظیم میں جرمن اور فرانس کی سرحد پر قائم مورچوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔اور ان کے دہانوں سے وکرس مشین گنوں کی نالیاں کسی بھی گھس بیٹھیئے پر تڑتڑانے کے لیئے بے چین رہتی ہیں۔

بیک چینل ڈپلومیسی کے کئی لبادے ہیں۔کبھی اس کو ٹریک ون کہا جاتا ہے، کبھی ٹریک ٹو کا نام دیا جاتا ہے۔اس کھیل کی سرپرستی امریکہ بہادر کے ذمے ہے، ایک بار امریکی سنٹر لاہور نے مجھے ایسے ہی ایک وفد میں شامل ہوکر بھارت جانے کے لیئے کہا، میں نے معذرت کردی۔ مجھے بھارت پر ذرہ بھر اعتماد نہیں۔اس وفد میں محمود شام بھی شامل تھے اور وہ ان دنوں ایک ایسے اخبار سے منسلک تھے جو ٹریک ون، ٹو، تھری وغیرہ میں پیش پیش تھا۔اس وفد کی قیادت لاہور میں امریکی سنٹر کے ایک افسر کے سپرد تھی اور دہلی کے ہوائی اڈے پر ان کا استقبال کرنے کے لیئے بھی امریکی حکام موجود تھے، لیکن لاؤنج میں ایک بھارتی افسر نے گرجدار آواز میں کہا کہ طارق محمود ایک طرف ہوجائے اور باقی لوگ باہر چلے جائیں۔ ہر کوئی حیران تھا کہ اس نام کا کوئی شخص وفد میں شامل نہیں تھا تو پھر بھارتی افسر کو کس شخص کی تلاش تھی۔ یہ راز اس وقت کھلا جب محمود شام صاحب ایک طرف ہوکر کھڑے ہوگئے۔وفد کے ارکان نے متفقہ موقف اختیار کیا کہ اگر شام صاحب کو کلیئرنس نہیں ملتی تو کوئی بھی پاسپورٹ کنٹرول سے باہر نہیں جائے گا۔ بھارتیوں نے اس دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ لیا اور جب منٹ گھنٹوں میں تبدیل ہونے لگے تو شام صاحب نے کہا کہ اگر داخلے کی اجازت نہیں دیتے تو انہیں اسی فلائٹ سے واپس پاکستان جانے دیا جائے، مگر سنی ان سنی کردی گئی اور خاصی تگ ودو اور اعلیٰ ترین سفارتی رابطوں کے بعد طارق محمود کو کلیئر کردیا گیا۔ کسی کو کچھ پتا نہیں کہ طارق محمود عرف محمود شام، یکا یک بھارت کا ناپسندیدہ شخص کیوں بن گیا۔ یہ تھا بیک ڈور ڈپلومیسی کا ایک مظاہرہ جو بھارت نے امریکیوں کی آنکھوں کے عین سامنے کیا۔

برطانوی وزیر خارجہ ولیم ہیگ کو برصغیر سے کیا دلچسپی لاحق ہوگئی ہے، اس کا ملک تو ہمیں چھوڑ کر اس خطے سے چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے پنجاب کی تقسیم میں ڈنڈی مار کر کشمیر کا مسئلہ پیدا کردیا جو دونوں ملکوں

میں بار بار جنگ کا باعث بنا۔ یہ مسئلہ ابھی تک لاینحل ہے۔اور جنگ بندی کے باوجود اکا دکا تصادم کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان دونوں ایٹمی اسلحے سے لیس ہیں اور کشمیر کا مسئلہ کسی وقت بھی سلگ کر بھڑک اٹھا تو ایٹمی اسلحہ، انسانیت کی عظیم تباہی کا باعث بنے گا۔اب بجائے اس کے کہ برطانیہ اپنا اثرورسوخ استعمال کرکے، اگر کوئی ہے، اس مسئلے کو حل کرائے، مگر وہ بیک چینل ڈپلومیسی کی بحالی کی خوشخبری سننے کے لیئے بے تاب نظر آتا ہے جو ہمارے وزیر اعظم نے انہیں سنا دی ہے۔اس بیک چینل ڈپلومیسی میں کشمیر کے مسئلے کا دور دور تک ذکر نہیں ملتا، صرف دوستی اور امن کی آشاؤں کو پروان چڑھانے کی باتیں ہوتی ہیں۔ بھارت کو موسٹ فیورٹ نیشن کا رتبہ دینے پر زور دیا جاتا ہے، بھارت کی گوشمالی کرنے والا کوئی نہیں کہ وہ آئے روز بے گناہ کشمیریوں کا خون بہا رہا ہے اور کشمیری لیڈروں کو نظر بند کر دیتا ہے۔ کشمیری خواتین کی اجتماعی آبروریزی کے گھناؤنے جرائم بھی رونما ہوتے ہیں اور یہ خواتین ساری عمر نفسیاتی مریض بن کر رہ جاتی ہیں۔ بھارت کی سینہ زوری دیکھیئے کہ وہ سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چناب اور جہلم پر دھڑا دھڑ ڈیم بنا رہا ہے جس سے آزاد کشمیر کا خطہ متاثر ہو رہا ہے اور پاکستان کا وسیع رقبہ بھی بنجر اور ویرانے میں تبدیل ہو رہا ہے۔طرفہ تماشہ یہ ہے کہ پاکستان کا حق مار کر بھارت جو پانی چوری کرتا ہے، ہم اس سے پیدا ہونے والی بجلی خریدنے کے لیئے جھولی پھیلا رہے ہیں۔اس عقل و دانش پر رونا آتا ہے۔

پاکستان کی خالق جماعت کی میراث کے دعویدار، قائداعظم کے اصولوں کو کیوں پامال کر رہے ہیں، وہ بھارت کی بالادستی کے لیئے کیوں کوشاں ہیں۔ بھارت کسی کو کھا تو نہیں جائے گا، پتا نہیں ہمیں شکست خوردہ قیادت سے واسطہ کیوں پڑ گیا۔

پاکستان قائم رہنے کے لیئے بنا ہے، اس کو اللہ نے ہر نعمت سے نوازا ہے، معدنیات سے لبریز سرزمین، جفاکش اور محنتی آبادی جو دو وقت کی روٹی پر قناعت کرنے کے لیئے تیار ہے، بس سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کا پیٹ ہی نہیں بھرتا، وہ راتوں رات امیر سے امیر تر ہونے کے جنون میں مبتلا ہیں۔ بھارت سے تجارت کے لیئے مرے جا رہے ہیں اور اپنی فیکٹریوں کو تالے لگوانا چاہتے ہیں۔ بھارتی ثقافت کے سامنے ہماری اشرافیہ تو کبھی کی سرنڈر کر چکی۔ پلٹن میدان کے بعد بھارت ایک اور سرنڈر چاہتا ہے، خدا نہ کرے کہ ایسا لمحہ آئے، قوم کو اس سرنڈر کے سامنے سینہ سپر ہو جانا چاہیے۔ (21 جولائی 2013ء)

بھارت کے بھکاری

ہم نے انگریز اور ہندو سے آزادی بھیک میں نہیں، حق کے طور پر لی تھی اور قائداعظم کی قیادت میں مسلمانان ہند نے اس کے لیئے ایک عظیم جدوجہد کی تھی۔آج ہم اپنی تاریخ فراموش کر چکےاور بھارت سے امن کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

پاکستان کوروگ اسٹیٹ ثابت کرنے کے لیئے بڑے جتن کیئے گئے،رفتہ رفتہ ہم کمزوردفاعی پوزیشن میں دھکیل دیئے گئے۔اب ایک بھارتی انڈر سیکرٹری نے بھارتی دہشت گردی اور بلیم گیم کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔اور ہماری عزت رکھ لی ہے۔

مگراس میں ایک کھنڈت پڑ گئی ہے۔میں عدلیہ کے انتہائی احترام کا قائل ہوں۔مگراس کا ایک حالیہ فیصلہ محل نظر ہے۔ہماری سپریم کورٹ نے فیصلہ سنا دیا کہ آیندہ کوئی بجٹ خفیہ نہیں ہوگا،گویا ہم جو کچھ بھی خفیہ طور پر کریں گے،ہمارا آڈیٹر جنرل ان خفیہ کارروائیوں کا آڈٹ کرنے کا پابند ہوگا۔عدالت نے کہا تو ہے کہ حساس قومی معاملات افشا نہ کیئے جائیں مگرحمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ بھارت نے افشا کر دی اور ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ الجزیرہ کی باکمال رپورٹنگ کے نتیجے میں منظر عام پر آگئی،تو پھر ایک آڈیٹر جنرل آف پاکستان کے کسی اہل کار سے خفیہ اداروں کی کارروائیوں کی تفصیل حاصل کرنا کسی کے لیئے بھی مشکل کام نہیں ہوگا۔

مثال کے طور پر ہمارا کوئی خفیہ ایجنٹ الف ب پ اپنے اصلی نام کے بجائے ایکس وائی زیڈ کے جعلی نام

سے سرحد پار کرتا ہے، اس کے تمام اخراجات اور ہر نقل و حرکت کی تفصیل آڈیٹر جنرل کے ریکارڈ میں آ جائے گی۔ اس رپورٹ کو اگر دوسرا ملک حاصل کر لے تو اسے محض الزام لگانے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ وہ شواہد کی روشنی میں ہمیں ننگو بنائے گا کہ ہمارا فلاں شخص فلاں نام سے فلاں مقام پر موجود تھا اور ہم اس حقیقت کو جھٹلانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔ عدالت کے سامنے میڈیا کے خفیہ کھاتوں کا مقدمہ تھا مگر فیصلہ سب اداروں کے خفیہ کھاتوں کے بارے میں آ گیا۔

ہم تو دنیا کے سامنے ننگے ہو جائیں گے لیکن ہمیں کبھی پتا نہیں چل سکے گا کہ برطانوی ایم آئی فائیو یا سکس نے کتنے ملین پاؤنڈ ہمارے کس چینل کو عنائت فرمائے یا بھارتی را نے کتنے بلین روپے ہمارے کس اخبار پر نچھاور کیئے یا امریکی سی آئی اے نے کتنے ملین ڈالر خفیہ طور پر ہمارے میڈیا، ہماری این جی اوز یا ہماری بیورو کریسی یا ہمارے منتخب نمائندوں کو دان کیئے اور کس مقصد کے لیئے کیئے۔

دنیا میں ملک پہلے بنتے ہیں، ان کا آئین بعد میں بنتا ہے، کسی ملک کی سکیوریٹی، آزادی، اقتدار اعلیٰ کا تحفظ پہلے ہے اور آئین اس کی ضمانت دینے کا پابند ہے، مگر مجھے خدشہ ہے کہ نئے عدالتی فیصلے نے اس فریضے پر بعض قدغنیں عائد کر دی ہیں۔ وزیر اطلاعات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ماضی کے بجٹ اخراجات کا بھی آڈٹ کروایا جائے گا، اس سے تو سارا بھید ہی کھل جائے گا کہ ہم نے اپنا ایٹمی پروگرام پروان چڑھانے کے لیئے کس ملک کے کس ادارے یا فرد کو کتنی ادائیگی کی اور اگر یہ آڈٹ رپورٹ امریکہ کے ہتھے چڑھ گئی اور ضرور چڑھ جائے گی تو پھر پاکستان کا اللہ ہی حافظ و ناصر ہو گا۔ ڈاکٹر قدیر ایک بار پھر معافیاں مانگنے کی تیاری کر لیں۔

آج تو بھارتی انڈر سیکرٹری نے ہماری عزت رکھ لی ہے، ہماری آئی ایس آئی بھی بری ہو گئی، حافظ سعید بھی بے گناہ ٹھہرے، ذکی الرحمٰن لکھوی بھی مزید عتاب سے محفوظ ہو جانے چاہئیں، لشکر طیبہ اور جماعت الدعوہ کی بدنامی کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔ اور مجموعی طور پر ہماری فوج بھی نیک نام ثابت ہوئی کہ اس نے نہیں، خود بھارت نے اپنے ملک میں دہشت گردی کا ڈرامہ رچایا۔ بھارت افضل گورو کی پھانسی میں بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، اس پر تو الزام تھا کہ اس نے بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ کیا جبکہ بھارتی انڈر سیکرٹری کہتا ہے کہ یہ حملہ بھارتی خفیہ اداروں نے خود کیا۔ اور ممبئی حملے جو دو روز تک دنیا کے ٹی وی چینلوں پر تماشہ بنے رہے اور جن میں اجمل قصاب کو پھانسی دی گئی، وہ بھی بھارت کی اپنی کارستانی نکلے۔ اب تو ہمارا وہ میڈیا منہ چھپائے پھرتا

ہے جو اجمل قصاب کے پاکپتن کے نواح میں مبینہ گاؤں فرید کوٹ کی جھلکیاں دکھانے کے جنون میں مبتلا رہا۔ یہ اجمل قصاب جس کو پھانسی دی گئی، اس کا اعترافی بیان تمام ٹی وی چینلز پر چلا ہے اور وہ میراٹھی زبان بول رہا ہے اور اپنے کسی بھگوان سے معافیاں مانگتا سنائی دیتا ہے۔ کیا پاکپتن کے علاقے میں میراٹھی زبان بولی جاتی ہے، ہمارے مخصوص میڈیا کو ذرا قومی غیرت کا احساس نہیں اور وہ بھارت کے الزامات کو سچ ثابت کرنے تلا رہا۔

بھارت میں سمجھوتہ ایکسپریس کا سانحہ ہوا، اس کا الزام بھی پاکستان پر لگا، لشکر طیبہ اور جماعت الدعوہ پر لگا، آئی ایس آئی پر لگا مگر اس جرم میں پکڑا کون گیا، بھارتی فوج کا ایک حاضر سروس افسر۔ مالی گاؤں میں سانحہ ہوا، اس کا بوجھ بھی آئی ایس آئی پر لادا گیا مگر پکڑے کون گئے، بھارتی فوج کے ہی حاضر سروس افسر اور جو پولیس افسر، اس کی تحقیقات کر رہا تھا، اسے ممبئی سانحے کے ابتدائی لمحات میں اسی اجمل قصاب نے گولیوں سے بھون دیا۔

میری خواہش ہے کہ امن کی آشا والے اور سیفما مل کر بھارتی دہشت گردی کے بے نقاب ہونے پر ایک سیمینار کریں اور یہ سیمینار دنیا بھر کے چینلز پر اسپانسر بھی کریں تا کہ بھارت کا مکروہ چہرہ اقوام عالم کے سامنے بے نقاب ہو سکے۔ مگر سیفما اور امن کی آشا والے بھول کر بھی ایسا نہیں کریں گے۔

دنیا ہمیں سبق دیتی ہے کہ کچھ عرصے کے لیئے کشمیر کو بھول جاؤ حالانکہ ہمیں سبق یہ ملنا چاہیئے کہ کچھ عرصے کے لیئے بھارت کو بھول جائیں۔ بلکہ فارن آفس میں پاک بھارت تعلقات کی فائل کسی ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے۔ بھارتی انڈر سیکرٹری نے جو راز اگل دیئے ہیں، اسکے بعد بھارت سے کسی نیکی کی توقع عبث ہی نہیں، گناہ کبیرہ بھی ہے، ہمارے کچھ لوگوں کے ذہن میں بھارت سے دوستی اور محبت کا کیڑا اپل رہا ہے، یہ کیڑا ہماری بربادی اور بدنصیبی کا باعث ہے، بہتر ہے کہ یہ لوگ اپنے ذہن میں کیڑے مار دوا کا چھڑکاؤ کریں، ویسے یہ چھڑکاؤ بھارت کے انڈر سیکرٹری نے کر ہی دیا ہے۔

آج تک ہم بھارت سے امن کی بھیک مانگتے رہے، اب اس کے ایک انڈر سیکرٹری نے بھارت کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ ہم سے امن کی بھیک مانگے۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ ہمارے عادی بھکاریوں کی ذہنیت نہیں بدلے گی۔ (18 جولائی 2013ء)

آئی ایس آئی کا افتخار

دنیا میں دس ممالک کے انٹیلی جنس ادارے ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔آئی ایس آئی اس فہرست میں نمایاں ہے۔ ہر ملک کے جاسوسی ادارے کے کھاتے میں غلطیوں کا ایک پلندہ ہے، آئی ایس آئی سے کبھی غلطی سرزد نہیں ہوئی لیکن اب ایبٹ آباد کی غلطی اس کے سر منڈھی جارہی ہے۔

ممبئی دھاکوں کے فوری بعد امریکی سینیٹر جان کیری نے بھارت پہنچ کر کہا تھا کہ آئی ایس آئی کو لگام دینے کی ضرورت ہے، اور پھر امریکی کانگرس نے کیری لوگر بل منظور کیا جس کا ایک ہی ایجنڈا ہے کہ آئی ایس آئی کے پر کاٹ دیئے جائیں اور اس کی نکیل سول حکومت کے ہاتھ میں دے دی جائے۔

آئی ایس آئی کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب برٹش انڈیا سے وراثت میں ملنے والے آئی بی کو کشمیر میں بھارتی مداخلت کی خبر تک نہ ہوئی۔ جب سے یہ نیا ادارہ تشکیل پایا ہے، اس نے خطے میں پاکستان کی دھاک بٹھا دی ہے، جب پاکستان کے پاس ایٹم بم نہیں تھا، تب بھی پاکستان کو کوئی تر لقمہ نہیں سمجھتا تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اپنے اسباب ہیں مگر مغربی پاکستان پر بھارت کو لشکر کشی کی جرات نہیں ہوسکی۔

امریکہ خطے کو بھارت کی نظروں سے دیکھتا ہے، بھارت امریکہ کے سامنے واویلا کرتا ہے اور امریکہ آنکھیں بند کر کے بھارت کے الزامات کو پاکستان پر اچھال دیتا ہے۔اب افغان مسئلے میں امریکہ کو شکایت پیدا ہوئی کہ آئی ایس آئی بعض جہادی گروپوں کو افغانستان میں حملوں کے لیئے استعمال کرتی ہے، اس طرح آئی ایس آئی کے خلاف امریکہ اور بھارت کے بغض کے دھارے آپس میں مل گئے ہیں۔

پاکستان کے اندر حکومت اور آئی ایس آئی کے درمیان اختلافات ابھارنا بھی امریکی اور بھارتی ایجنڈے کا حصہ ہے۔خود امریکہ میں سی آئی اے پر حکومت کا ڈھیلا ڈھالا سا کنٹرول ہے۔سی آئی اے کو ریاست کے اندر ریاست کا درجہ حاصل ہے لیکن اس نے پاکستان کی سویلین حکومتوں کو بھڑکانے میں کبھی کسر نہیں چھوڑی۔ آئی ایس آئی نے اندرونی سیاست میں اگر کبھی حصہ لیا تو اسکی داغ بیل بھٹو صاحب نے رکھی جنہوں نے اس کا الیں ونگ شروع کیا۔یہ سیاسی ونگ نہیں بلکہ سٹریٹیجک ونگ تھا۔محترمہ بے نظیر نے آئی ایس آئی پر قابو پانے کے لیئے ایک ریٹائرڈ جنرل کو اس کا سربراہ بنایا،ایسی ہی ایک کوشش میاں نواز شریف نے بھی کی اور ایک ریٹائرڈ جنرل کو اس کا مدارالمہام بنادیا،دوسرے دور میں انہوں نے فوج کے اندر سے جنرل ضیاالدین بٹ کو اس کی سربراہی سونپی اور بعد میں انہیں آرمی چیف بھی بنانے کی کوشش کی۔

جنرل مشرف کے بعد پی پی حکومت بنی تو ایک بار پھر آئی ایس آئی کو لگام ڈالنے کی کوشش کی گئی اور اسے وزارت داخلہ کے ماتحت کر دیا گیا مگر یہ نوٹی فیکیشن پنگھوڑے میں ہی دم توڑ گیا۔بعد میں سینٹر فرحت اللہ بابر نے آئی ایس آئی کے سویلین کنٹرول کے لیئے ایک پرائیویٹ بل ڈرافٹ کیا لیکن اس کے پیش ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اب نئی حکومت آئی ہے تو وزیراعظم اپنے وزیر داخلہ کو لے کر آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر جا پہنچے ہیں۔خود وزیراعظم بھی فوج اور آئی ایس آئی پر مکمل کنٹرول کے حامی ہیں اور ان کے وزیر داخلہ تو عمران خان کی پشت پناہی کے لیے کھلم کھلا آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل پاشا کو موردالزام ٹھہرا چکے ہیں۔

سابق وزیراعظم گیلانی نے ایبٹ آباد آپریشن کے بعد قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ ہزاروں امریکیوں کو ویزے کیوں دیئے، میں پوچھتا ہوں کہ اسامہ کس کے ویزے پر چھ سال تک پاکستان میں بیٹھا رہا۔انہوں نے چین کے خبر رساں ادارے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ ریاست کے اندر ریاست کو برداشت نہیں کر سکتے۔

میموگیٹ کے خالق منصور اعجاز نے جو پاکستانی نہیں تھا،ایک کالم میں لکھا کہ آئی ایس آئی پر حکومت پاکستان کو کوئی کنٹرول نہیں ہے۔جان کیری نے بھی ایک بل منظور کرایا جس کا مقصد یہ تھا کہ آئی ایس آئی کو حکومت پاکستان کے کنٹرول میں لایا جائے۔بھارت بھی واویلا کرتا ہے کہ آئی ایس آئی اسے چین نہیں لینے

دیتا۔ان سب کے درمیان قدر مشترک کیا ہےاور کیوں ہے۔

آئی ایس آئی اس وقت بہت اچھی تھی جب اس نے سوویت روس سے جنگ کا خطرہ مول لیئے بغیر سویلین مجاہدین کے ذریعے سوویت فوجوں کوافغانستان میں شکست سے دوچار کیا۔یہ آئی ایس آئی تھی جس نے خبر نکالی تھی کہ کہوٹہ پر حملے کے لیئے جموں ایئرپورٹ پر اسرائیلی بمبار تیار کھڑے ہیں، یہی آئی ایس آئی تھی جس نے دہلی کے ہوائی اڈے پر اسرائیلی طیاروں کو جلد بازی میں بھارتی فضائیہ کا رنگ وروغن کرتے ہوئے تصویریں بنالی تھیں لیکن رنگ کرنے والے اسرائیلی فضائیہ کا نشان مٹانا بھول گئے۔اور یہی آئی ایس آئی ہے جس نے ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے اب شمالی اتحاد کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کیئے ہیں، اس سے کرزئی کا دماغ گھوم کر رہ گیا ہے۔اور امریکہ کو سمجھ نہیں آتی کہ قطر مذاکرات کو کیسے آگے بڑھائے۔جی ایچ کیو میں بیٹھے ہوئے جنرل کیانی اور آب پارہ کے دفتر میں بیٹھے ہوئے جنرل ظہیر کے درمیان سوچ اور عمل کی اس ہم آہنگی نے دنیا کو چکرا کر رکھ دیا ہے۔دنیا کے چکرانے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ہم خود کیوں چکرائے چکرائے سے ہیں۔

آئی ایس آئی کو وزیر داخلہ کے ماتحت نہیں کیا جا سکتا، یہ وزارت دفاع کا حصہ ہے۔یہ محکمہ وزیر اعظم کے پاس ہے۔ان کے ہاتھ میں اس کا مکمل کنٹرول ہے۔میڈیا نے گزشتہ روز کے دورے پر دو طرح کے تبصرے کیئے ہیں، ایک یہ کہ وزیر اعظم فوج اور اس کے اداروں کے ساتھ شکوک وشبہات رفع کرنا چاہتے ہیں، دوسرے یہ کہ وہ ان پر اپنا مکمل کنٹرول چاہتے ہیں اور یہ دورہ اس کا ایک اظہار ہے، ایک اور تبصرہ بھی سامنے آیا ہے کہ ایبٹ آباد کمیشن کی رپورٹ کے افشا سے آئی ایس آئی کا مورال گر چکا ہے، وزیر اعظم اس کا حوصلہ بڑھانے کے لیئے اس کے دفتر میں گئے۔

دعا یہ ہے کہ حکومت اور فوج کے درمیان کامل ہم آہنگی کی فضا برقرار رہے۔فوج اپنے مینڈیٹ سے تجاوز نہ کرے اور وزیر اعظم ماضی کی غلطیاں نہ دہرائیں۔آنے والے دنوں میں خطے میں آئی ایس آئی کو شاندار کردار ادا کرنا ہےاور اسے آزادی عمل درکار رہے۔یہ ہمارے ملک کا افتخار ہے۔

(13 جولائی 2013ء)

ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ کے افشا کی ٹائمنگ

جنرل کیانی کی ریٹائرمنٹ میں اب کوئی زیادہ وقت باقی نہیں رہا۔تو کیا یہ ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی ملازمت کا پورا عرصہ عزت سے گزار لیا ہے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ انہیں عزت سے جانے دیا جائے۔

جنرل کیانی نہ تو جنرل اسلم بیگ ہیں کہ جن سے جمہوریت کو خطرہ محسوس ہو رہا ہو۔نہ وہ جنرل آصف نواز ہیں اور نہ جنرل کاکڑ اور نہ جنرل جہانگیر کرامت، بلکہ وہ جنرل مشرف بھی نہیں ہیں۔اس لیئے کہ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ سیاست اور حکومت میں دخل نہیں دیں گے اور انہوں نے ایک سے ایک نادر موقع ملنے کے باوجود اپنے حلف سے غداری نہیں کی، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں ہمت نہیں تھی، اس کی وجہ یہ بھی نہیں تھی کہ ان کے راستے میں جمہوریت پسندوں نے کوئی دیوار کھڑی کر دی تھی، بلکہ صرف اس لیئے کہ انہوں نے قوم کو زبان دی تھی ،قول پر پورا اترنا مشکل ہوتا ہے مگر انہوں نے پورا اتر کر دکھایا۔

اسامہ بن لادن کے سلسلے میں ان سے کیا کوتاہی ہوئی۔ کیا یہ کہ وہ ان کا سراغ نہیں لگا سکے یا یہ کہ انہوں نے اسامہ کو خود پناہ دے رکھی تھی۔ پتا نہیں ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ میں ان پر کیا الزام عائد کیا گیا ہے مگر میں اس قوم سے پوچھتا ہوں کہ کتنے لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ جنرل کیانی کو اسامہ کا سراغ لگا کر اسے امریکہ کے حوالے کر کے اربوں ڈالر کا انعام حاصل کر لینا چاہیئے تھا، آخر اسامہ کے سر کی قیمت لگائی گئی تھی، کئی اور لوگوں کے سروں کی قیمت بھی لگائی گئی تھی اور جنرل مشرف نے ان میں سے بیشتر کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے

کیااور ڈھیر سارے ڈالر اینٹھے۔مگر قوم کے کسی ایک فرد نے مشرف کے اس سودے کو پسند نہیں کیا تو اگر جنرل کیانی ایسا کرتے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ پوری قوم اس فعل کو ناپسند کرتی۔تو پھر کونسا جرم ہے جسے میڈیا میں بار بار اچھالا جا رہا ہے۔

میڈیا کی بات کیا کرتے ہیں، یہی میڈیا تھا جس نے لال مسجد میں کارروائی نہ کرنے پر مشرف کو سخت سست قرار دیا تھا۔یہاں تک کہا کہ آئی ایس آئی کے صدر دفتر کے سامنے چند گز کے فاصلے پر اسلحے کا ڈھیر کیسے لگ گیا، مورچے کیسے تعمیر ہو گئے اور ماہر نشانہ باز لال مسجد اور مدرسے کے میناروں پر کیسے چڑھ کر بیٹھ گئے، ڈنڈا بردار لڑکیاں اسلام آباد میں دکانیں کیسے توڑتی پھریں اور چین جس سانحے کو آج تک نہیں بھولا، چینیوں کے ایک کاروباری مرکز میں چینی خواتین کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا اور جب حکومت نے میڈیا کے بار بار اکسانے پر آپریشن کیا تو ظلم کی داستانیں بیان کی گئیں اور نوحے پڑھے گئے۔

میڈیا کو شاید یاد نہ ہو کچھ لوگ حرم مکہ پر بھی قابض ہو گئے تھے، وہ اس کے تہ خانوں میں مورچے لگا کر بیٹھ گئے مگر سعودی حکومت نے ان کے خلاف آپریشن کیا، میں یہ نہیں بتاتا کہ کس کی مدد سے کیا لیکن تہ خانے میں زہریلی گیس چھوڑی گئی اور یوں حرم کعبہ کو خالی کروایا گیا، اس دوران طواف معطل رہا، یہ ایک الگ سانحہ تھا مگر میڈیا کی کسی آنکھ سے حرم کے تہ خانوں میں مورچہ بند لشکر کے لیئے نہ تو ایک آنسو ٹپکا، نہ ان کے نوحے لکھے گئے، نہ ان پر ظلم کی داستانیں بیان کی گئیں۔میڈیا ایک سو اسی ڈگری پر گھوم سکتا ہے، اور یہ ایک مخصوص میڈیا ہے جو صرف پاکستان کے مفاد پر ضربِ کاری لگانے کے فن میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کا حامل ہے، وہ بیرونی دشمنوں کے اشارے پر پاک فوج کو روگ آرمی بھی کہنے سے نہیں کتراتا۔

ایبٹ آباد کا سانحہ ایک کربلا تھا، اس پر پوری قوم دلفگار تھی اور قوم کے نمائندوں نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں اس سانحے پر غور کیا، اس وقت کے آئی ایس آئی چیف جنرل پاشا نے بریفنگ دی، آج کے وزیر داخلہ اس وقت اپوزیشن لیڈر تھے، ان کے سخت ریمارکس پر جنرل پاشا نے کہا کہ میری کوئی غلطی ہے تو میں مستعفی ہوتا ہوں، ایوان کی کارروائی اس کے ریکارڈ میں موجود ہے، کوئی ایک آواز بھی استعفے کے حق میں بلند نہیں ہوئی۔تو اب جنرل پاشا اپنے عہدے سے رخصت ہو چکے، پیٹ پالنے کے لیئے کہیں اور نوکری کر رہے ہیں اور جنرل کیانی بھی چند روزہ مہمان ہیں تو یکا یک ان کے خلاف کس کے پیٹ میں مروڑ اٹھا ہے۔

اگر وزیر اعظم نے چین کے دورے کی مشقت نہ کی ہوتی تو شاید کوئی انگلی ان کی طرف اٹھتی کہ رازوں کی پوٹلی کھلنے کے پیچھے ان کا ہاتھ ہے، مگر چین کے دورے میں جان مارنے والا وزیر اعظم تو چاہے گا کہ آج ملک میں ان کے دورے کو ہائی لائٹ کیا جائے، وہ کیسے چاہے گا کہ اس کی ایک ہفتے کی ساری محنت اکارت چلی جائے اور دو سال پرانے سانحے کی کوئی رپورٹ میڈیا اور سول سوسائٹی میں زبان زد عام ہو جائے، وزیر اعظم نے چھ دن یوں ہی ضائع نہیں کیئے تھے۔ مگر چین کا دورہ پس پردہ دھکیل دیا گیا اور ہر چینل اور ہر اخبار کی ہیڈ لائین اور گفتگو کا موضوع ایبٹ آباد کمیشن کی رپورٹ ہے، نکل گیا ہے سانپ اب لکیر پیٹا کر، جو ہونا تھا، ہو چکا، امریکہ نے اسامہ کو شہید کر دیا، پاکستان کے اقتدار اعلیٰ کو فیتہ فیتہ کر دیا۔ ملک کے آج کے مسائل میں اندھیروں سے نجات کو ترجیح حاصل ہے، برباد شدہ معیشت کو سنبھالا دینا ہے، قوم کے اعتماد کو بحال کرنا ہے اور ایک نئے پاکستان کی تعمیر کے نعرے کو حقیقت کا روپ دینا ہے۔ مجھے ذرہ بھر شک نہیں کہ ایبٹ آباد کمیشن رپورٹ کا افشا وزیر اعظم کے دورہ چین کی اہمیت کم کرنے کی ایک گہری اور مجرمانہ سازش ہے۔

جنرل کیانی چند ماہ بعد اپنے عہدے سے ریٹائر ہو جائیں گے۔ جنرل پاشا پہلے جا چکے۔ ایبٹ آباد سانحے کے یہ دو کردار تاریخ کے سپرد ہیں۔ لیکن پاک فوج اور آئی ایس آئی یہیں پر ہے، پاکستان کو اپنی حفاظت کے لیئے ایک فوج کی بہر حال ضرورت ہے، اپنی فوج نہیں چاہیئے تو سنگاپور، جاپان، سعودیہ، دوبئی کی طرح بیرونی فوج کرائے پر لینا پڑے گی مگر فوج تو بہر حال ہوگی اور جو بھی فوج ہوگی وہ تیر و تفنگ سے لیس ہوگی، سیاستدان کرپشن، اقربا پروری، خاندانی حکمرانی اور بالا دستی کے لیئے کوشاں ہوں گے تو فوج اپنی طاقت دکھائے گی، خواہ وہ کسی ملک کی فوج ہو۔ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کی فوج نے کیا ہاتھ دکھایا تھا۔ کیا بھول گئے۔

ہماری فوج ماضی کے جرنیلوں کی بد اعمالیوں کے باوجود دنیا کی ایک بہترین پیشہ ور فوج مانی جاتی ہے، یہ ایٹمی اسلحے سے لیس ہے اور اس طاقت کے حصول کے لیئے پوری قوم نے قربانیاں دی ہیں۔ کیا ہم باہم دست و گریباں ہو کر اپنے مشترکہ دشمنوں سے دفاع کے قابل رہیں گے، خدانخواستہ، ہر گز نہیں۔

مجھے جنرل حمید گل کی زبان میں کہنا ہے کہ ایبٹ آباد آپریشن رپورٹ فوج کے خلاف ایک منظم کارروائی ہے۔ میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ جس کسی نے افشا کی یہ سازش کی ہے، اس نے اپنا ہی منہ کالا کیا ہے۔

(12 جولائی 2013ء)

جماعت اسلامی کے ساتھ فوج کی دھاندلی

سید منور حسن نے جماعت اسلامی کی انتخابی ناکامی کی ذمے داری قبول کرتے ہوئے استعفا دیا مگر ہائی کمان نے اسے قبول نہیں کیا، ظاہر ہے، یہ ایک شخص کی ناکامی نہیں پوری جماعت اور اس کے عشروں پر پھیلے ہوئے رویوں کی ناکامی ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ سید منور حسن نے اپنی اور جماعت کی ناکامی کی ذمے داری فوج پر ڈالنے کی کوشش کی، پورے ملک میں قبلہ منور حسن کے علاوہ کسی اور نے الیکشن دھاندلی کا الزام فوج پر عائد نہیں کیا۔ اس الزام کو اسی طرح درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا جس طرح تاریخ نے جماعت اسلامی کی طرف سے قیام پاکستان کی مخالفت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا۔

جماعت اسلامی جب تحریک پاکستان کی مخالف صفوں میں کھڑی تھی تو بھی اس کی طاقت اتنی ہی تھی جتنی نصف صدی بعد آج ہے۔

حالیہ الیکشن میں جیتنے والوں نے حکومتیں بھی بنالیں اور اچھل اچھل کر بنائیں۔ مگر دھاندلی کا الزام بھی دہرایا جاتا رہا۔ جیتنے والوں نے بھی کہا کہ دھاندلی ہوگئی اور ہارنے والوں نے بھی یہی الزام عائد کیا۔ جیتنے والے بھی سبھی ہیں اور ہارنے والے بھی سبھی ہیں، سوائے ایم کیو ایم کے جو ہار کر بھی جیت جاتی ہے۔ واویلا اس نے بھی بڑا کیا اور مولانا فضل الرحمٰن بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے تو یہودیت پر وار کیا۔ ایک اے این پی ہے جو خاموش رہی اور ہارنے پر صبر شکر کر کے بیٹھ گئی۔ چودھری شجاعت جو خود تو الیکشن میں نہیں

تھے مگران کی پارٹی ضرور الیکشن لڑ رہی تھی، انہوں نے بھی دھاندلی کا شور مچایا۔ مگر سید منور حسن نے ایسا راگ چھیڑا جس کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ جماعت اسلامی کے انتخابی معرکے بھی سب کے سامنے ہیں اور فوج کے ساتھ چھپن چھپائی کا کھیل بھی سب پر عیاں ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب قاضی صاحب مرحوم پہاڑ جیسا کام کر رہے تھے۔ محترمہ بے نظیر کی حکومت کے خلاف انہوں نے سونامی برپا کر رکھا تھا، میں نے ان کو لاہور کے فائیو اسٹار ہوٹل میں سینیئر ایڈیٹرز کے ساتھ کھانے پر بلایا، میٹنگ اور کھانا ختم ہو چکے تو میں نے ایک سوال کی اجازت چاہی، قاضی صاحب نے فرمایا، پوچھیں۔ میں نے کہا کہ محترمہ کو ہٹانے کے بعد جو نیا سیٹ اپ بنے گا، اس کے لیئے آپ کو یقین دہانیاں کرانے کے لیئے کوئی حوالدار ملتا ہے یا کوئی بڑا افسر۔ قاضی صاحب اس طنز پر خفا ہو گئے۔ کہنے لگے، ہم نے افغان جہاد فوج کے ساتھ مل کر لڑا ہے اور جیتا ہے، ہماری ملاقاتیں ٹاپ جنرلز سے ہوتی ہیں۔ یہ سن کر میں خاموش ہو گیا۔ محترمہ کی حکومت ٹوٹ گئی اور قاضی صاحب کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ پتا نہیں وہ ٹاپ جنرلز کہاں گئے جو قاضی صاحب کو افغان جہاد کے دور سے مل رہے تھے۔ جماعت کے عروج کا زمانہ وہ تھا جب ملک پر جنرل یحییٰ خاں کی حکمرانی تھی۔ میاں طفیل محمد اس سے مل کر آئے تو انہوں نے بیان دیا کہ میں نے یحییٰ خاں کا بنایا ہوا آئین کا مسودہ دیکھا ہے، اس سے بہتر اسلامی آئین نہیں بن سکتا۔ ستم ظریفی ہے کہ اس آئین کو ان کے علاوہ کسی اور نے نہیں دیکھا۔ اسی دور میں مشرقی پاکستان کے انتخابی نتائج کالعدم قرار پائے، نئے الیکشن ہوئے یا ضمنی الیکشن، ان میں جماعت اسلامی نے میدان مار لیا اور مشرقی پاکستان کی حکومت سنبھال لی جو سقوط ڈھاکہ تک قائم رہی۔ جماعت کی ذیلی تنظیم البدر اور الشمس نے مقدور بھر فوج کا ساتھ بھی دیا اور مکتی باہنی کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ مگر بھارتی فوج کی جارحیت نے پانسہ پلٹ دیا اور پاکستان دولخت کر دیا گیا۔ بھٹو دور کے ایک مختصر وقفے میں جماعت اقتدار سے دور رہی اور پھر پاکستان قومی اتحاد نے دمادم مست قلندر کر دیا جس میں بھٹو کو چلتا کر دیا گیا۔ جنرل ضیا نے مارشل لا لگایا، اسے صالح قیادت کی ضرورت پڑی تو پروفیسر غفور احمد، چودھری رحمت علی، پروفیسر خورشید اور محمود اعظم فاروقی فوجی حکومت کو عطیہ کیئے گئے۔ واپڈا، اطلاعات، صنعت اور منصوبہ بندی جیسے اہم محکمے ان کو تفویض ہوئے۔ بعد میں جماعت نے جنرل ضیا کی فوج کے ساتھ مل کر افغان جہاد کا آغاز کیا اور اسے سوویت روس کی شکست پر منتج کیا۔ جماعت نے اسی

جہاد کے جھونگے میں کشمیر میں حریت پسندی کا آغاز کیا۔بے نظیر بھٹو کے سکیوریٹی رسک سے نبٹنے کے لیئے فوج کے انٹیلی جنس کے شعبے آئی ایس آئی نے اسلامی جمہوری اتحاد تشکیل دیا۔ جماعت اسلامی اس کا سرگرم حصہ تھی۔ مسلم لیگ نواز میں ان دنوں دانش وروں کا سخت قحط تھا، جماعت اسلامی دانش وروں کی ایک کھیپ لے کر آئی جے آئی کا حصہ بنی، بعد میں جماعت تو اس سے نکل گئی لیکن یہ تمام دانشور مسلم لیگ نواز کے پاس رہ گئے۔اور اس کا اثاثہ ثابت ہوئے۔ جنرل حمید گل نے ایک کالم میں دائیں بازو کی دانش پر ڈاکے کے عنوان سے اس تبدیلی پر سیر حاصل بحث کی جس پر یہ دانش ور سخت سیخ پا ہوئے۔ جنرل مشرف کی کمان میں فوج کی حکومت کا ایک اور طویل دور آیا۔اس دور میں جماعت اسلامی کی پھر لاٹری نکل آئی، ایم ایم اے کے نام سے ایک اتحاد بنا جس نے اس وقت کے صوبہ سرحد میں حکومت بنائی۔یہی وہ بابرکت دور ہے جس میں وار آن ٹیرر کا آغاز ہوا۔امریکہ نے افغانستان کا تورا بورا بنا دیا اور پاکستان میں دہشت گردی نے سر اٹھایا۔ جماعت بعد میں اس حکومت سے الگ ہوگئی اور فوج سے بھی اس کے فاصلے بڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ اب سید منور حسن فوج پر دھاندلی کا الزام لگا رہے ہیں۔الیکشن کمیشن نے پورے پاکستان میں کہیں بھی فوج کو الیکشن کی ڈیوٹی پر مامور نہیں کیا، اگر کہیں امن و مان کا مسئلہ تھا تو فوج پولنگ اسٹیشن سے باہر رہی۔ ریٹرننگ افسروں پر دھاندلی کے الزامات ضرور لگے مگر عدلیہ کے اعلیٰ ارکان کو ان کی صفائی میں کہنا پڑا کہ یہ بہترین ٹیم تھی، اس پر بھی شور و غوغا جاری رہا تو پھر یہ سننے کو ملا کہ توہین عدالت کے تحت کارروائی ہوسکتی ہے، مگر کوئی قانون ایسا بھی ہو جس کے تحت توہین فوج پر سزا دی جاسکے۔جس کے منہ میں جو آتا ہے، فوج کے خلاف بول دیتا ہے اور فوج خاموشی سے سننے پر مجبور ہے، ماضی میں مارشل لا لگتے رہے، یہ فوج کا قصور تھا مگر موجودہ فوج کا قصور کیا ہے، کیا اس نے جمہوریت کے استحکام کے لیئے اپنی سی کوشش نہیں کی۔اس کا جواب اثبات میں ہے، ہر کوئی اس کو مانتا ہے، پھر جماعت اسلامی کو شکوہ کیوں ہے۔فوج کے ساتھ یا فوج کی وجہ سے شرکت اقتدار ہو تو ٹھیک ورگرنہ فوج بری ہوگئی، یہی اصول ہے۔ وہ دن لد گئے جب فوج کے کندھے میسر آجاتے تھے، اب فوج سیاست سے دور بھاگ رہی ہے۔ جماعت اسلامی کو جیتنا ہے تو اپنی قوت بازو پر جیتے، فوج کی طرف نہ دیکھے۔اب فوج اس کی کوئی مدد نہیں کر پائے گی اور جماعت کو ہمیشہ یہ شکوہ رہے گا کہ دھاندلی ہوگئی۔

(5 جون 2013ء)

مذاکرات پرڈرون حملہ

امریکہ کا ہدف کیا تھا، کیا نہیں تھا، مگر ڈرون حملے کا اصل نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ طالبان نے مذاکرات کی پیش کش واپس لے لی ہے اور پاکستان اور امریکہ کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرنے کا اعلان کیا ہے۔اس طرح امریکی ڈرون حملے میں صرف ولی الرحمٰن محسود ہی ٹارگٹ نہیں بنے بلکہ متوقع امن مذاکرات کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔

ڈرون حملہ کی ٹائمنگ بھی محل نظر ہے۔پاکستان میں الیکشن مہم کے دوران امریکہ نے ڈرون حملوں کا سلسلہ بند رکھا۔آخری حملہ سترہ اپریل کو کیا گیا تھا۔اور پھر انتیس مئی تک ڈرون محاذ پر خاموشی طاری رہی۔اس کا کیا مطلب تھا۔صرف یہ کہ امریکہ اس الیکشن مہم میں اپنے آپ کو متنازع نہیں بنانا چاہتا تھا۔لیکن ڈرون حملوں پر ن لیگ اور پی ٹی آئی دونوں ایک موقف اختیار کر چکی تھیں جس کا اظہار بہر حال الیکشن مہم کے دوران ہوتا رہا۔دونوں پارٹیاں ڈرون حملوں کے خلاف ہیں۔

اسی دوران امریکی صدر اوبامہ نے نئی ڈرون پالیسی کا اعلان کیا جس کی رو سے ڈرون حملوں کا اختیار پینٹیگان کو دے دیا گیا لیکن پاکستان میں ڈرون حملے بدستور سی آئی اے کے ہاتھ میں رکھے گئے۔پینٹیگان کی طرف سے کیئے گئے حملوں کی جانچ پڑتال امریکی کانگرس اور عوام دونوں کر سکتے ہیں لیکن سی آئی اے من مانی کرنے کے لیئے آزاد ہے۔

تازہ ترین ڈرون حملے نے یہ نئی بحث چھیڑ دی ہے کہ ڈرون حملوں کا خاتمہ کیسے کیا جائے۔ پی ٹی آئی کو صرف ایک صوبے میں حکومت کا مینڈیٹ ملا ہے، فاٹا اس کی حدود میں نہیں اور آئین کے تحت دفاع اور خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اس کا براہ راست کوئی عمل دخل نہیں۔ وہ صرف بیانات دے سکتی ہے۔ عمران خاں نے تازہ ترین بیان میں ن لیگ کے سربراہ پر زور دیا ہے کہ وہ ڈرون حملے رکوانے کی ذمے داری پوری کریں۔ ظاہر ہے اب ساری ذمے داری ن لیگ کے سر آن پڑی ہے جسے عوام نے ایک واضح مینڈیٹ دیا ہے اور اس مینڈیٹ میں ڈرون حملوں کا خاتمہ بھی شامل ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ابھی نواز شریف قدم بھی نہیں جما پائے کہ امریکہ نے ان کے لیئے مشکلات کھڑی کردی ہیں۔

ایک طرف امریکی قانون ہے جو امریکی صدر کو اس امر کا پابند بناتا ہے کہ وہ اپنے ملک اور قوم کو لاحق ممکنہ خطرات سے بچانے کے لیئے کوئی بھی کارروائی کریں۔ دوسری طرف اقوام متحدہ کا ایک چارٹر ہے جس کے تحت ہر ملک کے اقتدار اعلیٰ کا احترام ضروری ہے مگر امریکہ اس چارٹر کی کھل کر خلاف ورزی کر رہا ہے۔ امریکہ نے صدر بش کے دور میں ایک کروسیڈی جنگ کا آغاز کیا، اور اگلے صدر اوبامہ نے اس کو جاری رکھا۔ پاکستان میں جنرل مشرف نے امریکہ کا ساتھ دیا اور اگلے صدر زرداری نے بھی اسی پالیسی کو جاری رکھا۔ پاکستان میں حکومت تبدیل ہوگئی ہے اور وار آن ٹیرر پر پالیسی بدلنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ یہ پالیسی کیسے پروان چڑھائی جاسکتی ہے، یہی نواز شریف کی حکومت کا امتحان ہے۔ اپوزیشن میں بیٹھ کر نعرے لگانا آسان ہے۔ مگر ان نعروں کو عملی شکل دینا بہت بڑا چیلنج ہے۔ اب اپوزیشن پارٹیاں ن لیگ کو اس کے وعدے یاد دلا رہی ہیں اور ڈرون حملوں کا تدارک کرنے کے مطالبے زور پکڑ رہے ہیں۔ ن لیگ کے راہنما میاں نواز شریف کو حلف لینے کے بعد جو تقریر کرنی ہے، اس کا مسودہ تیار بھی ہے تو اس میں ردوبدل کرتے ہوئے اس مسئلے کے حل کی طرف اشارہ ضرور کرنا پڑے گا۔ مگر ان کے سامنے آپشن بہت محدود ہیں۔

طالبان کے ساتھ مذاکرات کا عمل بھی ایک ڈرون حملے کی مار ثابت ہوا۔ تحریک طالبان اپنے ایک کمانڈر کی موت کو برداشت کرنے کے لیئے تیار نہیں جبکہ پاکستانی قوم سے توقع کی جارہی تھی کہ وہ چالیس ہزار جانوں کے ضیاع کو بھول جائے۔ آرمی چیف جنرل کیانی نے انہی قربانیوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر طالبان سے بات کرنی ہے تو پھر انہیں پاکستان کے آئین کی پابندی کرنا ہوگی، مگر اس موقف پر کہا گیا کہ

جنرل کیانی نئی حکومت کے لیئے مشکلات کھڑی کر رہے ہیں۔اس امر کا فیصلہ تو تب ہوگا جب نئی حکومت اپنا لائحہ عمل بیان کرے اور طالبان سے مذاکرات کی میز سجائے۔مگر یہ میز تو خود طالبان نے الٹ دی ہے۔ماضی میں کئی بار امن معاہدے ہوئے مگر پروان نہ چڑھ سکے، کسی نے کہا کہ پاک فوج نے ان کی خلاف ورزی کی، کسی نے طالبان یا متعلقہ فریق کو دوش دیا۔مگر اب تو ڈرون حملہ پاکستان نے نہیں، امریکہ نے کیا ہے تو مذاکراتی عمل کا خاتمہ کیوں کیا گیا ہے اور پاکستان سے انتقام لینے کی دھمکی کس بنا پر دی گئی ہے، ڈرون حملہ پاکستان سے پوچھ کر نہیں کیا گیا، اس کی اطلاع پر نہیں کیا گیا، اگر حکیم اللہ محسود کی پناہ گاہ کا علم پاکستانی افواج کو ہو جاتا تو وہ خود کوئی کارروائی کرتیں۔پاکستان کی سکیوریٹی فورسز تو تنقید کی زد میں ہیں کہ ان کی انٹیلی جنس نہ اسامہ بن لادن کا پتا چلا سکی اور نہ بیت اللہ محسود اور حکیم اللہ محسود کا۔

ڈرون حملے ہر حالت میں پاکستان کے اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی ہیں۔اسی بنا پر ہمارا دفتر خارجہ ہمیشہ ان پر احتجاج کرتا رہا ہے مگر اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایک خفیہ مفاہمت ہے کہ امریکہ ڈرون حملے کرتا رہے گا اور حکومت پاکستان احتجاج کر کے اپنے عوام کو بیوقوف بناتی رہے گی۔ہوسکتا ہے ماضی میں یہی صورت حال ہو مگر آنے والی حکومت، نئی خارجہ اور دفاع پالیسی تشکیل دینے کا مینڈیٹ رکھتی ہے۔میاں نواز شریف کی پارٹی کے لوگ اگر حلف سے پہلے ہی سرکاری محکموں میں مداخلت کے لیئے آزاد ہیں تو حلف کے بعد تو وہ کلی اختیارات کے مالک ہوں گے۔اس لیئے توقع کی جانی چاہیئے کہ وہ محکم فیصلے کریں گے، ملک اور قوم کے مفاد میں پالیسیاں تشکیل دیں گے، میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ امریکہ کو نکیل ڈالیں گے لیکن کم از کم ملک کے اقتدار اعلیٰ کا احترام ملحوظ رکھنے کے لیئے امریکہ کو دلیل سے قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔اپنی خارجہ ٹیم کے گھر والوں کو پارلیمنٹ کی ٹکٹ دینے سے نہیں، اس ٹیم کی مہارت سے مسائل حل ہوں گے۔

رہا عمران خاں کی پارٹی کا مسئلہ تو وہ شور شرابا مچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرے گی، فرینڈلی اپوزیشن کے بجائے حقیقی اپوزیشن کا کردار ادا کرے گی مگر کیسے، کیوں کر، اس کا جواب عمران خان کے پاس ہوسکتا ہے، میرے ذہن میں تو اس کی شکل وصورت واضح نہیں۔میری آس صرف ایٹمی پاکستان سے وابستہ ہے۔اور اس قوت کو نواز شریف اور عمران خاں بھی اپنی قوت بنا لیں تو پاکستان کی خود مختاری کو درپیش چیلنج ہوا ہو جائیں گے۔(یکم جون 2013ء)

نانگا پربت کا عتاب

پاکستان کو دنیا کے بلند ترین مقام سیاچین پر دفاعی جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔اب ایک اور بلند ترین مقام نانگا پربت پر دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ابھی تک قوم یہ سوچ رہی ہے کہ غیر ملکی سیاحوں کو نشانہ بنایا گیا یا پاکستان کو۔چین کے سفیر نے بھی وزیر داخلہ سے سوال کیا کہ کیا اس کا مقصد چینیوں کو ٹارگٹ کرنا تھا۔

اس دہشت گردی سے نبٹنے کے لیئے وزیر داخلہ نے حکم جاری کیا کہ آئندہ سے ریڈ زون میں داخل ہونے والے فوجیوں کی تلاشی لی جایا کرے گی۔کہاں نانگا پربت اور کہاں اسلام آباد کا ریڈ زون۔فوج کا بھوت ہمارے سر پر کیوں سوار ہے۔

اگلے ہی روز وزیر اعظم نے قومی اسمبلی میں اعلان کیا کہ جنرل مشرف کے خلاف غداری کا کیس چلایا جائے گا۔اگر مجھے صحیح یاد پڑتا ہے تو میاں نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے سے قبل یہ کہہ دیا تھا کہ وہ مشرف کو معاف کر چکے ہیں۔مگر اب وہ مشرف کا ٹرائل کرنا چاہتے ہیں تو بھلے سو مرتبہ کریں، یہ آئین کی پاسداری کا تقاضہ ہے،اس کے تحت حلف کا تقاضا ہے۔مشرف نے پہلی مرتبہ 12 اکتوبر 1999 کو آئین توڑا مگر ملکی عدلیہ نے اس کو جائز قرار دے دیا اور غاصب کو اپنی مرضی کی آئینی ترامیم کا حق بھی دے دیا۔آئین میں ترمیم صرف پارلیمنٹ کر سکتی ہے اور وہ بھی دو تہائی اکثریت سے،فرد واحد کو اس کا حق کیسے مل گیا،اور جس نے دیا ،وہ آئین کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا یا نہیں،اس کا فیصلہ بھی ہو جانا چاہیئے اور 1958 سے ہو جانا چاہیئے جب ایوب خاں نے آئین توڑا اور مارشل لا لگایا۔اس مارشل لا کو بھی عدلیہ نے جائز قرار دیا۔دوسرا مارشل لا

جنرل یحیٰ خاں نے لگایا، اسے بھی عدلیہ نے جواز بخشا۔ تیسرا سول مارشل لا ذوالفقار علی بھٹو نے لگایا، ایک سول آدمی کو مارشل لا کے نفاذ کی اجازت کس نے دی، چوتھا مارشل لا جنرل ضیاالحق نے نافذ کیا، اسے بھی عدلیہ نے سند جواز عطا کر دی اور پارلیمنٹ نے بھی اس کی معافی تلافی کر دی۔ جنرل مشرف نے دوسری مرتبہ ایمرجنسی نافذ کی۔ لوگوں کا احساس ہے کہ اسی ایمرجنسی کے نفاذ کو غداری سے تعبیر کر کے مقدمہ چلانے کا عندیہ دیا گیا ہے تاہم اس کا پتا اس وقت چلے گا جب سیکرٹری داخلہ باقاعدہ اس کی ایف آئی آر داخل کرائیں گے۔ یہ سیکرٹری صاحب سنا ہے کہ جنرل ضیا کے مارشل لا دور میں ان کے اے ڈی سی ہوا کرتے تھے۔

لوگوں نے غداری کے مقدمے پر ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا ہے، زیادہ تر لوگوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے، ان میں پیپلز پارٹی کی قیادت پیش پیش ہے، اپوزیشن پارلیمانی لیڈر سید خورشید شاہ نے تو وزیراعظم سے باقاعدہ مصافحہ کیا اور ایوان سے مطالبہ کیا کہ پارلیمنٹ سے سابق آمروں کی تصاویر ہٹائی جائیں۔ پیپلز پارٹی پانچ سال حکومت میں رہی، اس نے جنرل مشرف کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ پانچ سال میں غداری کے مقدمے کا بھول کر نام تک نہیں لیا۔ پیپلز پارٹی نے لوگوں کو یہ لولی پوپ دیا کہ بہترین انتقام جمہوریت میں پنہاں ہے۔ اب انتقام کا ملبہ ن لیگ پر ڈال دیا ہے۔

جنرل ضیا کے بیٹے اعجاز الحق نے غداری کے مقدمے کی حمایت کی ہے مگر مطالبہ کیا ہے کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کو منظر عام پر لایا جائے اور اس کی روشنی میں ملک توڑنے والوں کو بھی ان کے انجام تک پہنچایا جائے۔ آئین توڑنے سے زیادہ سنگین جرم ملک توڑنا ہے، اس کی سزا آج تک کسی کو نہیں ملی، شاید جزا ضرور ملی۔ کیوں ملی، کسی نے نہیں پوچھا۔

حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ تو منظر عام پر آنے سے رہی مگر کسی کو ذرہ برابر شک نہیں کہ قائداعظم کے پاکستان کو عوامی لیگ کے لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن نے دولخت کیا، ان کی پوری پارٹی اس جرم میں برابر کی شریک تھی، مجیب پر غداری کا مقدمہ بھی چلا مگر اسے رہا کروا کر ڈھاکہ پہنچا دیا گیا۔ بنگلہ دیشی فوج کے جن افسروں کو اس کے جرائم کا علم تھا، انہوں نے بنگہ بندھو کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اور یوں ایک غدار کیفر کردار کو پہنچ گیا، اب بنگلہ دیش میں پاکستان کے حامی عناصر کے خلاف مقدمے چل رہے ہیں، اور بنگلہ دیش کے پاکستانی حامیوں کو تمغے مل رہے ہیں۔ جواب تو یہ بنتا ہے کہ شیخ حسینہ واجد پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے اور اس سے

تمغے پانے والوں کو بھی غداری کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔

اب آیئے ملکی غداروں کی طرف، جو مر گئے، ان کی قبروں کا ٹرائل کیا جائے اور جو زندہ ہیں، ان کا تیز رفتار ٹرائل کیا جائے، وہ ٹرائل نہیں جو سوئس اکاؤنٹس کا کئی برس سے ہو رہا ہے، بس ہفتے دس دن میں سماعت مکمل کی جائے، اس کی ٹریننگ ایران کے اس چیف جسٹس سے لی جائے جس نے امام خمینی کے اسلامی انقلاب کے بعد ہر صبح سینکڑوں پھانسیوں سے ناشتہ کیا۔ اسے کہتے ہیں ٹرائل۔ ہم تو مقدمہ لٹکانے کے ماہر ہیں، یہ انگریزی قانون ہے، ایسے ہی کسی قانون کے تحت اٹلی کے سابق مرد آہن کو سزا سنائی گئی ہے۔ وہاں قانون یہ ہے کہ اس سزا پر عمل اس روز سے شروع ہوگا جب اپیلوں کا عمل مکمل طور پر ختم ہو جائے گا، اتنی دیر میں آمر صاحب ویسے ہی اس جہان فانی سے سدھار جائیں گے۔ گیا ہے سانپ نکل، اب لکیر پیٹا کر۔

میں تیز رفتار ٹرائل کے حق میں اس لیئے ہوں کہ حکومت کو اپنے انتخابی وعدوں کے مطابق کچھ کام بھی کرنے ہیں۔ مثلاً نانگا پربت کے دہشت گردوں کا قلع قمع کرنا ہے، قائد ریذیڈنسی کو راکھ کا ڈھیر بنانے والوں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے، اور عام آدمی کو امن کی ضمانت فراہم کرنی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ حکومت پہلے تو مقدموں کی ایمرجنسی نافذ کرے، پھر انرجی ایمرجنسی لگائی جائے، اس سے فارغ ہو تو محصولات ایمرجنسی کی باری آجائے اور حکومت اپنا خزانہ بھرنے کی کوشش کرے۔ جب خالی خزانے کی شکایت ختم ہو جائے تو پھر لیپ ٹاپ، پلوں، انڈر پاسوں، اوور ہیڈ سڑکوں، میٹرو بسوں، بلٹ ٹرینوں، خنجراب، گوادر ریل لنک اور کراچی سرکلر ریلوے کا بندوبست ایک ایمرجنسی لگا کر کیا جائے، تب تک پینسٹھ ستر برس کے مسائل حل ہو چکے ہوں گے اور پھر مزے کی حکومت۔

مگر ایک احتیاط لازم ہے، غداروں پر مقدمے چلانے کے شوق میں ان کے ساتھیوں کو نہ دھر لیا جائے، ورنہ اپنے گلے میں پھندا ڈالنے کا خدشہ لاحق رہے گا اور موقع پا کر نانگا پربت بھی عتاب نازل کر سکتا ہے۔ بھٹو نے کہا تھا کہ ان کے مرنے پر ہمالہ روئے گا، وہ رویا تھا یا نہیں، لیکن نانگا پربت ضرور رو رہا ہے، غیر ملکی سیاحوں کی ہلاکت پر بھی اور دنیا میں پاکستان کی بدنامی پر بھی۔ کیا ہم غداری کے مقدمے چلا کر اس بد نامی کا داغ دھو سکتے ہیں۔ (25 مئی 2013ء)

ڈرون حملوں کی نئی امریکی پالیسی

میرے لیئے یہ خبر حیرت کا باعث ہے کہ امریکہ نے بڑی مہربانی کی اور پاکستان میں الیکشن کے دوران کوئی ڈرون حملہ نہیں کیا۔اس کا فائدہ کس جماعت کو پہنچا، لازمی طور پر ان جماعتوں کو جو ڈرون حملوں کے خلاف ہیں مگر میں اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کے حق میں نہیں ہوں کہ امریکہ نے کسی خاص پارٹی کو جتوانے کے لیئے ایسا کیا۔

عمران خان نے ڈرون حملوں کے خلاف احتجاجی جلوس بھی نکالا اور میاں نواز شریف نے انتخابی مہم کے دوران وعدہ کیا ہے کہ وہ ڈرون حملے رکوانے کے لیئے امریکہ سے بات کریں گے یا پھر ان کی کمان پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ پشاور ہائی کورٹ ڈرون حملوں کو غیر قانونی قرار دے چکی ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ امریکہ کو پہلے تو وارننگ دی جائے اور حملے پھر بھی نہ رکیں تو ڈرون مار گرائے جائیں، یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں لے جایا جائے اور ڈرون متاثرین کے لیئے معاوضہ طلب کیا جائے۔ ڈرون حملوں کے خلاف ایک درخواست جماعت الدعوہ کے حافظ محمد سعید بھی لاہور ہائی کورٹ میں دائر کر چکے ہیں جس پر کارروائی کوئی زیادہ آگے نہیں بڑھی۔ یہ مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے کہ اگر اب ڈرون حملہ ہوتا ہے تو اگلی حکومت کے خلاف توہین عدالت کے تحت کارروائی کی جائے۔

ان سطور کی اشاعت کے ساتھ ہی ممکنہ طور پر صدر اوبامہ کی نئی ڈرون پالیسی کے نکات اخبارات میں آ جائیں گے بلکہ ہمارے درجنوں ٹی وی چینلز ساتھ ہی ساتھ اس کے ٹکر چلا دیں گے۔ میں اس وقت اس

ماحول کی بات کرسکتا ہوں جو تقریر سے پہلے امریکہ میں دیکھنے میں آرہا ہے۔ڈرون حملوں کی قانونی حیثیت پر بہت سے سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ حملے اپنے اخراجات کے مقابلے میں کتنے مئوثر ثابت ہوئے ہیں۔ بڑا سوال یہ بھی ہے کہ کیا ڈرون کے ذریعے حقیقی دہشت گردوں کو ٹارگٹ کیا گیا ہے یا بے گناہوں کا خون کیا گیا ہے، امریکہ میں یہ بحث بھی چل رہی ہے کہ اب تک کم ازکم چار امریکی شہریوں کو بھی ڈرون کا نشانہ بنایا گیا ہے، ان پر حملے یمن میں ہوئے، امریکی حکومت کا دعویٰ ہے کہ ان کا تعلق القائدہ سے تھا اور انہوں نے امریکہ میں دہشت گردی کی بعض کارروائیاں کیں یا ان کی منصوبہ بندی میں حصہ لیا۔امریکیوں کا یہ کہنا ہے کہ ڈرون حملوں میں اگر کمی دیکھنے میں آرہی ہے تو اس کی کئی ایک وجوہات ہیں ، ایک تو امریکہ کے خلاف ایک فضا بن رہی ہے، خاص طور پر ایٹمی طاقت سے لیس ملک پاکستان میں۔امریکہ اس نفرت کو بڑھانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔دوسری وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ القاعدہ کی کمر توڑ دی گئی ے، تیسری وجہ بے گناہوں کی ہلاکت ہے جس پر بعض امریکیوں کی رائے ہے کہ ان کی تعداد بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہے لیکن اگر سینکڑوں ڈرون حملوں میں ایک بھی بے گناہ کی ہلاکت کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ اقوام متحدہ کے اس چارٹر کے سراسر خلاف ہے جو ہر شخص کو زندہ رہنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے

تبدیلی کا نعرہ بڑا خوش کن ہے۔حالیہ پاکستانی الیکشن میں بھی یہ نعرہ جوش وخروش سے لگایا گیا ہے، اس نعرے کا پہلی بار استعمال براک اوبامہ نے دوہزار آٹھ کے الیکشن میں کیا۔ وہ اپنے پیش رو صدر بش کی پالیسیوں کو بدلنا چاہتے تھے مگر ہوا کیا، پرانی پالیسیاں ان کے پاؤں کی زنجیر بن کر رہ گئیں، اوبامہ نے اپنے پہلے دور صدارت میں عالمی میدان جنگ کو وسیع کیا اور تباہی اور ہلاکت کے کھیل کو سنگین بنادیا۔دوہزار دس کا سال ڈرون حملوں میں سب سے زیادہ تیزی لایا۔وائٹ ہاؤس کی پالیسیاں زمینی حقائق کے اس قدر منافی تھیں کہ پاکستان اور افغانستان میں متعین امریکی سفیروں کو استعفا دینا پڑا۔امریکی افواج کے کمانڈر میک کرسٹل کو بھی حکومتی پالیسیوں پر نکتہ چینی کی وجہ سے استعفا دینا پڑا۔

تبدیلی کے نعرے پر عمل کا وقت شاید اب آگیا ہے اور وہ بھی حالات کی مجبوری ہے۔امریکہ کے خلاف عالمی سطح پر نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔عافیہ صدیقی کے خلاف کیس اور فیصلے سے پاکستان میں امریکی مقبولیت کا گراف انتہائی نچلی سطح تک گر گیا ہے۔گوانتانا موبے کے عقوبت خانے کی داستانوں نے انسانیت

کی چیخیں نکلوادی ہیں۔ امریکی نظام انصاف بھی اس عقوبت خانے کو جواز دینے سے انکاری ہے۔ بگرام جیل میں مظالم پر بھی عالمی ضمیر سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ امریکہ اپنے جارحانہ رویے پر کس حد تک نظر ثانی کرتا ہے، اس کی خبر تو اس کالم کے ساتھ ہی شائع ہو جائے گی لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو ممالک امریکی جارحیت کا نشانہ بن رہے ہیں، ان کی لیڈر شپ کس طرح خم ٹھونک کر میدان میں کھڑی ہوتی ہے۔ پاکستان میں میاں نواز شریف اور عمران خان کو ایک سخت امتحان درپیش ہے۔ عمران خان کو تو اس صوبے میں دھکیل دیا گیا ہے جو براہ راست ڈرون حملوں کا نشانہ بنا رہا، وفاق میں نواز شریف کو اقتدار مل رہا ہے جنہوں نے پاپولر نعرے لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن ان نعروں کو عملی شکل کیسے دی جائے گی، میں کوئی قبل از وقت تبصرہ کرنے کے شوق میں مبتلا نہیں، جو ہوگا، سب دیکھیں گے۔ نعرے لگانا آسان ہے۔ کشمیر پر ہزار سال تک جنگ لڑیں گے۔ بڑا پاپولر نعرہ تھا اور یہی کشمیر آج پس پشت دھکیل دیا گیا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ کشمیر پر کسی مہم جوئی کے حق میں ہمارا بہترین دوست عوامی جمہوریہ چین بھی نہیں جس کے وزیر اعظم نے گزشتہ روز پاکستان کی سرزمین پر اترتے ہی کہا تھا کہ وہ اسٹریٹیجک تعلقات کو مستحکم بنانے کے لیئے آئے ہیں۔ یہ تعاون بھارت کے خلاف تو ہمیں مل سکتا ہے، شاید امریکہ کے خلاف نہیں، اس سلسلے میں ہمیں صرف اور صرف اپنے زور بازو پر انحصار کرنا ہوگا۔

اہمیت اس بات کی نہیں کہ صدر اوبامہ نے نئی ڈرون پالیسی کیا دی ہے، اہم بات یہ ہے کہ ہماری قیادت ڈرون حملوں پہ کیا پالیسی اختیار کرتی ہے۔ امریکہ کو خونریزی کے کھیل میں کتنی آزادی دی جاتی ہے اور مشرف کی طرح ڈالروں سے غیر ملکی اکاؤنٹ بھرنے کو ترجیح دی جاتی ہے یا مر مٹنے کا عزم کر کے پاکستانی قوم کو عالمی استعمار کے خلاف ناقابل تسخیر دیوار بنا دیا جاتا ہے۔ (24 مئی 2013ء)

آرمی چیف کا نظریہ پاکستان

اخبارات کے ذریعے مجھے آرمی چیف کے خیالات سے آگاہی ہوئی۔ انہوں نے ہفتے کو ایک پاسنگ آوٹ پریڈ سے خطاب کیا۔ ایکسپریس کی سپر لیڈ کے الفاظ یوں ہیں:

پاکستان اور اسلام کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔

ایک نظریاتی اخبار نوائے وقت نے اپنی سپر لیڈ کے باکس میں یہ الفاظ نقل کیئے ہیں:

اسلام کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ قائد اور اقبال کے نظریہ کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کا خواب پورا کریں گے۔

ایک اور اخبار کی سپر لیڈ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اسلام ہمارے اتحاد کی طاقت ہے۔ اسے پاکستان سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اب میں آئی ایس پی آر کی ویب سائٹ پر درج پریس ریلیز کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

میں آپ کا یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا، اسلام کو پاکستان سے کسی صورت میں خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام ہمارے اتحاد کی علامت ہے۔ پاک فوج، اقبال اور قائد کے افکار کی روشنی میں اس مشترکہ خواب کی تعبیر کے لیئے کوشاں رہے گی کہ پاکستان کو ایک سچی اسلامی جمہوری ریاست کا نمونہ بنایا جائے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے میں سن دو ہزار میں واپس جاتا ہوں۔ یہ پینٹاگان کا بورڈ روم ہے، امریکی مسلح افواج کے سینیئر ترین جرنیل میز کے دوسری طرف براجمان ہیں اور ان کے سامنے پاکستان اور بھارت سے

تعلق رکھنے والے آٹھ ایڈیٹر۔ گفتگو کا رخ پاک فوج میں انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کی طرف مڑا تو مجھ سے نہ رہا گیا، میں نے عرض کیا کہ پاکستان کی فوج دنیا کی ایک مسلمہ پیشہ ورانہ تربیت سے بہرہ مند ہے اور اس کے جذبہ قربانی کو قرآنی تعلیمات مہمیز دیتی ہیں۔ آپ پاک فوج سے اسلام کو خارج کر دیں تو یہ ایک کرائے کی فوج بن کر رہ جائے گی اور ملک کی سلامتی کی حفاظت اس کے لیئے ممکن نہیں رہے گی، خدا کے لیئے یہ ظلم نہ کریں۔ میرا خیال تھا کہ میں کچھ جذباتی ہو گیا ہوں مگر مجھے حوصلہ ہوا جب میرے ساتھ بیٹھے ہوئے نیوز لائین کے ایڈیٹر زاہد حسین نے کہا کہ مسٹر غالب جو کہہ رہے ہیں، وہ سو فی صد درست ہے، آپ پاک فوج سے اسلام کو خارج نہیں کر سکتے۔ میرے لیئے جناب زاہد حسین کے ریمارکس اس لیئے بھی حیرت کا باعث تھے کہ ہم اردو صحافت والے اسلام اور نظریہ پاکستان پر اپنی اجارہ داری تصور کرتے ہیں اور انگریزی میڈیا کو لبرل، سیکولر اور نجانے کن کن القابات سے نوازتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ زاہد حسین نے میری بات کو زیادہ مدلل پیرائے میں پیش کیا۔ اور میں ہمیشہ کے لیئے اس کے اندر چھپے ہوئے مولوی کا معتقد ہو گیا۔ اس دوران میں امریکی جرنیل نظریں اونچی کیئے بغیر نوٹس لینے میں محو رہے، میں نے کھسر پھسر کے انداز میں زاہد حسین سے پوچھا کہ کہیں ہم دونوں انجانے میں سکیورٹی لیکیج کا باعث تو نہیں بن گئے اور امریکی قیادت کو نئی لائن تو نہیں مل گئی، اس نے تیقن بھرے لہجے میں کہا: ہمیں صاف بات کرنی چاہیئے نتیجہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔

اور اب جنرل کیانی نے صاف لہجے میں بات کرنے کا حق ادا کر دیا۔ ایک ایسے وقت میں جب ہر طرف نظریہ پاکستان پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا جا رہا ہے، الیکشن کے عمل میں اسلام کو بے نقط سنائی جا رہی ہیں اور یہاں تک سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ اقبال اور قائد نے اسلام اور نظریہ پاکستان کی کبھی بات ہی نہیں کی، یہ تو جنرل یحیٰی خاں کے دور میں ان کے ایک وزیر اطلاعات جنرل شیر علی خان کی ذہنی اختراع ہے۔ کیا خوب اعتراض ہے۔ لوگ بھول ہی گئے کہ چودھری رحمت علی نے مسلمانوں کے لیئے الگ آزاد ریاستوں کا نظریہ پیش کیا، اس خیال کو اقبال نے آگے بڑھایا اور قائد نے اس کو عملی تعبیر دینے کا علم بلند کیا۔ مشرقی پنجاب کے لاکھوں مسلمان ایک اسلامی وطن کی طرف ہجرت کی راہ میں قربان ہو گئے۔ یہیں کہیں بلوچ رجمنٹ کا کردار بھی سامنے آیا جس نے کٹے پھٹے قافلوں کو منزل مراد تک پہنچانے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

چھ ستمبر 65 کی صبح کو فیلڈ مارشل ایوب خان نے ریڈیو پر قوم سے خطاب میں کہا تھا: لا الٰہ کا ورد کرتے

ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔

پاک فوج کی ہر رجمنٹ کا کوئی نہ کوئی نعرہ ہے، کوئی اللہ اکبر کی صدا بلند کرتے ہیں، کوئی یا علیؓ کا نعرہ لگاتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے، جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی، دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا، سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی۔

زندہ رہے تو غازی، قربان ہو گئے تو شہید، جو اللہ کی راہ میں قربان ہوئے انہیں مردہ مت کہو، وہ شہید ہیں اور ہمیشہ کی زندگی پا گئے۔

اور نکلو اللہ کی راہ میں خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور یہ قرآنی فرمان تو سر آنکھوں پر کہ اپنے گھوڑے تیار رکھو۔

پاک فوج کے سربراہ نے نظریہ پاکستان کی جو تشریح کی ہے، ان کی زیر کمان فوج اس پر پورا اتر کے دکھاتی ہے اور قوم بھی اسی نظریئے پر قائم ہے، گو 1971 میں اندرا گاندھی نے بڑی رعونت سے کہا تھا کہ نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن بھی نظریہ پاکستان کی حقیقت کو مانتا ہے، دوسرے اس کا خیال غلط نکلا، اس لیئے کہ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک اور آزاد ریاست قائم ہو گئی۔

چند روز پہلے یہی غلطی الیکشن کمیشن سے بھی سرزد ہوئی۔ اس نے مبینہ طور پر کہہ دیا کہ اسلام کے نام پر ووٹ مانگنا جرم ہوگا، اور جب اسے چیلنج کیا گیا تو اس کا جواب تھا کہ ایسی کوئی ہدایت جاری نہیں کی گئی۔ آئین کے آرٹیکل باسٹھ تریسٹھ کا جتنا مذاق اڑایا جا سکتا تھا، میڈیا اور سول سوسائٹی نے اڑا کر دیکھ لیا، مگر یہ دونوں آرٹیکل ابھی تک آئین کا حصہ ہیں۔ مطالبے ہو رہے ہیں کہ انہیں آئین سے نکالا جائے۔ اگر پارلیمنٹ میں کسی کو دو تہائی اکثریت حاصل ہو جائے تو ضرور نکالنے کی کوشش کر دیکھے ورنہ سپریم کورٹ کا کہنا ہے کہ اسے بھی آئین کی تشریح کا اختیار حاصل ہے، کوئی رٹ میں چلا جائے اور باسٹھ تریسٹھ کی تشریح پوچھ لے، ورنہ یوسف رضا گیلانی کے خلاف فیصلہ پر نظر ڈال لے، اس کے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ آئین میں صرف باسٹھ تریسٹھ ہی نہیں، شیخ الاسلام نے درجنوں آرٹیکلز کی نشاندہی کر دی ہے، قوم کو سارے آرٹیکل ازبر ہو گئے ہیں۔ اب قوم کا حافظہ کون کھرچے گا۔ یہ تو غداری کے مقدموں کا موسم ہے۔ آئین کا آرٹیکل چھ ہو یا کوئی اور، آئین شکنی کی سزا ایک جیسی ہے۔ اس آئین پر پچھلی پارلیمنٹ نے اتفاق رائے سے انگوٹھا ثبت کیا ہے۔ فرار کا

راستہ کوئی نہیں۔

جنرل کیانی کا شکریہ کہ انہوں نے ایک نازک وقت پر اقبال اور قائد کے افکار کی یاد دلائی، اسلام کو یک جہتی اور اتحاد کی علامت قرار دیا۔اور پاک فوج کے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ملت اسلامیہ کے ان خوابوں کو عملی تعبیر دینے کے لیئے کوشاں رہے گی کہ پاکستان کو ایک اسلامی جمہوری فلاحی پارلیمانی مملکت کا نمونہ بنایا جائے۔اقبال اور قائد کے نظریہ پاکستان میں انتہا پسندی کی گنجائش نہیں، اسی لیئے افواج پاکستان پچھلے بارہ برس سے انتہا پسندوں سے نبرد آزما ہیں، اس جنگ میں وہ پانچ ہزار افسروں اور جوانوں کی قربانی دے چکی ہیں، ان کے ساتھ قوم نے بھی چالیس ہزار جانوں کی قربانی دی، پورے ملک نے کھربوں کا مالی نقصان بھی برداشت کیا مگر انتہا پسندی کے نظرئے کو قبول نہیں کیا لیکن یہ بھی نہیں ہوا کہ اسلام کی اصل روح سے کسی نے پسپائی اختیار کی ہو۔قائد نے اس نظریئے کی آسان تشریح کر دی تھی کہ اب اس مملکت میں سب شہری برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔اور ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہے، یہی نظریہ پاکستان ہے، یہی جمہوریت کی روح ہے۔جمہوریت کے پھلنے پھولنے سے اسلام سے انحراف کا لائسنس نہیں مل جاتا۔کم از کم اندرونی اور بیرونی خطرات سے پاکستان کی حفاظت کرنے والی فوج کے سربراہ جنرل کیانی نے آئین کی روح کو آشکار کر دیا ہے۔ہمیں بھی اس بارے میں یکسو ہو جانا چاہیئے ۔(30 اپریل 2013ء)

سلالہ کی کربلا!!!

پاکستان نے اس موقف کا اعادہ کیا ہے کہ جب تک سلالہ چیک پوسٹ پر حملے پر معذرت کا اظہار نہیں کیا جاتا، امریکہ کے ساتھ اعتماد سازی کے لیئے مذاکرات کا سلسلہ شروع نہیں کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ وزیر اعظم، وزیر خارجہ، آرمی چیف اور آئی ایس آئی چیف کے ایک مشترکہ اجلاس میں سامنے آیا ہے۔اس اجلاس میں پارلیمانی کمیٹی برائے قومی سلامتی کی رپورٹ پر بھی غور کیا گیا اور ایک بار پھر اس سانحے سے متعلق امریکی تحقیقاتی رپورٹ کو مسترد کر دیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امریکی تحقیقاتی رپورٹ الٹا پاکستان کے خلاف چارج شیٹ ہے۔

یہ رپورٹ سنٹکام کی ویب سائٹ پر موجود ہے اور جہاں تک میں اس پر نظر ڈال سکا ہوں، مجھے ایک لفظ ایسا دکھائی نہیں دیا گیا جس میں اس واقعہ کو افسوسناک ہی قرار دیا گیا ہو۔اسی رپورٹ پر جی ایچ کیو کا ردعمل آئی ایس پی آر کی ویب سائٹ پر پوری تفصیل سے موجود ہے۔میرے لیئے محض ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ انصاف، منطق، دلیل اور واقعاتی شہادتوں کی بنا پر بھی جی ایچ کیو کے ردعمل پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔امریکی رپورٹ کے بنیادی نکات دو ہیں: ایک یہ کہ پاکستان نے فائرنگ میں پہل کی۔دوسرے، امریکی فورس نے محدود جوابی کارروائی کا حق استعمال کیا۔فائرنگ میں پہل کا الزام پاکستان کو مجرم ثابت کرنے کے لیئے ہے جبکہ محدود جوابی کارروائی کے الفاظ سے سراسر دھوکہ دینا مقصود ہے کیونکہ کوئی جوابی کارروائی مسلسل دو گھنٹوں پر محیط نہیں ہوا کرتی، نہ محدود کارروائی کے لیئے دو ایف پندرہ، دو اٹیک ہیلی کاپٹر، چونسٹھ اپاچی ہیلی کاپٹر، بارہ جاسوس طیارے، اور بارود سے بھرے ہوئے کارگو طیارے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔آپریشن کے دوران ڈرون بھی علاقے میں محو پرواز رہے۔حملے میں پہل اگر پاکستانی افواج نے کی تھی تو امریکی، نیٹو یا افغان فوجیوں کا جانی نقصان کیوں نہیں ہوا، کیا وہ کوئی جناتی

مخلوق تھے جن پر پاکستانی مشین گنوں اور توپوں کے گولے اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

امریکی رپورٹ میں یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ پاکستانی چیک پوسٹوں کی انہیں کوئی اطلاع نہیں تھی، اس لیئے جب ان پر پاکستان کی طرف سے فائر آیا تو انہوں نے سمجھا کہ وہ دہشت گردوں کی زد میں ہیں۔ یہ دعویٰ بھی سفید جھوٹ کے مترادف ہے کیونکہ اس حملے سے پہلے امریکی اور نیٹو افواج پاکستانی پوسٹوں کے سامنے اپنے علاقے مایا گاؤں کے ارد گرد دو تین آپریشن کر چکی تھیں اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے جاسوس طیاروں کو پاکستانی پوسٹوں کی موجودگی کا علم نہ ہو سکا ہو۔ ویسے بھی پاکستانی افواج نے کئی ماہ کے آپریشن میں مہمند ایجنسی کو دہشت گردوں سے پاک کر کے علاقے میں جا بجا پوسٹیں قائم کر دی تھیں۔ ان پوسٹوں کے سامنے افغان علاقے میں امریکی، نیٹو یا افغان فوج کی کوئی پوسٹ نہ تھی چنانچہ دونوں طرف سے دہشت گردوں کی نقل وحرکت روکنے کے لیئے یہ پوسٹیں انتہائی اہم تھیں۔ کنڑ وادی اور نورستان کے علاقے میں افغان گاؤں مایا کے سامنے آٹھ ہزار فٹ بلند ایک پہاڑ پر پاکستان کی دو پوسٹیں ننگی آنکھ سے دیکھی جا سکتی تھیں جن کا آپس میں چودہ سو پچاس میٹر فاصلہ تھا اور جو تین سو سے چار سو فٹ پاکستانی سرحد کے اندر واقع تھیں۔ ایک پوسٹ والکینو پر پاک فوج کے ستائیس اور دوسری پوسٹ بولڈر پر پچیس جوان اور افسر متعین کیئے گئے تھے۔ کسی بھی خطرے کی صورت میں انہیں محدود فائر کی اجازت دی گئی تھی اور دہشت گردوں کے ساتھ فائرنگ کا تبادلہ ایک معمول کی بات تھی۔ وقوعہ کے روز جس جگہ پاکستانی مارٹر گولے گرنے کا الزام لگایا گیا ہے، اس مقام پر امریکی، نیٹو یا افغان فوج موجود نہیں تھی۔ بلکہ یہ افواج بالکل الٹ سمت میں جارحانہ حملے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ عام طور پر اگر کسی علاقے میں امریکیوں کو کوئی آپریشن کرنا ہو تو وہ پاک فوج کو اس سے پیشگی مطلع کرتی ہیں۔ یہ شرط رولز آف بزنس میں شامل ہے، امریکی فوجی آپریشن سیاقہ جو سلالہ چیک پوسٹ کے علاقے میں کیا گیا، اس کے بارے میں جنرل ایلن خود راولپنڈی آئے اور انہوں نے نقشوں کی مدد سے سیاقہ آپریشن کرنے کے لیئے جس علاقے کی نشاندہی کی اس میں والکینو اور بولڈر پوسٹوں کے قریب ترین علاقہ بھی شامل نہیں تھا۔ آخری قابل غور نکتہ یا شرط یہ ہے کہ جونہی غلطی سے ایک دوسرے پر فائرنگ شروع ہو جائے تو دونوں اطراف سے اس کی نشاندہی پر فائرنگ فوری طور پر روک دی جاتی ہے لیکن ان پوسٹوں پر دو گھنٹے سے زائد جارحانہ حملہ جاری رکھا گیا، اس دوران میں ہر سطح پر پاکستان نے امریکیوں کو ان کی غلطی کی

نشاندہی کی لیکن اس کے باوجود جارحیت سے ہاتھ نہیں روکا گیا اور خود امریکی فوج کی تحقیقاتی رپورٹ کے الفاظ ہیں کہ حملہ اس وقت روکا گیا جب پہاڑی چوٹی پر موجود موت کی خاموشی طاری نہیں ہوگئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک فرد کی شہادت یا اس کے شدید زخمی ہونے کا پختہ یقین نہیں کرلیا گیا۔ حقیقی معنوں میں یہ ایک نئے دور کی کربلا کا منظر تھا۔ یہ خون کی ہولی تھی جس میں تقریباً نہتے افراد کو میزائلوں، بموں اور گولیوں سے بھون ڈالا گیا، ان کے بنکرز، زمین دوز نہیں تھے بلکہ پہاڑی چوٹیوں کے اوپر بنائے گئے تھے، اس لیئے ایک ایک بنکر کو نشانے میں لے کر تباہ کیا گیا۔ کسی محدود جوابی کارروائی میں ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اشتعال انگیز کارروائی تھی اور وہ بھی ایک ایسی فوج کے خلاف جو بارہ برس سے وار آن ٹیرر میں امریکہ کی حلیف ہو اور جس نے امریکیوں سے زیادہ جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، اس ملک کے پینتیس ہزار افراد نے جام شہادت نوش کیا جن میں اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو بھی شامل ہیں۔

امریکہ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ ہماری نیت پر شک کرے اور ہمیں دوہرے کردار کا حامل قرار دے۔ آج امریکہ ہی نہیں، پوری دنیا میں لوگ سکون اور چین کی نیند سوتے ہیں تو اس کا سہرا ان بہادر، جری اور ایثار پیشہ پاکستانی افواج اور عوام کو جاتا ہے جنہوں نے نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ امریکہ کو اس سے پہلے سوویت روس کے خلاف ضرورت پڑی تو بھی پاکستانی فوج اور عوام نے قربانیاں دیں اور اس سپر پاور کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر مجبور کردیا۔ اس پاکستان کو امریکہ اگر یہ صلہ دیتا ہے کہ محض شک کی بنا پر اندھا دھند دو گھنٹے تک ہزاروں بموں، میزائلوں اور گولیوں سے چوبیس افسروں اور جوانوں کی تکا بوٹی کر دیتا ہے تو پھر پاکستان کی طرف سے اسے دوستی، مفاہمت اور تعاون کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے۔

ہم نے ابھی تک امریکہ کے خلاف صبر اور تحمل کا ثبوت دیا ہے، گو ہماری پارلیمنٹ کا متفقہ مطالبہ ہے کہ آئندہ ہر حملہ آور کو منہ توڑ جواب دیا جائے لیکن ابھی تک ڈرون حملے ہو رہے ہیں۔ کہنے کو ہماری افواج پارلیمنٹ کے فیصلوں پر عمل نہیں کر رہیں۔ میرا خیال ہے کہ افواج پاکستان اس ملک اور قوم کو کسی بڑی تباہی میں نہیں دھکیلنا چاہتیں اور امریکہ کو موقع دے رہی ہیں کہ وہ اپنا رویہ بہتر کرے، اپنے کیئے کی معافی مانگے اور آئندہ مکمل اشتراک عمل کا مظاہرہ کرے۔ پاکستان کو دہشت گردوں سے کوئی ہمدردی نہیں لیکن پاکستان یہ

بھی پسند نہیں کرے گا کہ اسے دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں بھی جھونکا جائے اور امریکہ بھی جب چاہے، ہماری خودمختاری اور ہمارے اقتدار اعلیٰ کو کچل ڈالے۔

پاکستان ایک چھوٹا ملک ضرور ہے لیکن ایک خوددار ملک کے طور پر اپنی آزادی، سلامتی اور اپنے اقتدار اعلیٰ کا تحفظ کرنا جانتا ہے۔ امریکہ نے دیکھ لیا ہے کی تمام تر اختلافات کے باوجود پاکستانی قیادت متحد ہے، میمو کے اسکینڈل کے باوجود حکومتی اداروں میں کوئی دراڑ نہیں آئی، وہ عدالتوں میں ضرور ایک دوسرے کے خلاف پیش ہو رہے ہیں لیکن جب امریکہ کا مسئلہ آتا ہے تو سول اور فوجی قیادت بلکہ اپوزیشن بھی یک زبان دکھائی دیتی ہے، وہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح یک جان ہے، امریکہ اس قوم کا مزید امتحان نہ لے۔

(25 جنوری 2012ء)

ڈاکٹر آصف جاہ نے نیکیاں لوٹ لیں

وہ اکیلے نہیں ہیں لیکن قوت متحرکہ وہی ہیں، ان کے پیچھے مخیّر خواتین وحضرات کا انبوہ کثیر ہے، اور کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے بے لوث جذبوں سے سرشار ورکر۔ ایف بی آر کے سربراہ بذات خود اس نیک کام کی سرپرستی میں جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لاہور کے ریجنل کلکٹر کسٹم تو ذاتی جیب سے عطیات سے نوازتے ہیں اور صنعتکار اعجاز سکا کی کیا بات ہے کہ اکیلے ہی کافی ہیں، وہ تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی مثال پر عمل کرتے ہیں کہ صدیقؓ کے لیئے ہے خدا کا رسول بس۔ وہ آقائے دو جہان رحمت اللعالمین ﷺ کی سیرت طیبہ کی پیروی میں انسانیت کی خدمت میں ہمہ وقت پیش پیش رہتے ہیں۔

رمضان کا آخری عشرہ نیکیوں، بخششوں اور مغفرتوں کی ضمانت ہے، وزیراعظم اس کے لیئے مکہ اور مدینہ سدھارے۔ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان اعتکاف میں بیٹھ گئے اور طاق راتوں میں جی بھر کے نیکیاں کمانے میں مصروف ہو گئے، لیکن ڈاکٹر آصف محمود جاہ نے نیکی کی تلاش میں بنوں کا رخ کیا جہاں شمالی وزیرستان کے بے خانماں لاکھوں افراد زندگی کی ہر ضرورت کے لیئے ترستے ہیں، انہوں نے اپنا گھربار اس لیئے چھوڑا کہ پورا پاکستان سکون اور امن سے ہمکنار ہو سکے، ان کی یہ ابتلا مہینوں کی ہے یا برسوں کی، اس کی انہیں پروا نہیں، بنوں کے لوگوں نے دل کے دروازے ان پر کھول دیئے، کسی نے اپنا آدھا گھر ان کے تصرف میں دے دیا، کسی نے اپنا حجرہ پیش کر دیا، بہت کم لوگ ٹینٹ سٹی میں ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر، یہ واقعی غیرت مند ہیں اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے گریز کرتے ہیں۔ اکثریت نے تو اپنی جیب سے مکان کرائے پر لے لیے ہیں مگر وہ ہجرت کے دوران گھر کا سارا سامان تو ساتھ نہیں لا سکے، نہ ایسا ممکن تھا، ان کے مال مویشی

بھی وہیں کھیتوں میں کھلے پھرتے ہیں اور پانی اور چارے کو ترستے ہیں۔

سرکاری ملازم ہو کر انسانی فلاح کے کاموں کی طرف متوجہ ہونا ایک معجزہ ہے، عام سرکاری ملازم تو صرف دفتر میں حاضری لگانے کو کافی سمجھتا ہے یا پھر سارا دن اندرون خانہ سازشیں اور سائلوں کی فائلیں خراب کرنے کا مشغلہ۔ اس ماحول میں ڈاکٹر آصف محمود جاہ کبھی آزاد کشمیر اور بالاکوٹ کے زلزلہ زدگان کی امداد کے لیئے کمر کس لیتے ہیں، کبھی ملک بھر میں سیلاب کے ماروں کے چارہ گر بنتے ہیں اور کبھی آواران کی تباہی کا شکار ہونے والوں کا سائبان بنتے ہیں اور کبھی تھر میں میٹھے پانی کے کنویں کھدوانے میں جت جاتے ہیں۔ یہ سب اس تڑپ کا نتیجہ ہے جو ان کے دل میں دکھی انسانوں کے لیئے موجزن ہے، وہ خود خلوص سے خدمت میں مشغول رہتے ہیں، اس لیئے انہیں پر خلوص دوستوں اور سرپرستوں کا تعاون بھی میسر آ جاتا ہے۔

میں لکھتا ہی رہ جاتا ہوں کہ چودھری شجاعت حسین اور چودھری پرویز الٰہی بنوں جائیں اور بے گھروں کے سر پہ ہاتھ رکھیں، کوئی سوچتا ہے کہ یہ کام عمران خان کو کرنا چاہیے، کوئی سراج الحق کی طرف دیکھتا ہے اور کوئی زرداری کی طرف، مگر انہیں کیا پروا، ایک شہباز شریف جاتے ہیں لیکن ان کے دو تین دوروں کا نقصان یہ ہوا کہ خیبر پی کے حکومت نے سرکاری اسکولوں کو نوٹس دے دیا ہے کہ وہ ایک معین تاریخ کو مہاجرین کو باہر دھکیل دیں تاکہ بچوں کی پڑھائی شروع ہو سکے۔ یہ ہے عمران کی تحریک انصاف کی گورننس اور انسان دوستی کا ایک نمونہ۔

بنوں ملک کا دوسرا گرم ترین شہر ہے اور شمالی وزیرستان کے یخ بستہ ماحول سے ہجرت کرنے والوں کا یہاں کی گرمی نے برا حال کر چھوڑا ہے، علاقے کے لوگ بار بار مطالبہ کرتے ہیں کہ کم از کم بنوں اور اس کے نواح کو چند ماہ کے لیئے لوڈ شیڈنگ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، لیکن نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ ڈاکٹر آصف جاہ نے دیگر ضرورت کی اشیاء کے علاوہ اس سفر میں سولر سے چلنے والے پنکھوں کے حصول اور پھر ان کی حاتم طائی کی طرح تقسیم پر خصوصی دھیان دیا۔ بعض پنکھے بیٹری سے چلتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو بجلی پر بھی کام دیتے ہیں، بنوں میں ان ملٹی پرپز پنکھوں کی بے پناہ مانگ ہے، شاید اگلے پھیرے میں ڈاکٹر آصف جاہ صرف انہی کے ٹرک بھر کے لے جائیں۔ اعجاز سکا کی سخاوت کا ایک بار پھر امتحان ہے۔

گرمی کی شدت بیماریوں کا باعث بھی بن رہی ہے، بچے بخار سے تپ رہے ہیں، بوڑھے اپنے جسم میں پانی کی کمی کا شکار ہو کر لاغری کا شکار ہیں۔ اسہال اور پیچش کی وبا پھیل رہی ہے، ڈاکٹر آصف جاہ کے ہمراہ

بہت بڑی ٹیم ڈاکٹروں اور نرسوں کی بھی تھی اور فلاحی کارکنوں کی بھی، انہوں نے کیمپ کیمپ پھر کر مریضوں کا علاج معالجہ کیا۔ایک طرف روزے، دوسری طرف پردیس، تیسری طرف سورج سوا نیزے پر، ایسے میں مسیحا خود کسی کی مسیحائی کی تلاش میں رہتا ہے مگر آفرین ہے ڈاکٹروں کی اس ٹیم کے جن میں ڈاکٹر ندیم، ڈاکٹر حسین ، ڈاکٹر بلال، ڈاکٹر ظفر، ڈاکٹر محمد اویس، ڈاکٹر مقبول حسین اور درجنوں دوسرے ڈاکٹر۔ایک ایک اور دو مل کر گیارہ ہو جاتے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر آصف جاہ کی نیکیوں کے جذبے فرواں کرے، وہ ان نفوس قدسیہ میں سے ہیں جن کو نہ ستائش کی تمنا ہے، نہ صلے کی پروا۔

ملک میں ایک طرف ہنگامی صورت حال بنی ہوئی ہے، کسی کو اپنے مرنے والوں کی دو ماہ بعد قرآن خوانی یاد آ گئی ہے، کسی کو سوا سال بعد الیکشن دھاندلی کا رونا یاد آ گیا ہے۔اور کوئی ڈھائی ٹوٹرو بارات میں شامل باجہ بنے نظر آتے ہیں۔اور دوسری طرف ہماری مسلح افواج سر دھڑ کی بازی لگا کر ملک میں قیام امن کے لیئے کوشاں ہیں۔

مگر ڈاکٹر آصف محمود جاہ اس افراتفری سے بے نیاز اور بالاتر ہو کر خدمت انسانیت میں منہمک ہیں۔

میں ان کے تازہ سفر کا احوال سنتے سنتے تھک گیا اور میرا سانس پھول گیا مگر وہ ایک طولانی حکائت سنانے کے بعد بھی تر و تازہ تھے، ان پھولوں کی طرح جن کا علاج انہوں نے مہاجر کیمپوں میں بڑی توجہ سے کیا، ان میں نیلی سبز سنہرے بالوں اور گلابی گالوں والی معصوم چاند سی گڑیا حرا بھی تھی جو عید رات ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر خوشی سے پھولے نہیں سماتی تھی۔اس بچی کی چمکتی روشن نورانی آنکھوں اور معصوم پیار و محبت سے بھرپور اداؤں نے پورے کیمپ کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، وہ تتلی کی طرح ہر طرف لہراتی، چوڑیاں چھنکاتی عید کے گیت گانے میں مگن تھی۔

پردیسیوں کے ساتھ عید یا تو آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے شمالی وزیرستان میں ادا کی یا پھر ڈاکٹر آصف جاہ اور ان کے فرشتہ صفت ڈاکٹروں اور فلاحی ورکروں نے یہ عید بنوں کے کیمپوں میں ادا کی، ایسی عید پر ہزاروں عیدیں نثار!!(6 اگست 2014)

حرا کی خوشیاں اور ڈاکٹر آصف جاہ کے دکھ

میں کئی روز سے واویلا کر رہا ہوں کہ خیبر پی کے حکومت نے شمالی وزیرستان کے مہاجروں کو اسکولوں سے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ یہ حکومت ان دنوں اسلام آباد کے دھرنے میں شریک ہے۔ بدقسمتی سے عمران خان کے عزائم کے پیش نظر اول تو لوگ بڑی تعداد میں گھروں سے نکلے ہی نہیں اور چند ہزار جو دھرنے میں شریک بھی ہوئے، وہ عمران خان کے ہر آن بدلتے اور بڑھتے ہوئے مطالبات کے پیش نظر واپسی کی راہ لے رہے ہیں، اس کے بعد تحریک انصاف کو اپنی ساکھ بچانے کی فکر لاحق ہے، اس لیئے وہ مہاجرین کو کسی نہ کسی بہانے تنگ کر رہی ہے تاکہ وہ بھی احتجاج کے لیئے پارلیمنٹ ہاؤس پہنچ جائیں اور ٹی وی کیمروں کے سامنے چند لاکھ کا مجمع دکھایا جا سکے۔ عمران خان دوسری طرف پاک فوج سے ضربِ عضب کا بھی انتقام لینا چاہتے ہیں۔ عمران کے لیئے تو دہشت گرد بہت لاڈلے تھے، وہ نہ تو امریکہ کو ان پر ڈرون حملوں کی اجازت دینے کے لیئے تیار تھا، نہ پاک فوج کو ان کے خلاف آپریشن کرنے دیا جا رہا تھا۔ اس نے تو مذاکرات کا ڈرامہ رچا کر دہشت گردوں کو صف بندی کا موقع فراہم کیا۔ یہی آپریشن اگر فروری مارچ میں ہو جاتا تو اب تک مہاجرین اپنے گھروں میں واپس جا آباد ہوتے، سردیوں میں برف پوش چوٹیوں پر دہشت گردوں کے لیئے چھپنا ممکن نہ تھا، اب تو وہ میر علی میں قدم جما کر لڑے ہیں تاہم فوج کے سامنے ان کی پھر بھی ایک نہیں چلی اور انہیں ختم کر دیا گیا ہے۔

عمران خاں کے مذاکراتی داؤ کی وجہ سے شمالی وزیرستان کے قبائلیوں کو بے حد نقصان پہنچا ہے اور وہ ایک

ماہ سے بے گھر ہیں۔ اگرچہ ان کی زیادہ تعداد نے اپنی رہائش کا از خود بندوبست کر لیا ہے مگر کچھ مہاجرین ایسے بھی ہیں جو سرکاری عمارتوں میں پناہ گزین ہیں، عمران کا کوئی اور بس نہیں چلا تو ان لوگوں کو تنگ کیا جا رہا ہے اور انہیں سرکاری عمارتیں خالی کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

وزیری مہاجرین اور ضربِ عضب میں مصروف پاک فوج کو قوم کی پشت پناہی کی اشد ضرورت تھی۔ مگر عمران نے حکومت اور قوم کی توجہ ان کے مسائل سے ہٹانے کے لیئے لانگ مارچ کا سوانگ رچایا، سر دست مجھے ان مہاجرین کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانی ہے جو پوری قوم کی سلامتی کی خاطر اپنے گھروں سے بے دخل ہوئے۔ مگر یہ کیا ستم ہے کہ قوم ان کو بھول گئی، ملک کے سارے ٹی وی چینلز کے کیمرے لانگ مارچ کے تماشے پر مرکوز ہیں، یہاں ضرور کوئی چند ہزار لوگ موجود ہوں گے مگر شمالی وزیرستان کے دس لاکھ لوگوں کو ہم نے بحیثیت قوم نظر انداز کر رکھا ہے۔ ابھی اعجاز الحق اور حیدر عباس رضوی نے قادری سے ملاقات کی اور رونا رویا کہ لوگوں کو پینے کا پانی دستیاب نہیں ہے، کاش! کوئی قومی لیڈر بنوں بھی جاتا اور دیکھتا کہ ننھی حرا کو کس طرح ایک اسکول کی بلڈنگ سے نکال دیا گیا ہے، ایک طرف اسی قوم کی ایک بچی ملالہ ہے جسے ساری دنیا اس کی بہادری کی وجہ سے سر آنکھوں پہ بٹھا رہی ہے اور دوسری طرف حرا ہے، ایک ننھی پری، فرشتوں سے زیادہ معصوم جو عید کے تحائف ملنے پر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہی ہے، اس نے عید پر خود بھی چوڑیاں پہنیں اور سہیلیوں کو بھی پہنائیں اور اس کی خوشی کہکشاؤں سے زیادہ روشن اور منور تھی، چودہ اگست کو اس نے پاکستان کا پرچم ہاتھوں میں تھاما اور سہیلیوں کے جھرمٹ میں مستانہ وار پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے، مگر اسے نہیں پتا تھا کی اس کی یہ خوشیاں عارضی ہیں اور صوبائی حکومت کے اہلکار اسے اور اس کے خاندان کو اسکول سے باہر دھکیل دیں گے، اب اسے نیا ٹھکانہ چاہیئے، اس کی خوشیوں میں کھنڈت پڑ گئی اور وہاں موجود ڈاکٹر آصف جاہ کے چہرے سے ملال جھلکنے لگا، وہ تو مہاجرین کے علاج معالجے کے لیئے وہاں پہنچے تھے، ایک کیمپ پہلے سے کام کر رہا تھا، ایک نیا کیمپ لگایا، وہ اب تک چالیس ہزار مریض مہاجرین کو دوا دارو فراہم کر چکے ہیں، ان کے پیچھے چند ایک مخیّر حضرات ہیں جو موسم کی سختیوں کے پیش نظر سولر پنکھے فراہم کرنے میں ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں، پشاور کا محکمہ کسٹمز ان کی بھرپور معاونت کر رہا ہے۔ بنوں کا پہلا مسئلہ گرمی کی شدت ہے، اوپر سے بیس بائیس گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ، اور مہاجرین جس علاقے سے آئے ہیں، وہاں انہوں نے کبھی ایسی قیامت کی گرمی دیکھی نہیں جو بنوں میں پڑتی ہے۔ ڈاکٹر آصف جاہ نے ایک ہی اپیل کی ہے کہ خدا کے لیئے

اس شہراور مضافات کولوڈ شیڈنگ سے مستثنیٰ کیا جائے اوراب ان کی دوسری اپیل ہے کہ خدا کے لیئے عمران خان کی صوبائی حکومت مہاجرین کواسکولوں اور دیگر سرکاری عمارتوں سے بے دخل نہ کرے، یہ لوگ کہاں جائیں گے،ان کے عارضی قیام کے لیئے صوبائی حکومت نے کوئی متبادل انتظام بھی نہیں کیا،اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ یہ مہاجرین جودس لاکھ کی تعداد میں ہیں،تنگ آمد، بجنگ آمد کے مصداق وفاقی حکومت کے خلاف احتجاجی مارچ کریں،اس طرح عمران کے جلوس کے شرکاء کی کمی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا،لیکن حاضری پوری کرنے کے لیئے مہاجرین کونشانہ ستم بنانا کہاں سے جائز ہوگیا،یہ تو نری شقاوت ہے۔

ڈاکٹر آصف جاہ نے شمالی وزیرستان کے مہاجرین کی امداد کا سلسلہ،ضربِ عضب سے بھی پہلے شروع کیا،وہ خوداس علاقے میں بار بارچکر کاٹ رہے ہیں اوراب بھی ایک ہفتے سے زائد ہو چلا ہے،وہیں خدمت خلق میں مصروف ہیں،ان کی سرگرمیوں کی خبریں سوشل میڈیا کے ذریعے پہنچتی ہیں یا کبھی کبھاران کے ایس ایم ایس آجاتے ہیں،میں ان کی نیکیوں میں شامل پوری ٹیم کوسلام پیش کرتا ہوں۔مجھے تواب پتا چلا ہے کہ نیکی کیا ہوتی ہے،نیکیوں کے جذبات سے سرشارٹیم میں شکیل انجم،شامل ہیں،مرزازاہدالیاس بھی پیچھے نہیں رہے،خواجہ عدنان ظہیر نے تو ایثار کی نئی مثال قائم کردی۔سید محبوب علی نے نوٹوں کا ڈھیر لگا دیا،سجادشاہ کا جذبہ قابل رشک ہے،فائزہ اقبال اوران کے شوہراقبال محسن نے تو دن رات ایک کردیا اور تحائف کے پیکٹوں کے ٹرک لدگئے،ڈاکٹرظفر،قاری عبدالرحمٰن اور توفیق صاحب تو ساتھ ہی چل دیئے۔

میں نے جب بھی ڈاکٹر آصف جاہ کی نیکیوں کا ذکرکیا ہے تواعجاز سکا،کا نام اس میں نمایاں دکھائی دیتا ہے،اس مرتبہ توانہوں نے شمسی توانائی کے پنکھوں کی فراہمی اپنے ذمے لے لی۔اعجاز سکا کا پورا خاندان قربانی اورایثار کی لازوال داستان رقم کررہا ہے۔

شمالی وزیرستان کے دس لاکھ مہاجرین کوہماری قوم تو بھول ہی بیٹھی تھی مگرڈاکٹر آصف جاہ کشاں کشاں ان کی خدمت کے لیئے جاتے ہیں اورقوم کی طرف سے کفارہ ادا کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا پر وہ ایک تصویر میں ننھی حرا کو گود میں لیئے بیٹھے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے دونوں جہانوں کی خوشیاں انہوں نے سمیٹ لی ہوں۔

کبھی آپ کی نظریں بھی ٹی وی اسکرین سے ہٹیں تو کم ازکم ان دکھوں کوضرورمحسوس کیجئے جن سے دس لاکھ وزیری مہاجرین دوچار ہیں۔(21 اگست 2014)

ڈاکٹر جس کے ہاتھ میں شفا ہے اور اُمید کا سورج بھی

میں انہیں اللہ، کعبہ اور بندہ کے حوالے سے جانتا ہوں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ یہ ایک ایسا بندہ ہے، اللہ خود جس کے انتہائی قریب ہو گیا ہے۔ اللہ اپنے قرب سے ان بندوں کو نوازتا ہے جو اللہ کے بندوں کے قریب ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر آصف محمود جاہ ہیں تو کسٹم میں ایک اعلیٰ افسر لیکن وہ ایک انسانیت نواز شخص ہیں۔ ان کا دل دکھی لوگوں کے لیئے تڑپتا ہے، اور ان کا ذہن لاچاروں کی دستگیری کی سوچ میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔

ان دنوں آپریشن ضربِ عضب کی وجہ سے نو لاکھ مہاجرین کا ایک جم غفیر شمالی وزیرستان سے نکل کر بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے نواح میں آباد ہے، ابھی آپریشن کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی تنظیم کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی نے میران شاہ کے عین قریب ایک میڈیکل کیمپ جا قائم کیا، نیت یہ تھی کو جو لوگ گھروں سے نکلیں، انہیں ضروری دوا دارو، فوری طور پر فراہم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب ہر آفت میں متحرک رہے، دو ہزار پانچ کا زلزلہ، دو مرتبہ قیامت خیز سیلاب، آواران کا زلزلہ اور پھر تھر میں قحط سے بچوں کی ہلاکت، ہر جگہ ڈاکٹر صاحب کے نقوش قدم دیکھے جا سکتے ہیں۔ مجھے تجسس یہ تھا کہ ایک کسٹم افسر ذاتی طور پر کتنا کما لیتا ہو گا۔ اتنی بڑی خدمت وہ تنہا تو انجام نہیں دے سکتا۔ مجھے دو روز پہلے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا، اقبال ٹاؤن کے ایک شادی ہال میں انہوں نے دعوت افطار کا اہتمام کیا، ہال کے اندر میلے کا سماں تھا۔ تین سو سے زائد مہمان انتہائی مہذب انداز میں بیٹھے تھے، یہ خاموشی جامعہ اشرفیہ کے مولانا فضل الرحیم نے ایک دعا سے توڑی، وہ گریہ وزاری کر رہے تھے کہ یہ وقت دعا ہے، جنت کے دروازے کھلے ہیں اور ان

پر ان لوگوں کی صفات لکھی ہیں جو بلا روک ٹوک اندر جا سکتے ہیں، ان میں وہ بھی ہوں گے جو اللہ کی مخلوق سے مہربانی سے پیش آتے ہیں، کرو مہربانی تم اہل زمیں پر، خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر۔

اس تقریب کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پروفیسر محفوظ قطب یہاں اپنی خطاطی کے بیس نمونے لائے تھے اور یہ ان نیک بندوں کو پیش کیئے جانے تھے جنہوں نے پچاس ہزار سے زائد کے عطیات دیئے ہوں یا دینا چاہتے ہوں، دیکھتے ہی دیکھتے سترہ عطیات کا اعلان ہو گیا، تین پینٹنگز باقی تھیں، ایک کے لیئے ایک لاکھ روپے کا اعلان ہوا، دوسری کے لیئے پچاس ہزار کا، تیسری کے لیئے میں نے تجویز دی کہ یہ کسی بچے یا بچی کو پیش کی جائے جو سب سے کم عطیہ دے، ایک بچے نے بیس روپے دیئے اور جنت کی ٹکٹ کے ساتھ اسے اسم محمد ﷺ کی خوبصورت خطاطی کی پینٹنگ بھی مل گئی، یہ بچہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ جیسے دو جہاں کی نعمتیں مل گئی ہوں۔ پروفیسر قطب ٹیکسٹائل انجینیرنگ کے استاد ہیں، ملک کی بڑی بڑی ٹیکسٹائل ملوں کی بنیاد میں ان کی مشاورت اور فنی مدد شامل ہے، مگر وہ ذوق لطیف کے مالک ہیں، اور فارغ وقت میں اسمائے حسنیٰ اور اسمائے رسول ﷺ کی خطاطی کرتے ہیں، ان کی ایک خطاطی کی کلر اسکیم، دوسری خطاطی سے مختلف ہوتی ہے، میں فائن آرٹس کا طالب علم بھی نہیں کہ اس پر تبصرہ کرسکوں مگر ان کے فن پاروں کو چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ یہ خطاطی نہیں، رنگ و نور کی قوس قزح ہے جسے وہ برش سے ایک کینوس پر منتقل کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا روشن جذبہ ہے جو اچھل کر ہمارے سامنے موجزن ہو جاتا ہے۔

میں کدھر نکل گیا، میں نے تذکرہ کرنا تھا ان روحانی شخصیتوں کا جو دکھی لوگوں کا سہارا بننے کے لیئے ہمہ وقت مچلتے ہیں، ان کی پہلی اور آخری امنگ یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کی شکستہ امنگوں کو جوڑ سکیں۔ اللہ نے ان کو بہت دیا ہے اور وہ دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کی سالانہ افطاری میں، میں نے ایسے ہی نورانی چہرے دیکھے، وہ طمانیت کی دولت سے سرشار تھے، اور اپنی دنیوی دولت مستحقین پر نچھاور کر رہے تھے، اعجاز سکا نے تین پینٹنگز لیں تو میں نے حیران ہو کر ڈاکٹر آصف جاہ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، اکیلے شخص کو تین تحفے، کہنے لگے، ان کا پورا خاندان الگ الگ ہمارے ساتھ تعاون میں پیش پیش ہے، اعجاز سکا کو میں، اس سے پہلے اواری ہوٹل کی ایک افطاری میں مل چکا تھا۔ وہ نام و نمود کی خواہش نہیں رکھتے، کوشش کرتے ہیں کہ لینے والے ہاتھ کو دینے والے ہاتھ کا پتا نہ چل سکے۔ لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب سے خصوصی اجازت لے کر ان کا تذکرہ کیا ہے، میں

کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی کے دیگر نمایاں ڈونرز کا بھی یہاں تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے معاشرے میں نیکی کی تقلید کی روایت مستحکم ہوتی ہے۔

اس تقریب میں شمولیت سے مجھے ایک سبق ملا ہے کہ ہم جس قدر بھی محفوظ اور مامون ہیں، یہ ان لوگوں کی برکت ہے جو اللہ کی راہ میں طوفان بلا خیز بن کر خرچ کرتے ہیں۔ وہ آندھی کی طرح خیرات کا جھکڑ چلا دیتے ہیں۔ میں کس کا نام لکھوں اور کس کا نہ لکھوں، یہ ایک طویل فہرست تھی لیکن میرے حافظے میں جو نام رہ گئے، ان میں سید محبوب علی، افتخار بشیر، عدیل ہاشمی، علامہ شاہد، عامر ملک، پروفیسر خالد مسعود گوندل، پروفیسر ندیم حیات ملک، میاں ارشاد، اشرف النسا بیگم، عظمی عاقب شامل ہیں، سعودی عرب سے ڈاکٹر جنید اصغر اور آسٹریلیا کے فضل چودھری بھی اس فضل وکرم کے منصوبے کا قابل قدر کردار ہیں۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین طارق باجوہ اور چیف کلکٹر کسٹمز لاہور روزی خاں برکی کا سرگرم تعاون اور سرپرستی بھی ڈاکٹر صاحب کو حاصل ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی ماضی کی گراں قدر خدمات کا یہاں احاطہ نہیں کر سکتا، اس پر تو انہوں نے درجنوں کتابیں خود لکھ دی ہیں، مگر حالیہ بحران میں وہ جس طرح پیش پیش ہیں، اس پر انہیں بے اختیار ہو کر خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ پچھلے ایک ماہ میں پچاس لاکھ روپے کی اشیا وزیری مہاجرین میں تقسیم کر چکے ہیں، ان کے میڈیکل کیمپ ہمہ وقت کام کر رہے ہیں، بنوں میں قائم ہسپتال میں انہوں نے 23 ہزار مریضوں کو مفت طبی امداد فراہم کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خصوصی طور پر اپیل کی ہے کہ مہاجرین کو سولر پنکھوں کی اشد ضرورت ہے یا واپڈا والے کم از کم بنوں شہر کو لوڈ شیڈنگ سے مستثنٰی قرار دیں۔ انہوں نے بتایا کہ وزیری مہاجرین بڑے خوددار واقع ہوئے ہیں، وہ خیموں میں رہنا پسند نہیں کرتے، اول تو انہوں نے خود ہی گھر کرائے پر لے لیئے ہیں ورنہ اہل بنوں نے اپنے گھروں کے دروازے ان کے لیئے کھول دیئے ہیں۔ اہل بنوں نے انصار مدینہ کی یاد تازہ کر دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب محض علاج معالجے تک محدود نہیں ہیں، وہ امید کی شمعیں بھی روشن کرنے میں مگن رہتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ وزیری مہاجرین کے بچوں کو تحائف ملتے ہیں تو وہ اچھل اچھل کر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ اور ان نعروں کے عقب سے وہ سورج جھانک رہا ہے جو ہمارے وطن کے کل کو جگمگائے گا۔ (20 جولائی 2014)